
پاسبان حق
عون الباری
لحل
مشکلات صحیح البخاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخاری شریف (جلد اوّل)

الأجوبة عن أسئلة الاختبار لستة أشهر

سوال:۱، صفحہ:۱

(الف)علمِ حدیث کی تعریف، موضوع، غایت اور تدوینِ حدیث کی تاریخ بیان کریں۔
(ب)اور مؤلف کے سوانح حیات اور بخاری شریف کی خصوصیات پر روشنی ڈالئے۔
(ج) نیز بتائیے کہ حدیث: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کا تعلق بَابُ کَیْفَ کَانَ بَدْءُ الْوَحْیِ سے کس طرح ہے جبکہ حدیث میں کہیں بھی وحی کا ذکر نہیں ہے؟
(۱۴۱۲-۱۴۱۴-۱۴۱۶-۱۴۲۵ھ)

الجواب:

(الف):

علمِ حدیث کی تعریف: قَالَ الْعَلَّامَةُ الْعَيْنِي شارح البخاری الحدیث مَا اُضِيْفَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ اَوْ تَقْرِيْرٍ اَوْصِفَةٍ.
وہ باتیں ہیں جو نبی علیہ السلام کی طرف منسوب ہوں خواہ وہ آپ کا ارشاد ہو یا آپ علیہ السلام کا کیا ہوا کام ہو، یا آپ علیہ السلام کی برقرار رکھی ہوئی بات ہو یا آپ کے ذاتی حالات ہوں۔

فنِّ حدیث کی تعریف: عِلْمٌ يُّبْحَثُ فِيْهِ عَنْ قَوْلِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِعْلِهٖ وَتَقْرِيْرِهٖ رِوَايَةً وَدِرَايَةً.
فن حدیث وہ علم ہے جس میں نبی علیہ السلام کے اقوال وافعال وتقریرات سے بحث کی جاتی ہے روایت اور درایت کے اعتبار سے۔

موضوع: (۱) اَلْمَرْوِیَّاتُ مِنْ حَیْثُ الرِّوَایَةِ وَالدِّرَایَةِ.
فن حدیث کا موضوع مرویات ہیں روایت ودرایت کے اعتبار سے۔
(۱) قَالَ الْعَلَّامَةُ الْکِرْمَانِیُ هُوَ ذَاتُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.
علمِ حدیث کا موضوع خود رسول اللہ علیہ ﷺ کی ذات ہیں۔

غایت عمومی: اَلْفَوْزُ بِسَّعَادَةُ الدَّارَیْنِ. دنیاو آخرت کی نیک بختی حاصل کرنا۔
غایتِ خصوصی: تَأَسِّیْ یعنی آنحضور علیہ ﷺ کی دات کو نمونۂ عمل بنانا۔
اور تشریعی یعنی احادیث سے آئینِ اسلام بنانا۔

تدوینِ حدیث کی تاریخ: منکرینِ حدیث یہ کہا کرتے ہیں کہ احادیث تیسری صدی ہجری میں مدوّن کی گئی اس لئے یہ اعتماد نہیں ہے کہ وہ اصلی صورت پر باقی رہی ہوں لیکن یہ مغالطہ بے بنیاد ہے اس لئے کہ سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ حدیث کی حفاظت کا عہدِ رسالت سے لے کر اب تک کیا اہتمام ہوا حفاظتِ حدیث کا راستہ صرف کتابت ہی پر منحصر نہیں تھا بلکہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں حفاظتِ حدیث کے لئے تین معتمد ذرائع استعمال کئے گئے ہیں:

(۱) حفظِ حدیث: اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب کو غضب کا حافظہ عطا فرمایا جس کے ذریعہ سے وہ صرف اپنی ہی نہیں بلکہ اپنے گھوڑے تک کے نسب نامے ازبر یاد کر لیتے تھے۔
(۲) تعاملِ صحابہ: یعنی آپ علیہ ﷺ کے اقوال وافعال کو عمل کر کے اسے یاد کر لیتے تھے۔
(۳) کتابتِ حدیث۔

پھر باقاعدہ تدوینِ حدیث کے لئے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا لیکن ان کو شرح صدر نہ ہونے کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا۔
پھر جب پہلی صدی ہجری کے ختم پر عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ بنے تو انہوں نے سوچا کہ اکثر صحابہ گزر چکے ہیں اور حدیثوں کے ساتھ سندوں کا اضافہ ہو گیا ہے اور حدیثیں گھڑنے کا رواج بھی شروع ہو چکا ہے پس اگر سلسلہ اسی طرح چلتا رہا تو آئندہ بہت دشواری پیش آئے گی۔

چنانچہ انہوں نے گورنروں کولکھا کہ اساتذہ جو حدیثیں بیان کرتے ہیں ان کولکھ کر میرے پاس بھیج دو، کیونکہ مجھے علم کے مٹنے کا اور علماء کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے ان کا پروگرام تھا جب سب جگہ سے حدیثیں آجائیں گی تو امام زُہری اس کو مرتب کریں گے اور وہ سرکاری ریکارڈ میں محفوظ کرلی جائیں گی، گورنروں نے عمر بن عبدالعزیز کا والا نامہ علماء کو دیکھا کر یہ کام ان کے سپرد کیا، انہوں نے کام شروع کردیا، پھر ابھی حدیثیں جمع ہوکر پایۂ تخت کو نہیں پہنچی کہ عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہوگیا۔

لیکن علماء نے جو کام شروع کیا وہ کرتے رہے، یہاں تک کہ تدوینِ حدیث کی پہلے دَور میں علاقہ واری حدیثیں جمع کیں، مدینہ والوں نے مدینہ کی بصرہ والوں نے بصرہ کی وغیرہ، اسی طرح بہت سی کتابیں وجود میں آگئیں، ان میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مؤطا اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مسانید موجود ہیں، باقی مفقود ہوگئیں۔

(۲) جب تدوینِ حدیث کے پہلے دَور میں علاقہ واری حدیثیں جمع کی گئیں تو ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسی کتابیں لکھی جائیں جن میں تمام حدیثیں جمع ہوں، کیونکہ مختلف کتابوں میں سے حدیثیں تلاش کرنا مشکل ہے اس طرح تدوینِ حدیث کا دوسرا دَور شروع ہوا، چنانچہ دوسری صدی کے نصف آخر میں جوامع لکھی گئیں، جیسے جامع سفیان ثوری، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ۔

(۳) پھر جب تدوینِ حدیث کا دوسرا دَور مکمل ہوا تو تین باتیں سامنے آئیں:

(۱) حدیث کی کتابوں میں صرف نبی ﷺ سے تعلق رکھنے والی باتیں ہی لی جائیں، صحابہ اور تابعین کے اقوال وفتاویٰ کو حدیث کی کتابوں میں نہیں لینا چاہئے۔

(۲) امام اعظم اور امام ملک رحمہما اللہ کے زمانہ تک صحابہ کے فتاویٰ بھی حجت سمجھے جاتے تھے ان کی موجودگی میں اجتہاد نہیں کیا جاتا اور اگر صحابہ میں اختلاف ہوتا تو مجتہد انتخاب کرتا تھا، لیکن اب نیا خیال پیدا ہوا کہ: هُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ وہ بھی مجتہد ہیں ہم بھی مجتہد ہیں۔

(۳) مرسل روایات حجت ہیں یا نہیں؟

چنانچہ تیسری صدی ہجری میں تدوینِ حدیث کا تیسرا دَور شروع ہوا تو اس دَور کی کتابوں میں یہ باتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں یعنی اس دَور کی کتابوں میں صرف مرفوع حدیثیں لی گئی ہیں، صحابہ کے انفرادی فتاویٰ نہیں لئے گئے نہ مرسل روایتیں لی گئی ہیں اور صحاح ستہ اسی دَور کی کتابیں ہیں۔

(۴) پھر تدوینِ حدیث کے چوتھے دَور میں تیسرے دَور کے مصنفین نے جو حدیثیں چھوڑ دی تھیں بعد کے محدثین نے ان کو اپنی کتابوں میں درج کیا اور براہِ راست اساتذہ سے حاصل کر کے لکھا ہے جیسے طبرانی کے معاجم ثلاثہ اور بیہقی کی سنن کبریٰ وغیرہ چوتھے دَور کی کتابیں ہیں۔ (تحفۃ القاری:۱/۷۸)

(ب) امام بخاری کے سوانح حیات:

نام و نسب: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا نام محمد۔ کنیت ابوعبداللہ اور لقب امیر المؤمنین فی الحدیث ہے۔ والد ماجد کا نام اسماعیل۔ دادا کا نام ابراہیم اور پردادا کا نام مغیرہ ہے جو پہلے مجوسی تھے، پھر حاکم بخاری یمان بن اخنس جعفی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اسی وجہ سے امام بخاری کا خاندان یمانی اور جعفی کہلاتا ہے۔

تاریخِ ولادت اور مدتِ عمر: امام بخاری ۱۳/شوال ۱۹۴ھ میں بروز جمعہ شہر بخاریٰ میں پیدا ہوئے اور ۱۲/دن کم ۶۲ برس کی عمر میں ۲۵۶ھ میں وفات پائی۔ کسی نے آپ کا سنِ پیدائش مدتِ عمر اور سنِ وفات کو اس طرح منضبط کیا ہے:

ولد فی صدق و عاش حمیداً و مات فی نور

تحصیلِ علوم: امام بخاری ابھی کم عمر ہی تھے کہ سر سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا، چنانچہ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ کی تربیت اور نگرانی میں حاصل کی۔

احادیث یاد کرنے کا شوق بچپن ہی سے تھا، چنانچہ دس سال کی عمر میں اتنی حدیثیں حفظ کرلیں کہ گیارہویں سال میں ایک بہت بڑے محدث امام داخلی رحمۃ اللہ علیہ کے سبق میں سند میں ان کی غلطی پکڑی اور سولہ سال کی عمر میں عبداللہ بن المبارک اور امام وکیع کی تمام کتابیں اَزبر کرلیں۔

شیوخ و اساتذہ: امام بخاری کا دور اسلام کی فتوحات کا دَور ہے اور تابعین تبعِ تابعین اور حاملینِ حدیث دُور دُور تک پھیل گئے تھے، اس لئے امام کو تحصیلِ علوم کے لئے طویل اسفار کرنے پڑے، بعض مرتبہ ایک حدیث کے لئے ایک ماہ کی مسافت طے کی ہے کہا جاتا ہے کہ امام بخاری کے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار اَسّی (۱۰۸۰) ہے، جن سے آپ نے احادیث لکھی ہیں۔

تعدادِ روایات: امام بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کر کے بخاری شریف تصنیف فرمائی ہے، بخاری شریف میں کل حدیثیں بشمول مکررات معلقات اور متابعات نو ہزار بیاسی (۹۰۸۲) ہیں اور مکررات کو کم کرنے کے بعد یہ تعداد دو ہزار سات سو اکسٹھ (۲۷۶۱) رہ جاتی ہے۔

اصحاب و تلامذہ: آپ کے تلامذہ اور مستفیدین کا حلقہ نہایت وسیع ہے کہا جاتا ہے کہ آپ سے براہِ راست نوّے ہزار تلامذہ نے جامع صحیح سنی ہے آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے علماء و محدّثین ہیں مثلاً امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی وغیرہ۔

تصانیف: (۱) صحیح البخاری (۲) الادب المفرد (۳) خلق افعال العباد (۴) التاریخ الصغیر (۵) التاریخ الاوسط (۶) التاریخ الکبیر (۷) الضعفاء الصغیر (۸) قرۃ العینین برفع الیدین فی الصلاۃ (۹) القراءۃ خلف الامام۔

خصوصیات بخاری شریف: (۱) تراجمِ بخاری جو لطیف اشارات اور دقیق طرقِ استنباط کی مشعر ہیں (۲) حدیث معنعن میں لقاء کو لازم و ضروری قرار دیا (۳) صحیح احادیث کو درج کیا اس کے علاوہ کسی قسم کی حدیث نہیں لائے (۴) متفق علیہ شرائط کے علاوہ دو شرط میں امام متفرد ہیں: (۱) شدتِ ضبط و اتقان (۲) کثرتِ ملازمت للشیخ (۵) بخاری میں کل ۲۲ ثلاثیات ہیں (۶) سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ تعالیٰ فی الارض ہے۔ (تحفۃ القاری: ۱/۳۸)

(۱) یہ حدیث وحی کے بیان سے تعلق رکھتی ہے اور وحی کا بیان شروع کرنے سے

پہلے استدراک (کسی امر کی تلافی) کے طور پر لائے ہیں اور وہ یہ ہے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں: وحی ربانی اور وحی شیطانی، حجت وحی ربانی ہے، وحی شیطانی حجت نہیں جیسے: ہجرت کی دو قسمیں ہیں: اللہ و رسول کی طرف ہجرت اور دنیا طلبی کے لئے ہجرت۔ اوّل دینی عمل ہے اور ثانی دینی عمل نہیں اسی طرح وحی کی بھی دو قسمیں ہیں اور حجت وحی ربانی ہے وحی شیطانی نہیں اور اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے حدیث کا ایک جزء حذف کر دیا ہے۔

(۲) اس طرح تعلق ہے حدیث کا باب سے کہ ترجمۃ الباب کا مقصد ہے کہ آپ ﷺ کی طرف وحی کی ابتداء کیسے ہوئی آیتِ کریمہ میں بتایا گیا کہ جیسی انبیاء سابقین کی طرف وحی آئی ہوئی ہے اور حدیث میں اس کے حسنِ نیت و اخلاص کی تاکید کی ہے اور یہی وہ وحی ہے جو تمام انبیاء کی طرف آئی کما قال تعالیٰ: وَمَا أُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ معلوم ہوا کہ آیت میں جو تشبیہ كَمَا اَوْحَيْنَا میں تھی اس کی مثال کے طور پر اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کی حدیث بیان کی ہے۔ (تحفۃ القاری: ۱/۱۲۱)

پس مناسبت ظاہر ہے:

سوال: ۲، صفحہ: ۲

بَابُ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ذِكْرُهُ (إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ)

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ يَأْتِيْكَ الْوَحْيُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْيَانًا يَأْتِيْنِيْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ فَيُفْصَمُ عَنِّيْ وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ وَأَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِيْ فَأَعِيْ مَا يَقُوْلُ

وَقَالَ تَعَالٰی: وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْیُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَکِیْمٌ.

(۱۴۳۵-۱۴۳۶ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وحی کے بیان سے کتاب کیوں شروع کی ہے۔

(ج) آیتِ کریمہ اور حدیث کی روشنی میں وحی کی صورتیں بیان کریں۔

(د) یہ حدیث بَابُ کَیْفَ کَانَ بَدْءُ الْوَحْیِ إِلٰی رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کے تحت مذکور ہے ترجمۃ الباب کی غرض پھر اس حدیث کی باب سے مناسبت بیان کریں۔

(ہ) کیا وحی کی یہی دو قسمیں ہیں یا اور بھی اقسام ہیں اگر اور بھی ہیں تو کیا کیا، بوضاحت تحریر کریں نیز بتائیں کہ اس حدیث میں دو ہی قسم پر کیوں اکتفاء کیا گیا ہے؟

(ز) حدیث میں وحی کی جو صورت مذکور ہے وہ آیت میں مذکور صورتوں میں شامل ہے یا ان سے الگ صورت ہے؟ نیز بتائیں کہ قرآن کی وحی اور کتبِ سابقہ کی وحی میں کچھ فرق ہے یا نہیں بوضاحت تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز کیسے ہوا اِس کا بیان

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہم نے آپ ﷺ کے پاس وحی بھیجی جیسے آپ ﷺ سے پہلے نوح علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیاء کرام کے پاس وحی بھیجی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اے اللہ کے رسول آپ ﷺ کے پاس وحی کس

طرح آتی ہے؟ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کبھی میرے پاس وحی گھنٹی کی مسلسل آواز کی طرح آتی ہے اور وحی کی یہ صورت مجھ پر بہت شاق و بھاری ہوتی ہے پس وہ مجھ سے منقطع ہوتی ہے درآنحالیکہ میں محفوظ کر چکا ہوتا ہوں اس سے وہ بات جو اس نے کہی اور کبھی فرشتہ میرے سامنے آدمی کا پیکر اختیار کرتا ہے یعنی انسانی شکل میں نمودار ہوتا ہے پس وہ مجھ سے بات کرتا ہے پس میں اس بات کو محفوظ کر لیتا ہوں جو وہ کہتا ہے۔

ارشاد پاک ہے: کسی بشر میں سکت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس سے رُو در رُو بات کریں مگر وحی کے طور پر یا اللہ تعالیٰ بات کریں پردہ کے پیچھے سے یا اللہ تعالیٰ قاصد فرشتہ بھیجتے ہیں پس وہ وحی کرتا ہے اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ برتر عالی شان اور حکمت والے ہیں۔

(ب):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ایمان کے بیان سے شروع کی ہے اور کتاب التوحید پر ختم کی ہے اور شروع میں وحی کا بیان بطور تمہید لائے ہیں یعنی حجیتِ حدیث ثابت کرنے کے لئے وحی کا بیان شروع میں لائے ہیں جیسے فقہ کی کتابیں نماز کے بیان سے شروع ہوتی ہیں کیونکہ نماز دین کا بنیادی ستون ہے مگر چونکہ نماز کے لئے طہارت شرط ہے اس لئے فقہاء بطور تمہید طہارت کے مسائل بیان کرتے ہیں، اسی طرح دین نام ہے دو چیزوں کا عقائد کا اور اعمال کا۔ عقائد ایمان کہلاتے ہیں اور اعمال اسلام کہلاتے ہیں اور چونکہ اعمال کا مدار عقائد پر ہے اس لئے وہ اصل الاصول ہیں اس لئے امام بخاری نے اپنی صحیح ایمان کے بیان سے شروع کی ہے اور ایمان ہی کے بیان پر ختم کی ہے۔ اور اعمال کا تذکرہ بیچ میں لائے ہیں اور شروع میں وحی کا بیان بطور تمہید لائے ہیں اور وحی کے بیان سے ابتداء کر کے حضرات منکرینِ حدیث کا رَد کیا ہے، ان سے سوال کریں گے کہ قرآن حجت کیوں ہے وہ یہی جواب دیں گے کہ قرآن وحی ہے اس لئے حجت ہے پس حدیثیں بھی تو وحی ہیں پھر وہ حجت کیوں نہیں۔

(۲) جبکہ یہ کتاب وحی سنت کے جمع اور اکٹھا کرنے کے لئے موضوع ہے اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وحی کے بیان سے کتاب شروع فرمائی ہے۔

(ج) وحی کی صورتیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مفصل مضمون آپ ﷺ کے دل میں القاء کیا جاتا ہے الفاظ نہیں آتے نبی ﷺ اس مضمون کو اپنے الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں۔

(۲) نبی ﷺ بذاتِ خود پسِ پردہ اللہ تعالیٰ سے تکلم فرماتے۔

(۳) حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلام لے کر آتے اور نبی ﷺ کے سامنے اس کی تلاوت فرماتے۔

نوٹ: یہ تین قسمیں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہیں اور آیتِ کریمہ میں ان تین قسموں کا بیان ہے۔

(۴) نبی ﷺ کے پاس وحی گھنٹی کی مسلسل آواز کی طرح آتی ہے اس صورت میں آنحضور ﷺ کو کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ اور آواز بھی آپ ﷺ اکیلے سنتے تھے۔

(۵) فرشتہ آپ ﷺ کے پاس انسانی شکل میں نموار ہوتا تھا مگر اس فرشتہ کو عام طور پر حضور ﷺ کے علاوہ کوئی نہیں دیکھتا البتہ کبھی صحابہ بھی دیکھتے تھے۔

ان دونوں قسموں کا بیان حدیث میں ہے البتہ یہ بھی آیتِ کریمہ میں مذکور تیسری صورت میں داخل ہے جیسے جزء ''ز'' میں معلوم ہوگا۔ (کمافی الحاشیہ)

(د):

ترجمۃ الباب کی غرض: اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد وحی کی تاریخ واحوال از ابتداء تا انتہاء کا بیان کرنا ہے کیونکہ بدء یہ امام بخاری اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک خاص اصطلاح ہے اس کے معنیٰ ہیں: تاریخ و احوال از ابتداء تا انتہاء، بَابُ بَدْءِ الْحَيْض میں بھی یہی معنیٰ ہیں حیض کے احوال از ابتداء

تا انتہاء، بَابُ بَدْءِ الْاَذَانِ میں بھی یہی معنیٰ ہیں اذان کے احوال از ابتداء تا انتہاء پس بَدْءُ الْوَحْیِ کے معنیٰ ہیں وحی کے احوال شروع سے آخر تک۔

مناسبت: اور حدیث میں دو احوال کا بیان ہے پس مناسبت بالباب ظاہر ہے۔

(تحفۃ القاری (۱/۱۱۷)

(ہ):

حدیث میں بیان کردہ اقسام کے علاوہ وحی کی اور بھی اقسام ہیں ان میں سے تین قسموں کا بیان (ج) میں گزر چکا ہے۔

(۴) رویا صالحہ۔

(۵) الہام۔

(۶) دل میں کلامِ الٰہی کا القاء۔

(۷) جبرئیل علیہ السلام کا اپنی اصلی صورت میں نمودار ہونا۔

(۸) وحی اسرافیل علیہ السلام۔ (کمافی الحاشیۃ وفتح الباری)

حدیثِ مذکورہ میں دو قسموں پر اکتفاء کرنے کی وجہ:

(۱) حضرت ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دو قسموں پر حدیث میں اس لئے اکتفاء کیا گیا کیونکہ غالباً اور اکثر وحی ان دو صوروں میں آتی تھی۔

(۲) یا ان کے علاوہ وحی کے جتنے اقسام ہیں ان کا وقوع حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کے سوال کے بعد ہوا ہے۔ (فتح الباری (۱/۲۷)

(ز):

حدیث میں مذکور دوسری قسم یعنی یَتَمَثَّلُ لِیَ الْمَلَكُ رَجُلًا آیتِ کریمہ میں مذکور تیسری قسم یعنی یُرسل رسولًا میں داخل ہے اور یہ ارسال رسول کی ایک صورت ہے اور پہلی قسم یعنی مثل صلصلۃ الجرس یعنی صوت مسلسل کس کی آواز ہوتی تھی کوئی کہتا ہے وہ

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اصلی آواز ہوتی تھی اور کوئی کہتا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پَروں کی آواز ہوتی تھی ان دونوں قول کے مطابق یہ بھی آیتِ کریمہ میں مذکور تیسری قسم میں داخل ہے اور یہ بھی ارسال رسول کی ایک صورت ہے لیکن امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آواز ہوتی تھی یہ مسئلہ حضرت نے کتاب التوحید میں چھیڑا ہے۔ اور وہاں جہمیہ پر رَد کیا ہے۔

اس صورت میں یہ آیتِ کریمہ میں مذکور دوسری صورت یعنی اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ میں داخل ہوگا۔

وحی قرآنی اور وحی کتبِ سابقہ میں فرق:

علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی وحی ہمیشہ حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر آتے تھے کیونکہ قرآن کی وحی کے لئے ضروری تھا کہ وسائط قابل اعتبار ہوں، قرآن کریم آنحضور ﷺ تک پہنچا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے حضرت جبرئیل معتبر فرشتے ہیں، قرآن میں ان کی پانچ صفتیں ہیں جو قابلِ اعتبار ہونے پر دال ہیں، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وہ وحی آپ ﷺ کو پہنچائی، آپ ﷺ موحیٰ الیہ ہیں، آپ ﷺ بھی صدفی صد قابلِ اعتبار ہیں آپ کی بھی قرآن میں پانچ صفتیں ہیں پھر احتمالات خارجیہ جو اعتباریت میں قادح بنتے ہیں ان کی نفی بھی ضروری ہے۔ قرآن میں اس کی بھی پانچ دلیلیں ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کی وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی لے کر آتے تھے بخلاف کتبِ سابقہ کے ان کی وحی دوسرے طریقوں سے بھی آتی تھی۔

(تحفۃ القاری (۱/ ۱۳۴ از مزم بکڈپو پاکستان)

سوال: ۳، صفحہ: ۳

قَالَتْ خَدِيجَةُ كَلَّا وَاللهِ مَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ . وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ . وَتَقْرِي الضَّيْفَ . وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور مطلب لکھیں۔

(ب) بتائیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات کب کہی تھی اور کس کے حق میں کہی تھی؟

(ج) اَلْمَعْدُوْمَ کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس لفظ میں کچھ تصحیف تو نہیں ہوئی؟ نیز بتائیں کہ جس میں یہ باتیں ہوتی ہیں اللہ اس کو رُسوا کیوں نہیں کرتے؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہرگز نہیں یعنی آپ ﷺ ہلاک نہیں ہوں گے۔ خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی بھی رُسوا نہیں کریں گے بیشک آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں اور آپ ﷺ بوجھ اُٹھاتے ہیں اور معدوم انتہائی غریب کے لئے کماتے ہیں اور آپ ﷺ مہمان نوازی کرتے ہیں اور آپ ﷺ قدرتی آفات میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

مطلب: جب آنحضور ﷺ نے فرمایا مجھے اپنی ہلاکت کا اندیشہ ہو چلا ہے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلّی دی اور فرمایا: بخدا! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رُسوا نہیں کریں گے یعنی ہلاکت تو آخری مرحلہ ہے مگر کبھی ہلاکت سے پہلے ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ آدمی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابتدائی مرحلہ کی نفی کردی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو رُسوا نہیں کریں گے، کیونکہ آپ ﷺ پانچ ایسے کام کرتے ہیں جو رفاہِ عام کے ہیں اور جو بھی رفاہِ عام کے کام کرتا ہے وہ کبھی رُسوا نہیں ہوتا۔

(۱) آپ صلہ رحمی کرتے ہیں یعنی آپ ﷺ رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے ہیں حسنِ سلوک سے خاندانی تعلقات ہموار ہوتے ہیں اور میل ملاپ پیدا ہوتا ہے۔

(۲) آپ ﷺ بوجھ اُٹھاتے ہیں، یعنی جو بوجھ تلے دَبے ہوئے ہیں ان کی اعانت کرتے ہیں اوران کو بوجھ سے نکالتے ہیں، مثلاً کسی پر بھارری قرضہ آپڑا ہے اور اس میں قرضہ ادا کرنے کی سکت نہیں تو آپ ﷺ ایسے لوگوں کا تعاون کرتے ہیں۔

(۳) اورآپ ﷺ معدوم یعنی نیست جس کا وجود باقی نہیں رہا یعنی انتہائی درجہ کا غریب آدمی یہ لفظ مجاز ماٰیؤ ول ہے یعنی وہ بندے جو انتہائی درجہ لاچار اور مجبور ہیں جیسے لُولے، لنگڑے، بیوہ عورتیں جن کی کوئی خبر گیری نہیں کرے گا تو مرجائیں گے ایسوں کو نبی ﷺ مدد کرکے زندہ رکھتے ہیں۔

(۴) آپ ﷺ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں خاص طور پر ایسی جگہوں میں جہاں کوئی ہوٹل وغیرہ موجود نہ ہو جیسے زمانۂ قدیم میں تھا مہمانوں کواور مسافروں کو کھانا کھلانا رفاہِ عام کا کام ہےاوراس میں بہت بڑا ثواب ہے۔

(۵) اورآپ ﷺ قدرتی حوادث جیسے زلزلہ بادوباراں کا طوفان وغیرہ میں آپ لوگوں کی مدد کرتے تھے۔ (تحفۃ القاری (۱/ ۱۴۳)

(ب):

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات سیدنا ﷺ کے حق میں فرمائی۔ واقعہ یہ ہے کہ جب ابتداءِ وحی کے زمانہ میں آپ ﷺ حسبِ معمول غارِحراء میں تشریف فرما تھے اچانک فرشتہ آیا اور فرمایا: اِقْرَأْ پڑھیے، آپ ﷺ نے جواب دیا مَاأَنَابِقَارِئٍ میں پڑھا ہوانہیں ہوں تو فرشتہ نے آپ ﷺ کو باہوں میں لیا اور یکے بعد دیگرے سینہ میں لے کر دبایااوراتنا سخت بھینچا کہ آپ فرماتے ہیں کہ میری طاقت نے جواب دیدیا اور تیسری مرتبہ میں سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں پڑھائیں اور چلا گیا، آنحضور ﷺ گھبرائے ہوئے گھر لوٹے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پورا واقعہ بیان کیا اور فرمایا: مجھے اپنی جان کا خطرہ ہو چلا ہے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ہرگز نہیں خدا کی قسم! اللہ آپ کو کبھی بھی رُسوانہیں کریں گے الخ۔

(ج):

معدوم کے معنی: معدوم کے معنیٰ ہیں نیست جس کا وجود باقی نہیں رہا یعنی انتہائی درجہ کا غریب آدمی یہ لفظ مجاز مایؤ ول ہے یعنی وہ بندے جو انتہائی درجہ لاچار اور مجبور ہیں جیسے لُولے، لنگڑے، اندھے، محتاج اور بوڑھی بیوہ عورتیں جن کی کوئی خبر گیری نہیں کرے گا تو مر جائیں گے۔

شارحین بخاری اس جملہ کے حل کرنے میں بہت پریشان ہوئے ہیں یہاں تک کہ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ: المعدوم کاتبوں کی تصحیف ہے صحیح لفظ اَلْمُعْدِمُ ہے یہ بابِ افعال سے اسم فاعل ہے جس کے معنیٰ ہیں ختم کرنے والا، نادار یعنی جس کے پاس کچھ بھی نہیں بچا، حالانکہ معدوم کا بھی یہی مطلب ہے اس لئے تمام شارحین خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی بات سے متفق نہیں ان کے نزدیک یہی صحیح لفظ ہے اور اس کو معدوم مجاز مایؤ ول کے اعتبار سے کہا گیا ہے یعنی اگرچہ ابھی نہیں مرا مگر اگر یہی حال رہا تو بیچارہ مر جائے گا اور تصحیف نہ ہونے کی دلیل آگے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بھی یہی لفظ آرہا ہے اور دونوں جگہ کاتبوں نے گڑ بڑ کردی یہ بات بہت بعید ہے۔

جس میں یہ باتیں ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اُس کو اِس لئے رُسوا نہیں کرتے ہیں کہ یہ پانچ کام رفاہِ عام کے ہیں اور جو بھی رفاہِ عام کے کام کرتا ہے وہ کبھی رُسوا نہیں ہوتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے: اَلصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَمِيْتَةُ السَّوْءِ. خیرات رفاہی کام ہے اس کے دو فائدے ہیں اللہ کا غصہ ٹھنڈا پڑتا ہے اور آدمی بُری موت سے بچ جاتا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رفاہِ عام کے کام کرنے والے سے لوگ محبت کرتے ہیں اور وہ بے وقاری اور رُسوائی سے دوچار نہیں ہوتا ہے۔

(فلیراجع للتفصیل تحفۃ القاری (۱/ ۱۴۳))

سوال: ۴، صفحہ: ۳

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ وَكَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ فَلَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ.

(۱۴۱۵-۱۴۱۸-۱۴۲۴-۱۴۲۹ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) اور حدیث پاک کی مناسبت باب کیف کان بدء الوحی سے ثابت فرمایئے۔ مشہور یہ ہے کہ آپ کو نبوت چالیس سال میں ملی اور آپ کی پیدائش ربیع الاوّل میں ہے تو پہلی وحی ربیع الاوّل میں ہونی چاہئے ان سب اُمور کو پیش نظر رکھ کر جواب تحریر کریں۔

(ج) أَجْوَدَ النَّاسِ سے يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ تک عبارت کی صحیح ترکیب نحوی قلمبند کریں۔

(د) حدیث پاک کے چاروں جملوں میں ربط ثابت کریں۔

الجواب:

(الف)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں جب جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملاقات کرتے تھے تو آپ ﷺ کی سخاوت اور بڑھ جاتی تھی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام رمضان المبارک کی ہر رات میں آپ ﷺ سے ملاقات کرتے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ قرآنِ کریم کا دَور کرتے تھے پس بخدا نبی ﷺ نفع پہنچانے میں

چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوجاتے تھے۔

(ب) حدیث پاک کی مناسبت باب کیف کان بدء الوحی سے:

پہلی وحی سترہ رمضان المبارک کو آئی ہے مگر وہ روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے مطابق نہیں اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت لاکر اشارہ کردیا کہ پہلی وحی رمضان المبارک میں آئی ہے اور یہ بات اشارۃ النص سے ثابت ہوتی ہے اس طرح کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر رمضان میں ملاقات کرتے تھے پس پہلی وحی بھی رمضان المبارک میں لائے ہوں گے۔

(فلیراجع للتفصیل: فتح الباری ۱/ ۴۲۔ تحفۃ القاری ۱/ ۱۵۳)

سب سے پہلی وحی کب آئی؟ تمام محدثین و مورخین کا اتفاق ہے کہ پیر کے دن پہلی وحی نازل ہوئی ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ کس مہینے میں پہلی وحی آئی؟ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ماہ ربیع الاوّل کی آٹھ تاریخ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا پس بعثت کے وقت ٹھیک آپ ﷺ کی عمر چالیس سال تھی اور محمد بن اسحاق کی رائے یہ ہے کہ سترہ رمضان المبارک کو نبوت ملی اور سترہ رمضان المبارک کو پہلی وحی آئی پس بعثت کے وقت عمر چالیس سال چھ ماہ تھی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اسی قول کو راجح قرار دیا اور بعض حضرات نے دونوں قول کو جمع کیا ہے اس طرح کہ نبوت ورسالت کی تمہید یعنی رویائے صالحہ کی ابتداء ربیع الاوّل سے ہوئی اور باقاعدہ وحی کا سلسلہ چھ ماہ بعد سترہ رمضان المبارک سے شروع ہوا۔

(تحفۃ القاری ۱/ ۱۳۸۔ فتح الباری ۱/ ۴۲)

(ج) عبارت بالا کی ترکیب نحوی:

(۱) اَجْوَد کے اعراب میں اختلاف ہونے کی وجہ سے ترکیب میں بھی اختلاف ہوگیا اس کی متعدد رکی گئی ہیں:

(۱) کان فعل ناقص اجود مضاف ما مصدریہ یکون فعل ضمیر ذوالحال فی رمضان حاصلا کے ساتھ متعلق ہو کے حال میں حین مضاف یلقاہ جبرئیل جملہ فعلیہ ہو کے مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کے حاصلا کی ضمیر سے حال، حال ذوالحال مل کے حاصلا شبہ فعل کے نائب فاعل، شبہ فعل نائب فاعل مل کے حال یکون کی ضمیر سے، حال ذوالحال مل کے فاعل تام فعل تام مع اپنے فاعل جملہ فعلیہ ہو کے بتاویل مصدر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کے اسم ناقص خبر ناقص ثابت محذوف دونوں مل کے جملہ اسمیہ خبریہ ہوگا۔

(۲) کان فعل ناقص اجود مضاف ما یکون جملہ ہو کے مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کے اسم کان فی رمضان حاصل محذوف کے متعلق اوّل حین یلقاہ جبرئیل متعلق ثانی، حاصل اپنے دونوں متعلق مل کے خبر کان اپنے اسم خبر مل کے جملہ اسمیہ۔

(۳) اجود بالنصب کان کی خبر اور کان کا اسم ضمیر مستتر ھو جو آپ ﷺ کی طرف راجع ہے تقدیر عبارت کان النبی ﷺ مدۃ کونہ فی رمضان اجود منہ فی غیرہ۔ (فلیراجع: فتح الباری ۱/۴۱۔ عمدۃ القاری ۱/۸۳)

(د) حدیث پاک کے چاروں جملوں میں ربط:

(۱) پہلے جملہ کے اندر یہ فرمایا گیا کہ آپ ﷺ کے جودت کا یہ وصف تمام نوعِ انسانی میں سب سے بڑھ کر ہے (۲) دوسرے جملہ میں یہ فرمایا گیا کہ آپ ﷺ کا یہ وصف رمضان المبارک میں انتہاء درجہ کو پہنچ جاتا (۳) تیسرے جملہ میں یہ بیان کیا گیا رمضان کی وجہِ تخصیص کیا ہے ایک وجہ یہ ہے کہ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کا جود وسخا بھی بڑھ جاتا ہے، یہاں تک کہ باری تعالیٰ جہنم کے دروازے بند کر دیتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیتے ہیں اس ماہ میں نزولِ قرآن فرمایا اسی ماہ میں لیلۃ القدر بھی عطا فرمائی تو نبی ﷺ پر بھی اس کا اثر پڑا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نیک بندوں کے ساتھ ملنا اثر انداز ہوتا ہے اسی لئے قرآن میں

فرمایا گیا: وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ چنانچہ جب جبرئیل علیہ السلام سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوتی تو اس کا بھی اثر پڑتا اس کی وجہ سے سخاوت اور بڑھ جاتی (۴) اور چوتھے جملہ میں ایک مثال کے ذریعہ بات کو واضح کر دیا کہ آپ ﷺ کی یہ جود وسخا ہر طرح کے خیر کو متضمن ہے حتیٰ کہ دنیاوی واُخروی اور روحانی مادہ کو بھی عام ہے پس مذکورہ تقریر سے چاروں جملوں کے درمیان ربط ثابت ہو گیا۔

سوال:۵، صفحہ:۵

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ وَهُوَ قَوْلٌ فِعْلٌ وَيَزِيْدُ وَيَنْقُصُ قَالَ اللهُ تَعَالٰى لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى وَقَالَ مَعَاذٌ رضی اللہ عنہ اِجْلِسْ بِنَا وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ اَلْيَقِيْنُ الْاِيْمَانُ كُلُّهٗ.

(۱۴۲۳-۱۴۳۳ھ)

(الف) ترجمۃ الباب کا مقصد متعین کریں۔

(ب) اس کے بعد بتائیے کہ ایمان بسیط ہے یا مرکب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آیات وآثار سے اپنے مدعیٰ پر کس طرح استدلال کیا ہے مدلل فرمائیے۔

(ج) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ کرام کے مذاہب مدلل کر کے راجح مذہب کو ترجیح دیجئے۔

(د) مؤمنین کا ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں ایمان بسیط ہے یا مرکب یعنی ایمان میں اعمال، قول وفعل داخل ہیں یا نہیں؟

(ہ) بساطت ایمان اور ترکیبِ ایمان کی دلیلیں بیان کر کے بتائیں اہلِ حق کے درمیان اختلاف لفظی ہے یا حقیقی؟

(ز) ایمان کی دو تعریفیں کیا ہیں؟۔

الجواب:

(الف) ترجمۃ الباب کا مقصد:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمہ سے ایمان کا مرکب ہونا ثابت فرمارہے ہیں اور وہ اس طرح کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب میں تین جملے لائے ہیں اور ان میں سے ہر پہلا جملہ دوسرے کے لئے بمنزلہ علت کے ہے یا ہر دوسرا جملہ پہلے کے لئے بمنزلہ نتیجہ کے ہے۔ پہلا جملہ یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے اور اگر ان کی تقسیم وتحلیل کی جائے تو ان میں دو طرح کی چیزیں نکلیں گی ایک اقوال، دوسرے افعال نتیجہ یہ ہے کہ ایمان قول وفعل کا نام ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایمان قول وفعل سے مرکب ہے اور جب ایمان مرکب ہو تو نتیجہ میں یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ایمان میں زیادتی وکمی کی قابلیت ہے کیونکہ جو چیز مختلف اجزاء سے مرکب ہوتی ہے اس میں یقینی طور پر کمی وزیادتی کی صلاحیت ہوتی ہے۔

(ب):

جاننا چاہئے کہ امام بخاری اور جمہور محدثین کے نزدیک ایمان مرکب ہے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدعا پر اٹھارہ آیات وآثار سے استدلال فرمایا ہے، ان میں سے چند:

(۱) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ. (الفتح:۴)

(۲) وَزِدْنٰهُمْ هُدًى. (الکھف:۱۳)

(۳) وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى. (مریم:۷۶)

(۴) وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ. (محمد:۱۷)

(۵) وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا. (المدثر:۳۱)

(۶) وَقَوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا. (التوبۃ:۱۲۴)

(۷) وَقَوْلُهٗ: فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا. (آل عمران:۱۷۳)

(۸) وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا. (الاحزاب:۲۲)

وجہِ استدلال: ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے کیونکہ ان آیات میں زیادتی ایمان کا بیان ہے اور ظاہر ہے کہ کمی بیشی بر بناء اعمال ہوتی ہے پس اعمال کا جزء ایمان اور ایمان کا مرکب ہونا ثابت ہو گیا۔

(نوٹ): امام بخاری کا یہ استدلال ایک مقدمہ پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ امام کے نزدیک ایمان، اسلام، دین، اور تقویٰ سب مترادف ہیں، پس جن آیات میں تقویٰ اور ہدایت میں زیادتی کا بیان ہے گویا اس میں ایمان کی زیادتی ہی کا بیان ہے)۔

(جواب): سورۃ التوبہ والی آیت میں تو یہ بات صراحتاً موجود ہے کہ ایمان میں زیادتی احکام و اخبار یعنی مؤمَن بہ کے بڑھنے کی وجہ سے ہوئی تھی اور مؤمَن بہ میں اضافہ نزولِ وحی کے زمانہ تک ہوتا تھا اب وحی مکمل ہو چکی ہے اس لئے مؤمن بہ میں اضافہ کی کوئی صورت نہیں۔ اور باقی نصوص میں تصدیق کے مکملات اور کیفیت کے اعتبار سے اور شدت وضعف کے اعتبار سے ایمان میں کمی زیادتی کا بیان ہے اور اس کا کوئی منکر نہیں نفسِ ایمان میں کمی وزیادتی پر ان نصوص کی کوئی دلالت نہیں۔

(۹) اَلْحُبُّ فِي اللهِ وَالْبُغْضُ فِي اللهِ مِنَ الْاِيْمَانِ.

وجہِ استدلال: اس حدیث میں من تبعیضیہ ہے پس یہ دونوں عمل ایمان کے اجزاء ہوئے۔

(جواب): حدیث میں منؔ تبعیضیہ ہے اس کی کوئی دلیل نہیں منؔ اجلیہ بھی ہوسکتا ہے ای من اجل الایمان یعنی یہ دو عمل ایمان کی وجہ سے ہیں یعنی کامل ایمان کا ثمرہ ہیں۔

(۱۰) قَالَ مَعَاذٌ اِجْلِسْ بِنَا نومن ساعة.

وجہِ استدلال: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے مذاکرۂ ایمانی کو جو کہ ایک عمل ہے ایمان کہا ہے معلوم ہوا کہ ایمان ذو اجزاء ہے۔

(جواب): حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی کاموں

میں پڑ کر کچھ غفلت سی ہوگئی ہے آؤ اللہ کا ذکر کریں تا کہ غفلت دُور ہو اور ایمان تازہ ہو پس اس ارشاد میں ایمان کی ترکیب و بساطت کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔

(۱۱) قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ ﷺ اَلْيَقِيْنُ الْاِيْمَانُ كُلُّهٗ.

وجہِ استدلال: اس جملہ میں لفظ کل سے ایمان کی تاکید لائی گئی ہے اور لفظ کل سے تاکید ذو اجزاء کی لائی جاتی ہے پس ایمان کا ذو اجزاء ہونا ثابت ہوا۔

(جواب): یہ نفسِ ایمان کی تاکید نہیں بلکہ ایمان کامل کی تاکید ہے اور ایمان کامل کے ذو اجزاء ہونے کا کوئی منکر نہیں ہے۔

(ج) ایمان بسیط ہے یا مرکب؟

جاننا چاہئے کہ ایمان بسیط ہے یا مرکب اس سلسلے میں سات مذاہب ہیں، دو مذہب اہلِ حق کے ہیں اور پانچ مذہب اہلِ باطل کے ہیں۔

اہلِ حق کے دو مذہب:

(۱) اشاعرہ جمہور محدثین امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک ایمان مرکب ہے اشیاءِ ثلاثہ تصدیق بالجنان، اقرار باللسان اور عمل بالارکان سے البتہ اعمال ایمان کے جزءِ اصلیہ نہیں ہے بلکہ جزءِ مکملہ اور تزیینیہ ہے۔

دلائل: اوپر گزر چکے ہیں۔

(۲) ماتریدیہ جمہور محققین و جمہور متکلمین اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے نزدیک ایمان بسیط ہے صرف تصدیقِ قلبی کا نام ہے اقرار و عمل ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں البتہ اقرار احکام دنیا کے اجراء کے لئے اور عمل کمال ایمان کے لئے شرط ہے۔

دلائل: (۱) اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ.

(۲) وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ.

(۳) وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ.

(۴) قَالُوْا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ.

وجہِ استدلال: اِن آیات میں ایمان کو دل کا فعل بتایا گیا ہے اور دل کا فعل تصدیق ہے پس وہی ایمان ہے۔

(۵) حدیث جبرئیل علیہ السلام میں مَا الْاِیْمَانُ کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے پانچ عقائد بتائے ہیں پس معلوم ہوا ایمان کا تعلق عقائد سے ہے اور عقائد کا محل قلب ہے اور قلب کا فعل صرف تصدیق ہے وہی ایمان ہے۔

اہلِ باطل کے پانچ مذہب:

(۱) معتزلہ کے نزدیک ایمان مرکب ہے اشیاء ثلاثہ سے اور یہ تینوں ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں اگر ان میں سے ایک بھی ترک کر دے تو وہ خارج عن الایمان ہو جائے گا مگر کفر میں داخل نہیں ہوگا بلکہ دو منزلوں میں دائر رہے گا۔

دلیل: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ.

وجہِ استدلال: اس حدیث میں زانی سے گناہِ کبیرہ کے صدور اور عمل کے فوت ہونے کی وجہ سے اس کو ایمان سے خارج کر دیا گیا ہے پس معلوم ہوا کہ عمل ایمان کا ایسا جزء ہے کہ اگر وہ فوت ہو جاتا ہے تو آدمی مومن نہیں رہتا۔

(۲) خوارج کا مذہب معتزلہ کے مانند ہے البتہ یہ فرق ہے کہ ایک جزء کو ترک کر دینے سے خارج از ایمان ہو کر کفر میں داخل ہو جائے گا۔

دلیل: (۱) لَايَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ دوسرے جزء کی دلیل مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا.

وجہِ استدلال: اس آیت میں ارتکابِ کبیرہ کے سبب ہمیشہ جہنم میں رہنے کی وعید سنائی گئی اور ہمیشہ جہنم میں عذاب کافر ہی کو ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایمان سے نکل کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۳) جہمیہ کے نزدیک ایمان صرف معرفتِ قلبی کا نام ہے تصدیق ویقین بھی ضروری نہیں۔

دلیل: قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

وجہِ استدلال: اس حدیث میں کلمۂ توحید جاننے پر ہی جنت کی ضمانت دی ہے پس معلوم ہوا اس کے لئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

(۴) کرامیہ کے نزدیک ایمان بسیط ہے صرف اقرار لسانی کا نام ہے بشرطیکہ دل میں انکار نہ ہو۔

دلیل: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

وجہِ استدلال: اس حدیث میں صرف زبان سے اقرار لسانی پر دخولِ جنت کی بشارت سنائی گئی اس سے معلوم ہوا اس کے علاوہ کسی اور چیز کی چنداں ضرورت نہیں۔

(۵) مرجیہ کے نزدیک ایمان بسیط ہے صرف تصدیقِ قلبی کا نام ہے اور اقرار لسانی و اعمال نہ ایمان کے رکن ہیں نہ شرط نہ اجزاءِ مقومہ نہ اجزاءِ مکملہ بلکہ اعمال ایمان سے بے تعلق ہے بداعمال سے ایمان کی رونق میں کچھ فرق نہیں آتا نہ اس کا آخرت میں کوئی نقصان ہوگا۔

دلیل: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰى ذَالِكَ دَخَلَ الْجَنَّةَ. قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرِقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرِقَ.

وجہِ استدلال: آپ ﷺ نے زنا وسرقہ جیسے کبیرہ گناہ کے باوجود بھی جنتی قرار دیا، عذاب کا کوئی ذکر نہیں کیا معلوم ہوا کہ اگر ایمان موجود ہے تو گناہوں پر کوئی عذاب نہ ہوگا بلکہ ایمان نجات کے لئے کافی ہے۔

راجح مذہب: ماتریدیہ اور جمہور محققین کا مذہب راجح ہے اور اہلِ حق کے دوسرے فریق بھی پہلے فریق میں داخل ہو جائے گا کیونکہ ان کے درمیان اختلاف لفظی ہے جیسا کہ آگے معلوم ہو جائے گا۔

وجوہِ ترجیح: اہلِ حق کا مذہب نہایت اعتدال پر مبنی ہے اور اہلِ باطل کے جتنے دلائل ہیں سب کے سب محتمل التاویل ہیں۔ (تحفۃ القاری ۱/۱۸۳)

(د):

جن حضرات کے نزدیک ایمان مرکب ہے ان کے نزدیک مؤمنین کا ایمان گھٹتا بڑھتا ہے اور اعمال وقول وفعل ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں کیونکہ جب انہوں نے اعمال کو ایمان کا جزءقرار دیا تو ان پرضرور بالضرور لازم ہوگا یہ کہے کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے، کیونکہ سب مؤمنین کے اعمال برابر نہیں ہوسکتے ہیں۔

اور جن حضرات کے نزدیک ایمان بسیط ہے ان کے یہاں ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے اور اعمال ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں ہے۔

(ہ):

بساطت وترکیب ایمان کے دلائل گزر چکے ہیں۔

اہلِ حق کے درمیان اختلاف لفظی ہے حقیقی نہیں ہے کیونکہ اہلِ حق کے جوفریق ایمان کے مرکب ہونے کے قائل ہیں وہ بھی اعمال کو ایمان کے جزءحقیقی قرار نہیں دیتے بلکہ جزءتکمیلی اور تزیینی کہتے ہیں اور یہ بات مرتکبِ کبیرہ میں ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ اشاعرہ اور محدثین ایمان کو مرکب کہنے کے باوجود مرتکبِ کبیرہ کو خارج عن الایمان نہیں کہتے ہیں پس اس سے سمجھا گیا اعمال ان کے نزدیک ایمان کا جزءمکملہ ہے نہ کہ حقیقیہ جوکہ عین مذہب ہے ماتریدیہ اور جمہور محققین کا پس معلوم ہوا اہلِ حق کا اختلاف لفظی ہے۔

(ز):

ایمان کی دوتعریفیں:

(۱) ماتریدیہ اور جمہور محققین صرف تصدیقِ قلبی کو ایمان قرار دیتے ہیں اور سرخسی، بزدوی اور بعض احناف تصدیقِ قلبی اور اقرارلسانی کے مجموعہ کو ایمان کہتے ہیں۔

(۲) جمہور محدثین اشاعرہ، معتزلہ اور خوارج کے نزدیک ایمان تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے یعنی تصدیق قلبی، اقرار لسانی اور عمل بدنی کا۔ (تحفۃ القاری ۱/۵-۱۸۴)

سوال: ۶، صفحہ: ۶

بَابُ اُمُوْرِ الْاِیْمَانِ کے تحت امام بخاری نے یہ روایت بیان فرمائی ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً وَالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ.

(۱۴۱۰-۱۴۱۱ھ)

(الف) اولاً مقصدِ ترجمہ بیان کیجئے۔

(ب) پھر الایمانُ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً میں شعبوں پر ایمان کا اطلاق حقیقت ہے یا مجاز اور امام بخاری نے کیا اختیار کیا ہے؟ اور آپ کے نزدیک کیا راجح ہے اور اس کے کیا دلائل ہیں؟ وضاحت کے ساتھ تحریر کریں۔

(ج) حیاء کی تعریف اور اس کو الگ سے بیان کرنے کی وجہ تحریر فرمائیے۔

الجواب:

(الف):

مقصدِ ترجمہ: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اوپر کی حدیث یعنی بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ سے شبہ ہوسکتا ہے کہ اسلام کے ارکان صرف پانچ ہی ہیں تو اس شبہ کو دُور کرنے کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب منعقد کیا اور بتادیا کہ پانچ کے اندر انحصار نہیں بلکہ ایمان کے ساٹھ سے زیادہ شعبے ہیں ماقبل میں پانچ بڑے بڑے بنیادی ارکان ذکر کئے گئے کل کو نہیں بیان کیا گیا۔

(۲) بَابُ اُمُوْرِ الْاِیْمَانِ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ استکمالِ ایمان کا بیان کرنا

چاہتے ہیں کیونکہ تصدیق ایمان کی پہلی منزل ہے اور استکمال ان اُمور سے ہوں گے اور مرجیہ وغیرہ پر رد کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان صرف قول ہے عمل کی ضرورت نہیں ہے۔

(فلیراجع للتفصیل: عمدۃ القاری ۱/۱۳۱)

(۳) بَابُ أُمُورِ الْإِيمَانِ کہہ کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایمان کا ذو اجزاء اور مرکب ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

(ب):

ان شعبوں پر ایمان کا اطلاق مجاز ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حقیقت ہے ہمارے نزدیک مجاز پر محمول کرنا زیادہ راجح ہے۔

ان شعبوں پر ایمان کا اطلاق مجاز ہونے کی دلیل:

(۱) قرآنِ کریم میں جہاں بھی ایمان کے ساتھ عمل کا ذکر آیا ہے وہ عطف کے ساتھ آیا ہے اور عطف مغائرت کا تقاضا کرتا ہے جیسے: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ معلوم ہوا شعبہ عمل ایمان کی حقیقت سے خارج ہے بلکہ مجاز میں داخل ہے۔

(۲) أُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ.

(۳) وَحَدِيثُ أُسَامَةَ ؓ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الخ وَاعْتَذَرَ بِأَنَّهُ لَمْ يَقُلْهُ عَنْ اِعْتِقَادٍ بَلْ مِنْ خَوْفِ الْقَتْلِ هَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ.

(۴) اَلَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ.

وجہِ استدلال: اگر طاعت حقیقت ایمان میں داخل ہوتی تو ظلم ایمان کے منافی ہوتا جب ظلم ایمان کے منافی نہیں تو طاعت بھی ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں۔

(ج):

حیاء کی تعریف: الحياء في اللغة تغير وانكسار يعتري الانسان من خوف مايعاب به ويذم.

وفی الاصطلاح: خلق یبعث علی اجتناب القبیح و یمنع من التقصیر فی حق ذی الحق۔

حیا کو الگ بیان کرنے کی وجہ:

(۱) حیاء ایمان کے تمام شعبوں کی طرف داعی کے مانند ہے خواہ وہ حقوق اللہ میں سے ہو یا حقوق العباد میں سے ہو، کیونکہ صاحبِ حیاء دنیا و آخرت کی فضاحت سے ڈرتا ہے۔

(۲) جس طرح ایمان گناہوں سے روکتا ہے اس طرح حیاء بھی گناہوں سے روکتی ہے۔

(۳) حیاء اکثر فطری و طبعی ہوتی ہے اس لئے شعبہ ایمان نہ ہونے کا شبہ ہوسکتا ہے اس شبہ کو دُور کرنے کے لئے مستقلاً ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری ۱/ ۶۸۔ عمدۃ القاری ۱/ ۱۴۶)

سوال: ۷، صفحہ: ۷

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلاَثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلاَوَةَ الإِيمَانِ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا. وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لاَ يُحِبُّهُ إِلاَّ لِلَّهِ. وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب بیان کریں۔

(ب) حلاوۃ ایمان سے کیا مراد ہے معنوی یا حسی پہلے اس کا مفہوم واضح کریں پھر بتائیں کہ ایمان میں کمی اور زیادتی اس حدیث سے کس طرح ثابت ہوتی ہے مدلل، تحریر فرمایئے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ نے فرمایا: تین باتیں

جس شخص میں ہوں وہ ایمان کا مزہ پاتا ہے۔ (۱) اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس میں تمام ماسوا سے زیادہ ہو (۲) اور یہ بات ہو کہ جس سے بھی محبت کرے اللہ کے لئے کرے (۳) اور یہ بات ہو کہ کفر کی طرف پلٹنے کو اس کے بعد کہ اللہ نے اس کو کفر سے بچالیا، ایسا ناپسند کرے جیسا آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

مطلب: ایمان کی حلاوت اسی آدمی کو محسوس ہوتی ہے جو اللہ اور رسول کی محبت میں ایسا سرشار ہو کہ ہر چیز سے زیادہ اس کو اللہ ورسول سے محبت ہو اور اس محبت کا اس کے دل پر ایسا قبضہ ہو کہ اگر وہ کسی اور سے بھی محبت کرے تو اللہ ہی کے لئے کرے اور دین اسلام اس کو اتنا پیارا ہو کہ اس کے چھوڑنے کا اس کے لئے آگ میں گرنے کی تکلیف کے برابر ہو۔ (تحفۃ القاری ۱/۲۱۶)

(ب):

بعض علماء فرماتے ہیں ایمان مادیات کے قبیل سے نہیں ہے کہ اس میں مزہ وحلاوت پایا جائے یہ تو مطعومات میں ہوتا ہے اس لئے اس کو مجاز اور معنوی حلاوت پر محمول کیا جائے گا کہ ایمان کو ایک شیریں مطعوم سے تشبیہ دے کر مشبہ بہ کو حذف کر کے صرف مشبہ کو ذکر کیا اور مشبہ بہ کے لوازم میں سے مزہ وحلاوت کا ذکر کیا لہٰذا یہ استعارہ بالکنایہ ہوا۔

اور علماء کی دوسری ایک جماعت کہتی ہے کہ حلاوت ومزہ مجاز واستعارہ کے طور پر نہیں ہے بلکہ حقیقت کے طور پر ہے کہ حلاوت ومزہ سے حسی مراد ہے اور حلاوۃ طعم وذوق منہ کے ساتھ خاص نہ ہو بلکہ منہ نفس وقلب ہر ایک کے ادراک پر حلاوۃ وطعم وذوق کا اطلاق کیا جائے جیسا کہ آیت قرآنی میں ہے: فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ.

اسی طرح حلاوۃ ایمان ہے جب ایمان واحسان کی حقیقت دل میں آجاتی ہے تو یہ کیفیت پائی جاتی ہے اور قلب اس لذت کو محسوس کرتا ہے۔

ایمان میں کمی اور زیادتی پر اس حدیث سے استدلال:

امام بخاری کا استدلال یہ ہے کہ پھل کی مٹھاس پھل کا جزء ہوتی ہے جیسے گلاب کا

عرق، رنگ اور خوشبو گلاب کا جزء ہوتی ہے پس جب ان تین باتوں سے ایمان کی حلاوت محسوس ہوتی ہے تو یہ چیزیں ایمان کا جزء ہوئیں اور ایمان کا ذو اجزاء ہونا ثابت ہوا پس جب ایمان کا ذو اجزاء ہونا ثابت ہو گیا تو ایمان میں کمی و زیادتی بھی لازماً ثابت ہو گئی، کیونکہ ذو اجزاء چیزوں میں اجزاء کی کمی و زیادتی سے کمی و زیادتی ہوتی ہے۔

(تحفۃ القاری ۱/۲۱۶)

سوال: ۸، صفحہ: ۷

بَابٌ مِنَ الدِّيْنِ اَلْفِرَارُ مِنَ الْفِتَنِ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ، يَفِرُّ بِدِيْنِهِ مِنَ الْفِتَنِ.

(۱۴۳۶ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور مطلب لکھیں۔

(ب) اعمال ایمان کا جزء ہیں یا نہیں؟ اسلامی فرقوں کا اختلاف مفصل و مدلل لکھیں۔

(ج) مقصدِ باب سمجھا کر حدیث کی باب سے مناسبت بیان کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: فتنوں سے بھاگنا دینداری ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ زمانہ جلدی آرہا ہے کہ مسلمان کا بہترین مال وہ بکریاں ہوں گی جن کو وہ لئے لئے پھرے گا پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور بارش کی جگہوں پر وہ اپنا دین لے کر فتنوں سے بھاگے گا۔

مطلب: اس حدیث میں آنحضور ﷺ نے بطور پیشین گوئی یہ بات فرمائی ہے کہ بہت جلدی وہ زمانہ آرہا ہے کہ فتنوں کا ایسا غلبہ ہوگا کہ شہر اور گاؤں میں رہنا دشوار ہو جائے گا،

آدمی مجبور ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور بیابانوں میں ٹھکانہ تلاش کرے گا مثلاً مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو جائے گی، گھر رہیں تو ضرور کسی کا ساتھ دینا ہوگا، اس لئے آدمی مجبور ہو کر پہاڑوں اور بیابانوں کو اپنا مسکن بنائے گا۔ (تحفۃ القاری ۱/۲۲۶)

(ب):

اس کا جواب سوال نمبر ۵ میں گزر چکا ہے۔

(ج) مقصد باب ومناسبت حدیث بالباب:

امام بخاری کا مقصد اس باب سے ایمان کا ذو اجزاء ہونا ثابت کرنا ہے چنانچہ فرمایا کہ فتنوں سے بچنے کے لئے وطن چھوڑنا ایک عمل ہے جو دین کے تقاضہ سے ہوتا ہے پس یہ دین کا جزء ہوا اور دین و ایمان مترادف ہیں پس یہ ایمان کا بھی جزء ہوا اور حدیث میں کہا گیا عنقریب ایسا زمانہ آرہا ہے کہ مسلمانوں کا بہترین مال وہ بکریاں ہوں گی جن کو وہ لئے لئے پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں پر پھرے گا وہ اپنا دین لے کر فتنوں سے بھاگے گا۔

پس حدیث کی مناسبت باب سے ظاہر ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/۲۲۶)

سوال: ۹، صفحہ: ۷

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِاللهِ وَاَنَّ الْمَعْرِفَةَ فِعْلُ الْقَلْبِ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى وَلٰكِنْ يُّوَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرَهُمْ أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا يُطِيقُونَ قَالُوا إِنَّا لَسْنَا كَهَيْأَتِكَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ اللهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَغْضَبُ حَتّٰى يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِي وَجْهِهِ ثُمَّ يَقُولُ إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ أَنَا

(۱۴۱۳ھ)

(الف): حدیث پاک کا سلیس اُردو میں ترجمہ کریں۔

(ب) بتلایئے اس باب کی کتاب الایمان سے کیا مناسب ہے؟

(ج) ترجمۃ الباب کے دونوں جزء اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ اور اَنَّ الْمَعْرِفَۃَ فِعْلُ الْقَلْبِ میں کیا ربط ہے؟

(د) حدیث پاک باب کا ترجمۃ الباب کے جزء ثانی اَنَّ الْمَعْرِفَۃَ فِعْلُ الْقَلْبِ سے بظاہر کوئی تعلق نہیں معلوم ہو رہا ہے حدیث پاک کی ایسی تشریح فرمایئے جس سے مناسبت اور تعلق واضح ہو جائے۔

الجواب:

(الف):

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ کا جاننے والا ہوں اور یہ کہ معرفت دل کا فعل ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ لیکن ان قسموں پر دارو گیر کریں گے جو تمہارے دلوں نے کمائی ہے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول اللہ ﷺ جب صحابہ کو حکم دیتے تھے تو انہی کاموں کا حکم دیتے تھے جو ان کے بس میں ہوتے تھے یعنی جس پر وہ مداومت کر سکتے تھے ایک مرتبہ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارا حال آپ ﷺ کے حال جیسا نہیں، اللہ نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں پس آپ ﷺ ناراض ہو جاتے یہاں تک کہ غصہ آپ ﷺ کے چہرے سے محسوس ہوتا پھر فرماتے بیشک تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا میں ہوں۔

(ب):

اِس باب کی کتاب الایمان سے مناسبت یہ ہے کہ علم باللہ ایمان باللہ ہے اور ارشاد نبوی اعلم اسم تفضیل ہے جس سے معلوم ہوا کہ علم باللہ کے مختلف درجات ہیں پس ایمان باللہ

کے بھی مختلف درجات ہوں گے کیونکہ جس کی معرفت باللہ قوی ہوگی تقویٰ و خشیت بھی اس میں زیادہ ہوگی جیسا کہ ایک جگہ حضور علیہ السلام کو زیادتِ علم کی طلب کا حکم فرمایا ہے قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا اس سے صاف معلوم ہوا علم کے مراتب و درجات مختلف ہیں ورنہ زیادتی کی طلب کے حکم دینے کا کوئی معنیٰ ہی نہیں ہوسکتا ہے اور علم کے درجات سے ایمان باللہ کے درجات کا ثبوت ہوتا ہے یہی کتاب الایمان سے مناسبت ہے۔

(ج):

دونوں اجزاء کے اندر باہم ربط یہ ہے کہ یہاں اَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ اَعْرِفُكُمْ بِاللّٰهِ کے معنیٰ میں ہے چنانچہ بعض نسخوں میں اَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ کے بجائے اَعْرِفُكُمْ بِاللّٰهِ آیا ہے اس سے صاف معلوم ہوا یہاں علم بمعنیٰ معرفت ہے اور معرفت دل کا فعل ہے پس علم بھی دل کا فعل ہوا ہے اس کی طرف اشارہ ان المعرفة فعل القلب سے کردیا اور یہی دونوں جزوں کے درمیان مناسب ہے۔

(د):

باب کے جزءِ ثانی ان المعرفة فعل القلب ہے اور حدیث میں فرمایا گیا ان اتقاكم واعلمكم بالله أنا میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ اللہ کو پہچانتا ہوں پھر بھی روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا، رات میں نفلیں بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور ازواج سے تعلق بھی رکھتا ہوں یعنی کثرتِ عبادت کا منشاء گنہ گار ہونا نہیں ہے بلکہ معرفتِ خداوندی اس کا منشاء ہے اور وہ مجھے تم سے زیادہ حاصل ہے پھر بھی میں اعتدال سے عبادت کرتا ہوں تم غلو کیوں کرتے ہو، اس تفصیل سے معلوم ہوا علم بمعنیٰ معرفت ہے اور معرفت فعل قلب ہے پس حدیث کی باب سے مناسبت ثابت ہوگئی۔ اور ایمان باللہ علم باللہ ہے اور علم فعل قلب ہے پس ایمان بھی فعل قلب ہوا اور قلبی اشیاء میں زیادتی و کمی ہوتی ہے پس کتاب الایمان سے بھی مناسب ثابت ہوگئی ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/۲۲۷)

سوال:۱۰، صفحہ:۸

بَابُ إِذَا لَمْ يَكُنِ الإِسْلاَمُ عَلَى الْحَقِيقَةِ وَكَانَ عَلَى الاِسْتِسْلاَمِ أَوِ الْخَوْفِ مِنَ الْقَتْلِ. لِقَوْلِهِ تَعَالَى قَالَتِ الأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا. فَإِذَا كَانَ عَلَى الْحَقِيقَةِ فَهُوَ عَلَى قَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الإِسْلاَمُ الآيَة.

عَنْ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى رَهْطًا وَسَعْدٌ جَالِسٌ فَتَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا هُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا لَكَ عَنْ فُلاَنٍ فَوَاللَّهِ إِنِّي لأَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ أَوْ مُسْلِمًا فَسَكَتُّ قَلِيلًا ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُ لِمَقَالَتِي فَقُلْتُ مَا لَكَ عَنْ فُلاَنٍ فَوَاللَّهِ إِنِّي لأَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ أَوْ مُسْلِمًا فَسَكَتُّ قَلِيلًا ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُ لِمَقَالَتِي

(۱۴۲۱-۱۴۲۸-۱۴۳۵ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ترجمۃ الباب کا مقصد بیان کریں۔

(ج) عبارت میں تعقید ہے آپ اس کے محذوفات ذکر کر کے مطلب لکھیں۔

(د) دیگر علماء جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے متفق نہیں ہیں وہ اس آیت اور حدیث کا کیا مطلب بیان کرتے ہیں تحریر کریں۔

(ہ) اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ کی جزا بیان کریں کان الاستسلام او الخوف من القتل میں تقابل نہیں ہے اس لئے عبارت صحیح کرنے کے لئے کیا چیز محذوف ہے اس کو تحریر کریں۔

(ز) پھر ایمان کی لغوی و شرعی تفسیر بیان کریں۔

(و) اسلام قبول کرنا کبھی محض قتل کے خوف سے ہوتا ہے تصدیق قلب نہیں ہوتی ہے ایسا شخص تو منافق ہے لیکن بوقتِ خوف قلب ہی سے اسلام قبول کرے تو اس صورت میں امام بخاری کی کیا رائے ہے کیا اس صورت میں بھی وہ منافق ہوگا؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ: جب اسلام کے حقیقی معنیٰ مراد نہ ہوں بلکہ ظاہری انقیاد اور قتل کا خوف مراد ہو اللہ پاک کے ارشاد کی وجہ سے۔ بدوؤں نے کہا ہم ایمان لائے آپ ﷺ کہیں تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو ہم نے ظاہری طور پر تابعداری قبول کی پس جب اسلام کے حقیقی معنیٰ ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ہے معتبر دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ایک جماعت کو بلا کر مال دیا اس وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس تھے آپ ﷺ نے ایک شخص کو چھوڑ دیا انہیں کچھ نہ دیا حالانکہ ان کی دینی حالت میرے نزدیک ان لوگوں سے زیادہ اچھی تھی جن کو آپ ﷺ دے رہے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ فلاں (جعیل بن سراقہ کو) کیوں نہیں دیتے؟ قسم بخدا میرا گمان یہ ہے کہ وہ مؤمن ہیں آپ ﷺ نے فرمایا مسلمان ہیں، میں تھوڑی دیر خاموش رہا پھر اس کے بارے میں میں جو جانتا تھا وہ مجھ پر غالب آیا چنانچہ میں نے دوبارہ عرض کیا آپ ﷺ فلاں کو کیوں نہیں دیتے؟ قسم بخدا میرا گمان یہ ہے کہ وہ مؤمن ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا یا مسلمان ہیں پھر میں تھوڑی دیر خاموش رہا پھر اس کے بارے میں میرا علم مجھ پر غالب آیا چنانچہ میں نے وہی بات پھر عرض کی۔

(ب) ترجمۃ الباب کا مقصد:

یہ اوپر والے باب باب من قال ان الایمان هو العمل کا مقابل باب ہے اور اس باب کے قائم کرنے سے امام بخاری کا مقصد ان لوگوں کے قول کی تردید ہے جو ایمان و اعمال کے درمیان تباین کی نسبت کے قائل ہیں چونکہ اوپر والا باب امام بخاری کے مفید مطلب تھا اس لئے اس رائے کی تردید نہیں کی تھی اور یہ دوسری رائے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے خلاف ہے اس لئے تردید کرتے ہیں، چنانچہ فرمایا اسلام کبھی مجازی معنیٰ میں ہوتا ہے اس وقت اسلام کے معنیٰ ہوتے ہیں استسلام یعنی ظاہری انقیاد و اطاعت قبول کرنا یا معنیٰ ہوتے ہیں قتل کے خوف سے زبانی اقرار کرنا جیسے آیتِ کریمہ: قَالَتِ الْاَعْرَابُ الخ میں ہے اور اسی مجازی معنیٰ کی وجہ سے ایمان و اسلام میں تباین کی نسبت نظر آرہی ہے مگر حقیقی معنیٰ کے اعتبار سے اسلام ایمان کا مترادف ہے دلیل یہ آیت: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ. یہاں اسلام اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے اور آیت سے صاف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دین و اسلام مترادف ہیں پس ایمان و اسلام بھی مترادف ہوئے اور ان میں تساوی کی نسبت ہوئی۔ (تحفۃ القاری ۱/۲۴۱)

(ج) عبارت کا مطلب محذوفات کو ذکر کرتے ہوئے:

جب اسلام کے حقیقی معنیٰ مراد نہ ہوں بلکہ ظاہری انقیاد مراد ہو (مالِ غنیمت کے لالچ وطمع میں) یا قتل کے خوف سے (تو تباین کی نسبت سمجھ میں آئے گی) اور اسلام ان معانی میں آتا ہے اللہ پاک کا ارشاد ہے بدوؤں نے کہا ہم ایمان لائے آپ ﷺ کہیں تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو ہم نے ظاہری طور پر تابعداری قبول کی یا قتل کے خوف سے سپر ڈالی (اس آیت میں اسلام کے مجازی معنیٰ ہیں اس لئے تباین کی نسبت مفہوم ہوتی ہے) پس جب اسلام کے حقیقی معنیٰ ہوں تو وہ (ایمان کا مترادف ہوگا) جیسے ارشاد پاک ہے معتبر دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے (پس دین اور اسلام مترادف ہوئے اور دین ہی کا نام ایمان ہے پس اسلام اور ایمان بھی مترادف ہوئے)۔

(د):

دیگر علماء جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے متفق نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ آیت اور حدیث اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہے اور آیت و حدیث سے اپنے حقیقی معنیٰ مراد ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں اس آیت: قَالَتِ الْاَعْرَابُ الخ میں آنحضور ﷺ سے کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ بدووٴں سے کہہ دیں: اٰمَنَّا مت کہو اَسْلَمْنَا کہو یعنی یہ نہ کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم نے ظاہری انقیاد و اطاعت قبول کی ابھی تم مؤمن نہیں ہوئے اس لئے کہ ایمان تمہارے دلوں میں نہیں اُترا۔

وہ علماء کہتے ہیں اس آیت کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ایمان و اسلام دو الگ الگ حقیقتیں ہیں اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور ایمان دل کے اعتقاد کا پس ایمان و اعمال میں تباین کی نسبت ہے۔

اسی طرح حدیث میں بھی یہی مفہوم ہے کیونکہ جب حضرت سعد نے کہا واللہ انی لأراہ مؤمناً تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا: اومسلماً اس سے سمجھا گیا دونوں یعنی ایمان واسلام الگ چیز ہیں۔

اگرچہ دین و اسلام مترادف ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں مذکور ہے: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ لیکن ایمان واسلام مترادف نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(ہ):

اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ کی خبر محذوف ہے اور وہ لایعتد اولا ینفعہ اولا ینجیہ فی الآخرۃ ہے۔ (فتح الباری ۱/۹۹۔ عمدۃ القاری ۱/۲۱۶)

کان علی الاسلام اوالخوف من القتل کا تقابل:

عبارت میں حذف کی وجہ سے تعقید اور پیچیدگی ہے اصل عبارت اس طرح ہے:

اذالم یکن الاسلام علی الحقیقۃ وکان اطلاقہ علی الاستسلام لطمع فی

الغنیمة اوالخوف من القتل فهو اطلاقه مجازی.

یہاں استسلام اور الخوف من القتل میں تقابل نہیں بلکہ الخوف من القتل کا مقابل لطمع فی الغنیمة ہے اور وہی معطوف علیہ ہے اور الخوف من القتل معطوف معطوف علیہ معطوف مل کے استسلام کا سبب ہوا ہے یعنی استسلام اور انقیاد ظاہری کی وجہ مالِ غنیمت کی طمع یا قتل وقید کا خوف ہے۔

(ز) ایمان کی تعریف:

الایمان فی اللغۃ: کسی کو مطمئن اور بے خوف کرنا۔

وفی الاصطلاح: هو تصديق النبی ﷺ فيما علم مجيئه بالضرورة.

ایمان رسول ﷺ کی تصدیق کرنے کا نام ہے ہر اس چیز میں جس کا ثبوت آپ ﷺ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو جائے۔

(و):

بوقتِ خوف قلب ہی سے اسلام قبول کرنا جمہور کے نزدیک معتبر ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف عدمِ اعتبار کو منسوب کیا جاتا ہے لیکن وہ صحیح نہیں ہے۔

سوال: ۱۱، صفحہ: ۹

بَابُ ظُلْمٌ دُوْنَ ظُلْمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ.

(۱۴۱۱-۱۴۱۵-۱۴۱۷-۱۴۲۲-۱۴۱۹-۱۴۲۶ھ)

(الف) اعراب لگا کر حدیث پاک کا ترجمہ وتشریح کیجئے۔

(ب) اس باب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اور اس کا تعلق کتاب

الایمان سے کس طرح ثابت ہوتا ہے تحریر کریں۔

(ج) نیز بتائیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نزولِ آیت پر جو اشکال پیش آیا ہے اس کا منشاء کیا تھا اور آپ ﷺ نے اُس کو کس طرح دفع فرمایا تھا۔

(الف):

ترجمہ وتشریح: سب ظلم برابر نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (جب سورۃ الانعام کی یہ آیت نازل ہوئی) کہ وہ بندے جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ ملایا نہیں (وہی بندے قیامت کے دن مامون ہوں گے اور وہی دنیا میں راہ یاب ہیں یہ آیت صحابہ پر شاق گزری) انہوں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کون ایسا ہے جس سے چھوٹا موٹا ظلم سرزد نہیں ہوا (ہر شخص کچھ نہ کچھ ظلم کرتا ہے پس قیامت میں نہ کوئی مامون ہوگا اور نہ دنیا میں راہ یاب آنحضور ﷺ نے فرمایا آیت پاک میں چھوٹا ظلم مراد نہیں جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو بلکہ بڑا ظلم یعنی شرک مراد ہے) پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا بیشک شرک بڑا ظلم ہے۔

(ب):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس باب سے ظلم کے مختلف درجات کو ثابت کرنا کہ سب سے بڑا درجہ کفر وشرک ہے اور درمیانہ درجہ دوسرے معاصی کا ہے اور ادنیٰ درجہ خلافِ اولیٰ ہے اس باب کا تعلق کتاب الایمان سے اس طرح ثابت ہو رہا ہے کہ ابوابِ سابقہ میں ایمان کے مختلف درجات کا بیان تھا اب اس باب میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایمان کی ضد اور مقابل کفر وظلم کے بھی مختلف درجات ہیں اور قاعدہ ہے: تتبین الاشیاء باضدادھا ہر چیز اپنی ضد اور مقابل سے پہچانی جاتی ہے اس قاعدہ کے لحاظ سے اس باب کا کتاب الایمان سے ربط ظاہر ہے۔

(ج):

آیتِ کریمہ پر اشکال کا منشاء یہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں لفظ ظلم نکرہ ہے جو کہ نفی کے تحت واقع ہوا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب نکرہ تحت النفی واقع ہوتا ہے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

نیز لھم الامن میں لھم خبر کو مقدم کیا گیا اور قاعدہ ہے تقدیم ماحقہ التاخیر یفید الحصر پس یہ بھی حصر کا فائدہ دیتا ہے تو آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ امن اور ہدایت صرف ان ہی لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے اپنے ایمان کو کسی ظلم کے ساتھ خلط ملط نہ کیا ہو خواہ وہ ظلم بڑا ہو یا چھوٹا۔

اس سے صحابہ کرام خوفزدہ ہو گئے کیونکہ دنیا میں کوئی شخص علاوہ انبیاء کے معصوم نہیں ہے ضرور اس سے کوئی نہ کوئی چھوٹا موٹا ظلم سرزد ہوا ہے اس بنا پر صحابہ نے عرض کیا اینا لم یظلم ہم میں سے کون ہے جس سے کوئی گناہ نہ ہوتا ہو۔ (تحفۃ القاری ۱/۲۵۱)

حضور ﷺ نے صحابہ کرام کے اس اشکال کو اس طرح دفع فرمایا کہ آپ ﷺ نے اس آیت کو اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ والی آیت سے خاص کر دیا یعنی وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ میں ظلمٌ پر تنوین تعظیم کے لئے ہے لہٰذا آیت کریمہ میں ظلم سے ظلم کا سب سے بڑا درجہ اور اعلیٰ فرد شرک مراد ہے اور شرک خاص ہے لیکن صحابہ کو عام معنیٰ مراد لینے کی وجہ سے اشکال ہوا ہے، لہٰذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا ہے۔

سوال: ۱۲، صفحہ: ۱۲

بَابُ خَوْفِ الْمُؤْمِنِ مِنْ أَنْ يَحْبَطَ عَمَلُهُ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ. وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ مَا عَرَضْتُ قَوْلِي عَلَى عَمَلِي إِلَّا خَشِيتُ أَنْ أَكُونَ مُكَذَّبًا. وَقَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَدْرَكْتُ ثَلَاثِينَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلَى نَفْسِهِ، مَا مِنْهُمْ أَحَدٌ يَقُولُ إِنَّهُ عَلَى إِيمَانِ

جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ. وَيُذْكَرُ عَنِ الْحَسَنِ مَا خَافَهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا أَمِنَهُ إِلَّا مُنَافِقٌ. وَمَا يُحْذَرُ مِنَ الإِصْرَارِ عَلَى النِّفَاقِ وَالْعِصْيَانِ مِنْ غَيْرِ تَوْبَةٍ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَىٰ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ. وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ وَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْبِرُ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ إِنِّي خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ وَأَنَّهُ تَلَاحَى فُلَانٌ وَ فُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسٰى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكُمْ وَالْتَمِسُوهَا السَّبْعَ وَالتِّسْعَ وَالْخَمْسَ.

(۱۴۱۰-۱۴۳۴ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ترجمۃ الباب کا مقصد بیان کریں اور تابعین کے اقوال سے استدلال واضح کریں۔

(ج) ان ارشادات اور آیتِ کریمہ سے ترجمۃ الباب ثابت کریں نیز بتائیں کہ احباطِ عمل سے کیا مراد ہے۔

(د) معتزلہ سیئات کو حسنات کے لئے ہادم مانتے ہیں بظاہر ان کا مذہب ثابت ہو رہا ہے آپ کی طرف سے جواب کیا ہے؟

(ہ) ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے آپ بتائیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث و آثار سے اپنے مدعیٰ پر کس طرح استدلال کیا ہے۔

(ز) احناف کی اس مسئلہ میں کیا رائے امام بخاری کا نزاع کس سے ہے؟

(و) ایمانی کایمان جبرئیل کس کا قول ہے؟ امام بخاری کا اس پر رد درست ہے یا نہیں؟ لیل القدر والی روایت کی باب سے تطبیق خصوصیت سے واضح کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: مؤمن کو دھڑکا لگا رہنا چاہئے کہ کہیں اس کے اعمال غارت نہ ہو جائیں اور اس کو پتہ بھی نہ چلے۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے جب بھی اپنے قول کو اپنے عمل پر پیش کیا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں اپنی بات کی تردید تو نہیں کر رہا ہوں۔

حضرت ابن ابی مُلیکہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں تیس (۳۰) صحابہ سے ملا ہوں وہ تمام صحابہ اپنے بارے میں نفاق سے ڈرتے تھے اور ان صحابہ میں سے کوئی یہ نہیں کہتا تھا کہ اس کا ایمان حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ایمان جیسا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ سے مؤمن ہی ڈرتا ہے اور اللہ سے منافق ہی بے خوف رہتا ہے۔

اور اس باب میں ان چیزوں کا بھی بیان ہے جن سے مؤمن کو ڈرایا جاتا ہے جیسے باہمی قتال پر اور گناہ پر اصرار کرنا توبہ نہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ جان بوجھ کر اپنے گناہ پر اصرار نہیں کرتے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کو گالی دینا فسق (حد اطاعت سے نکلنا) ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔

رسول اللہ ﷺ لیلۃ القدر کی اطلاع دینے کے لئے حجرہ سے باہر تشریف لائے، اس وقت دو مسلمان آپس میں لڑ رہے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا میں اس لئے نکلا تھا کہ تمہیں لیلۃ القدر کی معین تاریخ بتلاؤں مگر فلاں اور فلاں میں جھگڑا ہو رہا تھا، اس کی وجہ سے معین تاریخ کا علم اُٹھا لیا گیا اور ہو سکتا ہے اسی میں تمہارے لئے بھلائی ہو پس تلاش کرو تم شب قدر کو ساتویں، نویں اور پانچویں رات میں۔

(ب) ترجمۃ الباب کا مقصد:

امام بخاری کا مقصد اس باب کو قائم کرنے سے مرجیہ کی تردید ہے جو کہتے ہیں عمل لاشئ ہے نہ تو عمل ایمان کا جزءِ حقیقی ہے نہ جزءِ تکمیلی ہے اور نہ ایمان کے ساتھ معصیت مضر ہے بلکہ صرف ایمان ہی نجات کے لئے کافی ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ماقبل میں مثبت پہلو سے عمل کے ایمان کا جزءِ تکمیلی اور تزیینی ہونے پر استدلال کیا ہے جیسے: باب اتباع الجنائز من الایمان او من الاسلام او من الدین وغیرہ ابواب منعقد فرمائے اور یہاں سے عمل ایمان کے جزءِ تکمیلی ہونے پر منفی پہلو سے استدلال کر رہے ہیں کہ معصیت ایمان کو ضرر پہنچاتی ہے اگر ایمان کے ساتھ معصیت مضر نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ نہ فرماتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ ارشاد فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ معصیت کی وجہ سے عمل برباد ہوتا ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی جبکہ انسان معصیت پر اصرار کرے اور توبہ نہ کرے تو کفر تک نوبت پہونچ جاتی ہے اس سے معلوم ہوا معصیت ایمان کو نقصان پہنچاتی ہے۔

تابعین کے اقوال سے استدلال:

جاننا چاہئے کہ باب میں دو مضمون ہیں: پہلا مضمون ہے خوف المؤمن ان یحبط عمله وهو لایشعر مؤمن کو ہمیشہ دھڑکا لگا رہنا چاہئے کہ کہیں اس کے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور اسی مضمون پر تابعین کے تین آثار سے استدلال فرمایا ہے۔

(۱) حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ جو لوگوں میں وعظ کہا کرتے تھے فرماتے ہیں میں نے جب بھی اپنے قول کو اپنے عمل پر پیش کیا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں اپنی بات کی تردید تو نہیں کر رہا یعنی میرا عمل میری تقریر اور وعظ کے خلاف تو نہیں یہ مطلب مکذِباً اسم فاعل پڑھنے کی صورت میں ہے۔

اور اگر مکذَّباً اسم مفعول پڑھیں تو مطلب یہ ہوگا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں لوگ

میری تکذیب تو نہیں کریں گے وہ کہیں گے مولوی کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے غرض کہ ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کو ہمیشہ اپنے اعمال کے بارے میں ڈھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں اعمال غارت نہ ہو جائیں اور اس کو اس کی خبر بھی نہ ہو اور باب کا عنوان بھی باب خوف المؤمن ان یحبط عملہ وھو لا یشعر ہے۔

لہٰذا دونوں کے درمیان مناسبت ظاہر ہے۔

(۲) حضرت ابن ابی مُلیکہ رحمۃ اللہ علیہ جو اکابرِ تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں میں تیس (۳۰) صحابہ سے ملا ہوں اور ان سے علم حاصل کیا ہے کہ وہ تمام صحابہ اپنے بارے میں نفاق سے ڈرتے تھے یعنی نفاقِ عملی سے یعنی ان سب کو یہ خوف لگا رہتا تھا کہ کہیں ہم عملی طور پر منافق تو نہیں ہیں اور باب کا عنوان بھی یہی ہے پس مناسبت ظاہر ہے اور ان صحابہ میں سے کوئی یہ نہیں کہتا تھا کہ اس کا ایمان حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کے ایمان جیسا ہے۔

(۳) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ سے مؤمن ہی ڈرتا ہے اور اللہ سے منافق ہی بے خوف رہتا ہے یعنی مؤمن کبھی بھی اپنے اعمال پر اطمینان و اعتماد نہیں کرتا بلکہ ہر وقت نفاقِ عملی سے خائف رہتا ہے اور باب کا عنوان بھی یہی ہے پس ترجمۃ الباب سے مناسب ظاہر ہے۔

(ج):

ارشادات سے استدلال گزر چکا ہے جز (ب) میں۔

آیتِ کریمہ سے استدلال: آیتِ کریمہ کا تعلق باب کے دوسرے مضمون یعنی وما یحذر من الاصرار الخ سے ہے یعنی دوسری چیز سے جس سے مؤمن کو ڈرنا چاہئے وہ گناہوں پر اصرار کرنا ہے مؤن کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اگر اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً اللہ کی طرف متوجہ ہو اور معافی طلب کرے یہ انبیاء اور متقیوں کی صفت ہے گناہ پر اَڑے نہیں، گناہ پر اَڑنا شیطان کا کام ہے۔

آیتِ کریمہ ہے: وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَافَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ متقیوں کی ایک خاص صفت یہ ہے کہ وہ جان بوجھ کر اپنے گناہ پر اصرار نہیں کرتے یعنی وہ لوگ گناہ پر اصرار کرتے تھے اور باب کا عنوان بھی مایحذر من الاصرار الخ یعنی مؤمن کو گناہ پر اصرار کرنے سے ڈرنا چاہئے پس آیتِ کریمہ سے باب پر استدلال ظاہر ہے۔

حبط کے معنیٰ: حبط لغت میں اس جانور کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ کھا کر ہضم نہ کر سکے اور اس کو بدہضمی ہو جائے اور اس کا پیٹ اور دونوں کوکھیں پھول جائیں۔

شرعاً حبط کا استعمال بہت سارے معنیٰ پر ہوتا ہے۔

(۱) اعمال کا بالکل سوخت ہو جانا اور یہ اس وقت ہے جب کوئی آدمی العیاذ باللہ مرتد ہو جائے۔

(۲) اعمال پر اجر نہ ملنا عدمِ اخلاص کی وجہ سے۔

(۳) کسی عارض کی بنا پر عمل میں ضعف آ گیا ہو جس کی بنا پر جتنا اجر ملنا تھا اتنا نہ ملے۔ یہاں سب معنیٰ ہو سکتے ہیں کہ مؤمن کو ہمیشہ ہر قسم کے حبط سے ڈرنا چاہئے کہیں شیطان غفلت میں زبان سے ایسا کلمہ نہ نکلوا دے کہ ایمان ضائع ہو کر سارے اعمال بالکل بیکار ہو جائیں۔

اور ایک آیت ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○

اس آیت میں فرمایا گیا: اے مسلمانو! نبی ﷺ کے سامنے مت بولو زور سے ہو سکتا ہے تمہارے اعمال غارت ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے اگر تمہارے زور سے بولنے کی وجہ سے آپ ﷺ کے قلب مبارک میں میل آ گیا تو تمہارے اعمال ختم ہو جائیں گے اور تمہیں اس کا احساس بھی نہ ہوگا معلوم ہوا کہ بعض گناہوں کی وجہ سے زندگی بھر کا کیا کرایا غارت ہو جاتا ہے اس لئے ہمیشہ اپنے اعمال کے سلسلہ میں دھڑکا لگا رہنا چاہئے مطمئن کبھی نہیں رہنا چاہئے۔

اور باب کا عنوان بھی یہی ہے باب خوف المؤمن ان تحبط الخ پس مناسبت ظاہر ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/ ۲۸۲)

(د):

ہماری طرف سے جواب: (۱) بعض مرتبہ رفع صوت وشور وشغب بڑوں کے سامنے موجبِ ایذاء ہوتا ہے اور ایذاء نبی کفر ہے اور کفر سے اعمال کا ہادم ہونے کے ہم بھی قائل ہیں لہٰذا یہ آیت اہلِ سنت والجماعت کے خلاف نہیں ہے۔

(۲) حبط عمل سے مراد یہ ہے کہ فی الحال اس کو حسنات نفع نہیں پہونچائیں گے لیکن جب وہ اپنے سیئات کی سزا بھگت کر پاک وصاف ہوجائے گا تو پھر اس کو اس کے حسنات کی بدولت جنت نصیب ہوگی لہٰذا حبطِ اعمال کا مطلب حبط منفعت اعمال فی الحال ہے فلا اشکال۔

(ہ):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدعیٰ پر تین آثار اور دو حدیث سے استدلال فرمایا ہے:

(۱) ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے جب بھی اپنے قول کو اپنے عمل پر پیش کیا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں اپنی بات کی تردید تو نہیں کر رہا یعنی ان کو ہمیشہ دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں ان کے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور انہیں پتا بھی نہ چلے اور ظاہر ہے کہ جب کسی مؤمن کے اعمال کسی گناہ کی وجہ سے غارت ہوں گے تو اس کا ایمان کمزور ہوگا اور ایمان میں نقص آئے گا پس ثابت ہوا کہ ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔

(۲) ابن ابی مُلیکہ کے اثر میں ہے صحابہ ہمیشہ نفاقِ عملی سے ڈرتے تھے اور نفاق میں فرق مراتب ہیں، لہٰذا ایمان کے لئے بھی فرق مراتب ہوں گے جس کی وجہ سے ایمان میں کمی زیادتی ہوگی اور یہی امام کا مدعیٰ ہے۔

(۳) حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ سے مؤمن ہی ڈرتا ہے اور اللہ

سے منافق ہی بے خوف رہتا ہے یعنی مؤمن کو ہمیشہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں اس کے اعمال کسی گناہ کی وجہ سے ضائع نہ ہو جائیں اور ظاہر ہے جب کسی کے عمل گناہ کی وجہ سے غارت ہوں گے تو اس کا ایمان کمزور پڑے گا اور ایمان میں نقص آئے گا پس ثابت ہوا کہ ایمان میں کمی وزیادتی ہوتی ہے یہی امام کا مدعا ہے۔

(۴) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے اس حدیث میں آپ ﷺ نے لوگوں کو ڈرایا کہ مسلمان کو گالی مت دو اور اسے قتل نہ کرو ورنہ ایمان کے دائرے سے نکل جاؤ گے اور اعمال ضائع ہو جائیں گے اس گناہ کی وجہ سے باقی استدلال کا السابق ہے۔

(۵) رسول اللہ ﷺ لیلۃ القدر کی اطلاع دینے کے لئے حجرہ سے نکلے اس وقت دو مسلمان آپس میں لڑ رہے تھے آپ ﷺ ان کے درمیان صلح کرانے میں مشغول ہوئے اور شبِ قدر کا علم ذہن سے نکل گیا چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا میں اس لئے نکلا تھا کہ تمہیں لیلۃ القدر کی معین تاریخ بتلاؤں مگر فلاں اور فلاں میں جھگڑا ہو رہا تھا اس کی وجہ سے معین تاریخ کا علم اُٹھا لیا گیا الخ۔

دو آدمی جھگڑ رہے تھے ان کی نحوست سے آپ ﷺ کے قلبِ اطہر سے شبِ قدر کی تعیین محو ہو گئی معلوم ہوا کہ کچھ اعمال ایسے ہیں جن کی نحوست سے علم اُٹھ جاتا ہے اسی طرح حبطِ عمل بھی ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب گناہ کی وجہ سے کسی کے اعمال حبط ہوں گے تو اس کے ایمان میں نقصان ہوگا پس ایمان میں کمی وزیادتی ثابت ہوئی، یہی امام کا مدعا ہے۔

(ز):

احناف کی رائے اس مسئلہ میں الایمان لایزید ولاینقص یعنی نفسِ ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے اگرچہ ایمان کامل میں گھٹتا بڑھتا ہے۔

امام بخاری کا نزاع مرجیہ اور کرامیہ کے ساتھ ہے جو اعمال کو لاشئ کہتے ہیں۔

(و):

یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رَد درست نہیں ہے، کیونکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا پورا مقولہ ہے: ایمانی کایمان جبرئیل ولا اقول مثل ایمان جبرئیل اور قاعدہ ہے کہ کاف کے ذریعہ تشبیہ ذات کے اندر دی جاتی ہے اور لفظ مثل کے ذریعہ صفات میں تشبیہ دی جاتی ہے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایمان کو من حیث الایمان جبرئیل کے ایمان سے تشبیہ دی ہے نہ کہ جبرئیل کے صفات ایمان میں یعنی مثلیت میں تمام صفات کے اندر برابری ضروری ہے اور تشبیہ کے لئے یہ بات ضروری نہیں ہے بعض اوصاف میں برابری بھی کافی ہے۔

لیلۃ القدر والی روایت کی باب سے تطبیق اس طور پر ہے کہ جھگڑا کرنا شبِ قدر کے علم یقینی کے رفع کا سبب بن گیا اسی طرح معاصی بھی اعمال کے حبط و بطلان کا سبب بن جاتا ہے لہٰذا مناسبت ظاہر ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/ ۲۸۴)

سوال: ۱۳، صفحہ: ۱۲

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبَاوَائِلٍ عَنِ الْمُرْجِئَةِ، فَقَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ.

(۱۴۱۲-۱۴۲۰ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) فرقۂ مرجیہ کے معتقدات ذکر کرنے کے بعد بتایئے حدیث میں ان کے کس عقیدہ کی تردید کی گئی ہے۔

(ج) نیز بتائیں کہ اس حدیث سے مرتکبِ کبیرہ کی تکفیر تو نہیں لازم آتی جس سے

خوارج کا عقیدہ ثابت ہو رہا ہے اگر ایسا ہے تو حدیث کا ایسا مطلب بیان کیجئے جس کو خوارج اپنا مستدل نہ بنا سکیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: زبید کہتے ہیں میں نے حضرت ابووائل رحمۃ اللہ علیہ۔سے مرجیہ کے بارے میں پوچھا (کہ وہ جو کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ طاعت تو مفید ہیں مگر معاصی مضر نہیں ان کی یہ بات کہاں تک درست ہے) انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق (حد اطاعت سے نکلنا ہے) اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔

(ب) مرجیہ کے معتقدات:

(۱) ان کے نزدیک ایمان صرف تصدیقِ قلبی کا نام ہے۔
(۲) ایمان کے ساتھ طاعات تو مفید ہیں مگر معاصی مضر نہیں۔
(۳) اعمال کمالِ ایمان کے لئے ضروری نہیں۔
(۴) مؤمن مطیع و عاصی برابر ہیں۔
(۵) مرتکبِ کبیرہ کی بھی مغفرت ہو جائے گی۔

اس حدیث پاک سے ان کے بنیادی عقیدہ لاتضر المعصیۃ مع الایمان کما لاتنفع الطاعۃ مع الکفر کی تردید کی گئی ہے۔

(ج):

اس حدیث سے مرجیہ کی تردید ہو رہی ہے اور خوارج کی تائید ہو رہی ہے کیونکہ قتالہ کفر فرمایا گیا معلوم ہوا مرتکبِ کبیرہ خارج عن الایمان داخل فی الکفر ہے کیونکہ

قتل کبیرہ گناہ ہے اور یہ اہلِ سنت والجماعت کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سباب المسلم کے مقابلہ میں قتالہ کی شدت و تغلیظ ظاہر کرنے کے لئے ناقص کو کالعدم فرض کر کے کلام کیا گیا ہے یعنی مسلمان کو قتل کرنے والا مسلمان تو ہے مگر اس کا ایمان ناقص ہے اس لئے ناقص کو کالعدم فرض کر کے قتالہ کفر فرما دیا زجر و توبیخ کے موقع پر ایسا کرتے ہیں حقیقتِ کفر مراد نہیں ہے۔

سوال: ۱۴، صفحہ: ۱۲

بَابُ سَوَالِ جِبْرَئِيْلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْإِيْمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالْإِحْسَانِ وَعِلْمِ السَّاعَةِ وَبَيَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهٗ ثُمَّ قَالَ جَاءَ جِبْرَئِيْلُ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ فَجَعَلَ ذَالِكَ كُلَّهٗ دِيْنًا وَمَابَيَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِوَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ مِنَ الْإِيْمَانِ وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ.

(۱۴۱۰-۱۴۲۶ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مقصد ترجمہ واضح کریں۔

(ج) پھر وضاحت فرمائیے کہ اس ترجمہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ معتصمین کے نظریہ کی تردید فرما رہے ہیں یا مرجیہ ضالّہ کی جو بھی ہو تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک مرتبہ صحابہ کی موجودگی میں غیر معروف صورت میں آ کر آنحضور ﷺ سے ایمان و اسلام، احسان اور قیامت کے بارے میں

پوچھا تھا، آنحضور ﷺ نے ان کو جواب دیا (پھر ان کے چلے جانے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ سے) فرمایا جبرئیل اس لئے آئے تھے کہ تمہیں دین سکھائیں غرض کہ حضور ﷺ نے ان چاروں سوالوں کے مجموعہ کو دین کہا ہے علاوہ ازیں وفد عبدالقیس کے لئے ایمان کی تشریح کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اعمال کو ایمان میں شامل کیا ہے اور قرآن میں ارشاد پاک ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

(ب) مقصد ترجمہ:

ماقبل میں امام بخاری نے مختلف ابواب قائم کئے، کہیں یہ فرمایا کہ یہ کام ایمان میں سے ہے اور فلاں کام اسلام میں سے ہے اور کہیں یہ فرمایا یہ کام دین میں سے ہے اب یہ باب باندھ کر یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ایمان و اسلام اور دین سب متحد المعنیٰ اور مترادف ہیں اور وہ اس طرح کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جو چار باتیں پوچھی ہیں آپ ﷺ نے ان کو دین کہا ہے اور دین و ایمان ایک ہیں پس وہ چاروں باتیں ایمان کا جزء ہوئیں اور وفد عبدالقیس کی روایت میں آپ ﷺ نے ایمان کی شرح میں اعمال کو لیا ہے پس اعمال ایمان کا جزء ہوئے اور قرآن نے فرمایا ہے اگر کوئی شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا معلوم ہوا کہ اسلام اور دین ایک ہیں پس ثابت ہوا کہ اسلام دین اور ایمان مترادف ہیں۔ (تحفۃ القاری ۱/۲۸۶)

(ج):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمہ سے مرجیہ ضالہ کے نظریہ کی تردید فرما رہے ہیں جو اعمال کو ایمان کے لئے ضروری قرار نہیں دیتے ہیں بلکہ اعمال کو لاشئ کہتے ہیں۔

دلیل: (۱) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ.

(۲) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ.

(۳) اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَۃ.

مذکورہ آیتِ کریمہ اور حدیث پاک اس بات پر صریح دلیل ہیں کہ اعمال ایمان کے لئے ضروری ہے لیکن شرط نہیں ہے اور یہی ہمارا دعویٰ ہے۔

سوال: ۱۵، صفحہ: ۱۳

بَابُ فَضْلِ مَنِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى، يُوْشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ.

(۱۴۱۸-۱۴۲۲ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) حلال کا حلال ہونا واضح ہے اسی طرح حرام کا حرام ہونا واضح ہے تو مشتبہ کی کیا صورت ہوگی۔

(ج) آپ اس کا ایسا مطلب بیان کریں کہ کوئی اعتراض وارد نہ ہو نیز بتائیے کہ اس باب کو کتاب الایمان سے کیا مناسبت ہے؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ: دین کو پاک وصاف رکھنے کی اہمیت۔

حضرت عامر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا حلال واضح ہے اور

حرام واضح ہے اور دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ نہیں جانتے پس جو شخص مشتبہ اُمور سے بچا اس نے اپنا دین اور اپنی آبرو پاک وصاف رکھی اور جو مشتبہ چیزوں میں پڑا وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو سرکاری چراگاہ کے پاس جانور چراتا ہے قریب ہے کہ وہ سرکاری چراگاہ میں جا پڑے۔

(ب):

مشتبہ چیزیں کیا ہیں؟ اس کی تفصیل خود اس حدیث میں جو ترمذی میں مذکور ہے موجود ہے اور وہ امن الحلال ھی ام من الحرام یعنی مشتبہ چیزیں وہ ہیں جن کے بارے میں عام لوگ نہیں جانتے کہ وہ حلال ہیں یا حرام؟ بڑے علماء تو ان کے احکام جانتے ہیں مگر عام مسلمان جب وہ چیزیں پہلی مرتبہ اُن کے سامنے آتی ہیں تو اُن کے احکام سے واقف نہیں ہوتے وہ چیزیں ان کے لئے مشتبہ ہیں مثلاً (۱) ادلہ میں تعارض ہوا ایک حدیث سے کوئی چیز حلال اور دوسری حدیث سے وہی چیز حرام معلوم ہوتی ہے بعض مجتہدین نے دلائل شرعیہ میں غور وفکر کر کے حلال کہا اور دوسرے نے اس کو دلائل ہی سے حرام کہا اور ان مجتہدین کو کوئی شبہ بھی نہیں ایسی صورت میں اختلاف ائمہ سے بچتے ہوئے جو جس مجتہد کا مقلد ہے وہ اس کے فیصلے پر عمل کرے یا تقویٰ و پرہیز گاری کے طور پر اس عمل سے بالکلیہ اجتناب کریں۔

(۲) مثلاً کلبِ معلَّم کے ساتھ شکار میں کلبِ غیر معلَّم بھی شریک ہوا ہے تو اس سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ شکار ان دونوں میں سے کس کا ہے اگر معلَّم کا ہے تو حلال ہے اور اگر غیر معلَّم کا ہے تو حرام ہے تو اس صورت میں استبراء کا تقاضا ہے شکار سے بالکلیہ ترک و اجتناب کیا جائے۔ (تحفۃ القاری ا ر ۲۹۰)

(ج):

مطلب یہ ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے مشتبہات کو ایک مثال دے کر سمجھایا کہ جو کوئی ان شبہ کی چیزوں میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو سرکاری چراگاہ کے

اِردگرد جانور چرا رہا ہے قریب ہے کہ وہ جانور سرکاری چراگاہ میں داخل ہوجائے گا اور چرانے والا مجرم قرار پائے گا اور یہ چرواہے غیر محتاط ہے اور محتاط چرواہا وہ ہے جو جانور کو سرکاری چراگاہ سے ایک میل دُور رکھتا ہے تاکہ اگر وہ غافل بھی ہوجائے تب بھی جانور سرکاری چراگاہ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

اسی طرح انسان خود راعی ہے اور اس کا نفس وہ جانور ہے جسے یہ چراتا ہے پھر محتاط انسان تو اپنے اس نفس جانور کو حمی اللہ محارم سے دُور رکھتے ہیں ساتھ مشتبہات سے بھی دُور رکھتے ہیں اور غیر محتاط انسان اس نفس جانور کو حمی اللہ محارم کے قریب رکھتے ہیں پس اگر وہ نہیں روکا اپنے نفس کو تو وہ مجرم ہوگا اور اس محارم کے اِردگرد مشتبہات ہیں جس نے اپنے نفس کو ان مشتبہات کے لئے آزاد چھوڑا وہ قریب ہے کہ محرمات میں جا گرے گا کیونکہ محرمات سرکاری چراگاہ نہایت پُرفریب اور خوشنما ہوتی ہے مگر اس سے بچنا بھی ضروری ہے ورنہ پولیس ڈنڈا بجائے گی۔ (تحفۃ القاری (۱/۲۹۶)

اس باب کی کتاب الایمان سے مناسبت:

اس باب کا حاصل ورع وتقویٰ اور پرہیزگاری ہے اور اس کو آپ ﷺ نے دین قرار دیا ہے اور دین، اسلام، ایمان مترادف ہیں پس ورع بھی ایمان کا جزء اور مکملاتِ ایمان میں سے ہوا اس لئے اس حدیث کو کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس باب میں استبراء دین کا بیان ہے اور استبراء دین مکملات ایمان میں سے ہے اور جو چیز مکملات ایمان میں سے ہوگی اس کا تعلق اور مناسبت کتاب الایمان سے ظاہر ہے۔

سوال: ۱۶، صفحہ: ۱۴

بَابُ الْقِرَاءَةِ وَالْعَرْضِ عَلَى الْمُحَدِّثِ وَرَاَى الْحَسَنُ وَالثَّوْرِيُّ وَمَالِكٌ اَلْقِرَاءَةُ جَائِزَةٌ وَاحْتَجَّ بَعْضُهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ عَلَى الْعَالِمِ بِحَدِيْثِ ضِمَامِ

بْنِ ثَعْلَبَةَ اَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَمَرَكَ اَنْ نُصَلِّيَ الصَّلٰوةَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَهٰذِهٖ قِرَاءَةٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَ ضِمَامٌ قَوْمَه بِذَالِكَ فَاَجَازُوْهُ وَاحْتَجَّ مَالِكٌ بِالصَّكِّ يَقْرَأُ عَلَى الْقَوْمِ فَيَقُوْلُوْنَ اَشْهَدَنَا فُلَانٌ وَيَقْرَأُ عَلَى الْمُقْرِئِ فَيَقُوْلُ الْقَارِي اَقْرَأَنِيْ فُلَانٌ.

(۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) قرأت اور عرض علی المحدث کا مفہوم واضح کریں اس بارے میں جو اختلاف ہے اس کو بھی لکھیں۔

(ج) فاحتج بعضھم سے کون مراد ہے حدیث ضمام بن ثعلبہ سے طریقِ استدلال واضح کریں، اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کو بھی واضح کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت حسن بصری، سفیان ثوری اور مالک رحمہم اللہ فرماتے ہیں (جس طرح تحدیث جائز ہے) قراءت علی المحدث اور عرض علی المحدث بھی جائز ہے۔ بعض حضرات نے قراءت علی المحدث ارعرض علی المحدث کے جواز پر حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے (آنحضور ﷺ نے حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ کی طرف چند دعات بھیجے انہوں نے قبیلہ کو جو باتیں بتائیں حضرت ضمام ان کی تصدیق کے لئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے انہوں نے وہ باتیں حضور ﷺ کے سامنے پیش کیں) چنانچہ کہا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں، آپ ﷺ نے تصدیق فرمائی اور فرمایا ہاں یہی قراءت علی المحدث ہے پھر حضرت ضمام رضی اللہ عنہ

نے جب ساری باتیں تصدیق کر کے اپنی قوم سے بیان کیں تو قوم نے ان کو مان لیا۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے صک یعنی دستاویز سے استدلال کیا ہے جو قوم پر پڑھی جاتی ہے تو وہ لوگ گواہی دینے کے وقت کہتے ہیں کہ فلاں نے ہمیں گواہ بنایا۔ ایک طالبِ علم نے کسی قاری کو قرآن پڑھ کر سنایا (جب طالبِ علم فارغ ہوگا) اور دوسروں کو پڑھائے گا تو کہے گا اقرأني فلان فلاں نے مجھے قرآن پڑھایا۔

(ب):

قراءت علی المحدث اور عرض علی المحدث دونوں کے ایک ہی معنیٰ اور مفہوم ہیں یعنی طالبِ علم کا استاد کے سامنے حدیث پڑھنا اور پیش کرنا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے یہ طریقہ چلا آرہا تھا کہ استاد پڑھتا تھا اور طالبِ علم سنتا تھا لیکن جب محدثین نے اپنی کتابیں لکھیں اور جماعتیں بڑی ہوگئیں تو سب سے پہلے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ طالبِ علم پڑھتا تھا اور حضرت سنتے تھے، پس لوگوں میں اختلاف ہوگیا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جو نیا طریقہ اپنایا ہے وہ جائز ہے یا نہیں اکابر محدثین کے نزدیک یہ طریقہ جائز تھا امام بخاری کی رائے بھی یہی ہے کہ استاد کا حدیث پڑھنا اور شاگرد کا سننا یا شاگرد کا حدیث پڑھنا اور پیش کرنا اور استاد کا سننا دونوں جائز ہے اور دونوں کا ایک ہی درجہ ہے۔

بعض لوگ اس کے عدم جواز کے قائل تھے۔

پھر اختلاف ہوگیا کونسا طریقہ اولیٰ ہے ایک رائے یہ تھی کہ استاذ کا پڑھنا اولیٰ ہے اور ایک رائے یہ تھی کہ طالبِ علم کا پڑھنا اولیٰ ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ (تحفۃ القاری ۱/۳۱۹)

(ج):

فاحتج بعضهم سے مراد علامہ حمیدی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

حدیث ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے طریقِ استدلال: حضرت حمیدی رحمۃ اللہ علیہ نے قراءت وعرض علی المحدث کے جواز پر حدیث ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا ہے کہ جب آنحضور ﷺ نے حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ کی طرف چند دعات بھیجے، انہوں نے قبیلہ کو جو باتیں بتائیں حضرت ضمام ان کی تصدیق کے لئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے انہوں نے وہ باتیں حضور ﷺ کے سامنے پیش کیں آپ ﷺ نے تصدیق فرمائی یہی قراءت وعرض علی المحدث ہے پھر جب حضرت ضمام رضی اللہ عنہ نے تصدیق کر کے ساری باتیں اپنی قوم سے بیان کیں تو قوم نے ان کو مان لیا معلوم ہوا یہ طریقہ بھی جائز ہے ورنہ آپ ﷺ تصدیق نہ فرماتے اور قوم بھی نہیں مانتے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے صک یعنی دستاویز سے استدلال کیا ہے بایں طور پر کہ ایک شخص نے کسی سے مکان خریدا اس کا دستاویز لکھا گیا، منشی نے وہ دستاویز سب کو سنایا بائع اور مشتری کو بھی اور گواہوں کو بھی بیس سال بعد مکان کے سلسلہ میں بائع اور مشتری میں جھگڑ ہوا تو گواہ کورٹ میں گواہی دے سکتے ہیں کیونکہ ان کو لکھا ہوا دستاویز پڑھ کر سنایا گیا ہے، یہ قراءت علی المحدث کی نظیر ہے اس لئے کہ گواہوں نے خود اس دستاویز کو نہیں پڑھا بلکہ منشی نے پڑھ کر سنایا ہے۔

اور معاملات دینیات کی بہ نسبت اہم ہیں اسی لئے گواہی کی ضرورت معاملات میں پڑتی ہے دینیات میں گواہی کی ضرورت نہیں ہوتی اور حدیث روایت کرنا دیانت کے قبیل سے ہے پس جب معاملات میں قراءت علی الشہود معتبر ہے تو قراءت علی المحدث کیوں معتبر نہیں؟ وہ بدرجۂ اولیٰ معتبر ہونی چاہئے۔ (تحفۃ القاری ۱/۳۲۰)

سوال ۱۷، صفحہ: ۱۵

بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الْمُنَاوَلَةِ وَكِتَابِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْعِلْمِ إِلَى الْبُلْدَانِ.
وَقَالَ أَنَسٌ نَسَخَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِفَ، فَبَعَثَ بِهَا إِلَى الآفَاقِ. وَرَأَى عَبْدُ

اللهِ بْنُ عُمَرَ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَمَالِكٌ ذَلِكَ جَائِزًا. وَاحْتَجَّ بَعْضُ أَهْلِ الْحِجَازِ فِي الْمُنَاوَلَةِ بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ كَتَبَ لِأَمِيرِ السَّرِيَّةِ كِتَابًا وَقَالَ لَا تَقْرَأْهُ حَتَّى تَبْلُغَ مَكَانَ كَذَا وَكَذَا. فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ الْمَكَانَ قَرَأَهُ عَلَى النَّاسِ، وَأَخْبَرَهُمْ بِأَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(۱۴۱۴-۱۴۲۱-۱۴۲۳-۱۴۲۹ھ)

(الف) مناولہ، مکاتبہ کی تعریف واقسام بیان کر کے دونوں میں فرق واضح کریں نیز محدثین کے اختلاف کو مدلل لکھیں۔

(ب) نیز بتائیے کہ ان آثار سے مناولہ کا ثبوت ہوتا ہے یا مکاتبہ کا اگر کسی ایک کا ثبوت ہوتا ہے تو اس کو تحریر کر کے بتلائیں کہ دوسرے کا ثبوت کس طرح ہوگا۔

(ج) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مکاتبہ کو جن شرائط کے ساتھ مشروط فرمایا ہے ان کو بھی ذکر کریں۔

(د) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جن دلائل کو عنوان کے تحت ذکر فرمایا ہے ان کا تعلق ترجمۃ الباب سے کس طرح ثابت ہوتا ہے اس کو بھی واضح کریں۔

(ہ) حدیث میں مذکورہ سریہ کی تاریخ اور امیر کی تعیین اور واقعہ کی تشریح فرمائیے۔

الجواب:

(الف):

مناولہ کی تعریف: مناولہ یہ ہے کہ شیخ اپنی اصل کتاب یا کاپی یا اس کی نقل شاگرد کو بطورِ ملکیت یا عاریت دے اور اس سے روایت کرنے کی اجازت بھی دے تو یہ مناولہ مقرونہ بالاجازہ ہے اور اگر اجازت نہ دے تو یہ مناولہ غیر مقرون بالاجازہ ہے۔

(۲) **مکاتبہ کی تعریف:** مکاتبہ یہ ہے کہ شیخ اپنی حدیثیں لکھ کر کسی شخص کو بھیج

دے پھر اگر روایت کرنے کی اجازت بھی دے تو وہ مکاتبہ مقرون بالا جازہ ہے اور اگر اجازت نہ دے تو یہ مکاتبہ مجردہ ہے۔

دونوں میں فرق: مناولہ میں شیخ اپنی اصل کتاب یا اس کی نقل شاگرد کو بھیجتے ہیں اور مکاتبہ میں اپنی اصل کتاب نہیں بھیجتے بلکہ اس سے حدیثیں لکھ کر بھیجتے ہیں۔

مناولہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) مناولہ مقرون بالا جازہ (۲) مناولہ غیر مقرون بالا جازہ

مکاتبہ کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) مکاتبہ مقرون بالا جازہ (۲) مکاتبہ غیر مقرون بالا جازہ اور مجردہ ہے۔

اختلافِ ائمہ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکاتبہ و مناولہ میں کتاب القاضی الی القاضی کی طرح دو گواہ کا ہونا ضروری ہے۔

دلیل: الخط یشبہ الخط.

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر مقرون بالا جازہ ہو تو گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔

دلائل: کتب لامیر السریۃ کتابا. رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر سے پہلے ایک سریہ بھیجا اور اس کا امیر بنایا عبداللہ بن جحش کو اور آپ ﷺ نے ان کو ایک خط دیا اور فرمایا تم یہ خط فلاں جگہ پہنچ کر پڑھو جب امیر سریہ فلاں جگہ پہنچا تو خط کھولا اور اس کے اندر جو تحریر تھی اس کو پڑھ کر ساتھیوں کو سنایا اس میں لکھا ہوا تھا کہ تمہیں طائف اور مکہ کے درمیانی علاقہ میں ٹھہرنا ہے اور مکہ والوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنی ہے اور ہمیں مطلع کرتے رہنا ہے اور اپنے ساتھیوں کو رہنے پر مجبور مت کرنا خط پڑھنے کے بعد، آپ ﷺ نے یہ خط لکھ کر دیا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ مقرون بالا جازہ کے لئے گواہی کی ضرورت نہیں ورنہ آپ ﷺ گواہ ضرور بناتے۔

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو قرآن لکھ کر بھیجے تھے یہی مکاتبہ کی دلیل ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/۳۲۵)

(ب):

جاننا چاہئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی ایک باب قائم کرتے ہیں پھر وہ تنگی محسوس کرتے ہیں پس بات بڑھا دیتے ہیں، کیونکہ جو بات بڑھائی ہے اس کے دلائل حدیثوں میں ہیں اور پہلی بات کے دلائل نہیں ہیں اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں پھر جب دوسرے جزء کو دلائل سے ثابت کریں گے تو پہلا جزء خود بخود ثابت ہو جائے گا اسی طرح یہاں بھی امام بخاری نے باب قائم کیا ہے باب مایذکر فی المناولة پھر چونکہ اس کے دلائل حدیثوں میں نہیں ہیں اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بات آگے بڑھائی اور فرمایا والمکاتبة کیونکہ مکاتبہ کا ثبوت حدیثوں میں موجود ہے اور یہاں جو آثار لائے اس سے مکاتبہ کا ثبوت ہو رہا ہے پھر جب ان سے مکاتبہ کا ثبوت ہو گیا تو مناولہ کا ثبوت بھی اس کے ضمن ہو گیا کیونکہ دونوں ایک ہے۔

(تحفۃ القاری ۱/۳۲۵)

(ج):

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مکاتبہ کو ایک شرط کے ساتھ مشروط فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ مکاتبہ کے ثبوت کے لئے دو گواہوں کی ضرورت ہے۔

(د):

ان آثار سے طریقِ استدلال:

(۱) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ آرمینیہ سے لوٹ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اس سے پہلے کہ اُمت قرآن میں مختلف ہو جائے آپ اس کی خبر لیں، چنانچہ حضرت عثمان نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک کمیٹی بنائی اور ان کو لغتِ قریش کے مطابق چند مصاحف تیار کرنے کا حکم دیا اسی کمیٹی نے پانچ مصاحف تیار کئے ایک مصحف عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس مدینہ میں رکھا اور باقی مصحف مختلف

شہروں میں بھیج دیئے اور حکم دیا کہ مسلمان اسی سے نقلیں لیں اور لوگوں نے جو مختلف قرآن لکھے ہیں وہ پایۂ تخت کو بھیج دیں جب سب قرآن آگئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُن کو جلوا دیا، اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو موجودہ قرآن پر جمع کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو قرآن لکھ کر بھیجے تھے یہی مکاتبہ ہے اور جب یہ مکاتبہ قرآن کے حق میں معتبر ہے تو حدیثوں کے حق میں بدرجۂ اولیٰ معتبر ہوگا۔

(۲) عبداللہ بن عمر عمری یحییٰ بن سعید انصاری اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مکاتبہ کو جائز قرار دیا ہے اور باب بھی یہی ہے: باب ما یذکر فی المناولۃ والمکاتبۃ.

اور مناولہ کا ثبوت مکاتبہ کے واسطہ سے ہو رہا ہے۔

(۳) محدث حمیدی رحمۃ اللہ علیہ نے مناولہ کے جواز پر ایک حدیث سے استدلال کیا ہے وہ حدیث ہے کہ نبی علیہ السلام نے آٹھ آدمیوں پر مشتمل ایک سریہ روانہ فرمایا جس کی تفصیل جزء ''ہ'' میں آرہی ہے اس میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے امیر لشکر کو ایک خط دیا یہی مناولہ ہے اور اس کو مکاتبہ بھی کہہ سکتے ہیں معلوم ہوا کہ مناولہ اور مکاتبہ معتبر ہے۔

(تحفۃ القاری ۱/۳۲۸)

(ہ):

یہ سریہ ۲ھ جمادی الثانیہ میں غزوۂ بدر سے پہلے ہوا ہے حضور اقدس علیہ السلام نے آٹھ مہاجرین کو عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ فرمایا اور امیر لشکر عبداللہ بن جحش کو ایک خط دیا اور ہدایت کی کہ مکہ کے راستہ پر چلو دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد خط کھول کر ساتھیوں کو سنانا پھر اگر کوئی ساتھی واپس لوٹنا چاہے تو اس کو واپس بھیج دینا چنانچہ سریہ روانہ ہوا اور دو دن چلنے کے بعد خط کھول کر پڑھا گیا اس میں لکھا تھا کہ تمہیں طائف اور مکہ کے درمیانی علاقہ میں رہنا ہے اور مکہ والوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھنی ہے اور ہمیں مطلع کرتے رہنا ہے، چنانچہ جب خط پڑھا گیا تو دو آدمی لوٹ آئے اتنے میں قریش کا ایک تجارتی قافلہ سامنے آگیا اور یہ رجب کی پہلی تاریخ تھی لیکن صحابہ کو ۲۹ چاند کی خبر نہ

تھی یکم رجب کو تیس جمادی الثانیہ سمجھ کر ایک شخص عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا اور دو آدمیوں کو قید کر لیا اور ایک بھاگ نکلا اور کچھ مالِ غنیمت بھی ہاتھ آیا اس کے بعد یہ لوگ مالِ غنیمت لے کر مدینہ لوٹے اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا رجب چونکہ حرمت کا مہینہ تھا اس میں لڑائی جائز نہ تھی کفار نے عار بھی دلائی اس لئے تقسیم غنیمت کو موقوف رکھا تا آنکہ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ نازل ہوئی۔ (تحفۃ القاری۱/۳۲۸)

سوال:۱۸، صفحہ:۱۶

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا.

(۱۴۲۵ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) اور باب كان النبی ﷺ يتخولهم بالموعظة والعلم كئی لا ينفروا سے حدیث کو مرتبط کیجئے۔

(ج) نیز بتائیے کہ يسروا کے بعد ولا تعسروا کی بظاہر ضرورت نہیں تھی تو پھر ولا تعسروا کیوں لائے اور یہ بتائے کہ تبشیر کا مقابل انذار یا تنذیر ہے مقابل نہ ذکر کر کے تنفیر کو کس مقصد کے لئے ذکر فرمایا اگر اس میں کسی صنعت کی طرف اشارہ ہو تو واضح کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسانی کرو تنگی مت کرو اور خوشخبری سناؤ، نفرت مت دلاؤ۔

(ب):

باب ما کان النبی ﷺ یتخلوهم بالموعظة والعلم کئی لا ینفروا سے حدیث پاک کا تعلق اس طور پر ہے کہ باب کے تحت دو حدیثیں لائے ہیں۔ پہلی حدیث جزء اوّل یعنی موعظہ کے اور دوسری حدیث جزءِ ثانی کے مطابق ہے پہلے چند ابواب میں علم و تبلیغ و تعلیم کی اہمیت بیان کی گئی تو اس سے وہم ہوسکتا ہے کہ آدمی کو ہر وقت علم ہی میں لگا رہنا چاہئے تو امام بخاری نے اس باب کو قائم کر کے اس وہم کو دُور فرمایا کہ علم و تعلیم ہونا چاہئے مگر ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ مفضی الی الملال اور موجبِ نفرت نہ ہو نیز امام بخاری نے پہلے ابواب میں طلبہ کو نصیحت کی تھی اب اس باب میں اساتذہ کو نصیحت کر رہے ہیں کہ طلبہ کی ذہنی تربیت کرنی چاہئے ان کی نگہداشت کرنی چاہئے، ان کو تحصیلِ علم میں مشغول رکھنا چاہئے، مگر ان پر ناقابلِ برداشت بوجھ نہیں ڈالنا چاہئے ورنہ وعظ و نصیحت کا اور تعلیم تعلّم کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا طلبہ متنفر ہو کر بھاگ جائیں گے اور یہی العلم کا لا ینفروا سے تعلق ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/۲۳۹)

(ج):

یسروا کے بعد ولا تعسروا کو اس لئے لائے تا کہ تیسیر دائمی کا مقصد حاصل ہو، کیونکہ یہ مقصد محض یسروا کہنے سے حاصل نہیں ہوتا ہے کیونکہ صیغہ امر مأمور کے تکرار کا تقاضا نہیں کرتا ہے اس لئے خارج سے مدد حاصل کرنی پڑی ہے اس لئے یسروا کے بعد ولا تعسروا ذکر کیا گیا۔

تنفیر کو اس لئے ذکر کیا کہ (۱) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابتدائی تعلیم میں انذار کا عمل عموماً تنفیر کا باعث ہوتا ہے اس لئے بشروا کا مقابلہ تنفیر کے ساتھ لایا گیا، اس میں صنعت حکمت کی طرف اشارہ ہے۔

مگر استاذ محترم حضرت سعید احمد پالن پوری زید مجدھم فرماتے ہیں کہ تبشیر کا مقابلہ

بے شک انذار ہے مگر انذار کے لئے تنفیر لازم ہے پس ملزوم کی جگہ لازم ذکر کیا گیا ہے تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے ایسا تو کیا جاتا ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/۳۴۰)

سوال: ۱۹، صفحہ: ۱۶

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللهُ يُعْطِيْ وَلَنْ تَزَالُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ قَائِمَةٌ عَلٰى اَمْرِ اللهِ لَا تَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ اَمْرُ اللهِ.

(۱۴۳۱ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں، مطلب لکھیں اور حدیث میں مذکورہ تینوں باتوں کی ضروری تفصیل لکھیں۔

(ب) اور بتائیں کہ تینوں باتوں میں کیا جوڑ ہے سوچ کر لکھیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو خیر منظور ہوتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ دین کا فہم عطا فرماتے ہیں اور میں صرف بانٹنے والا ہوں دینے والا اللہ تعالیٰ ہیں اور اس امت کی ایک جماعت برابر دین حق پر قائم رہے گی مخالفین ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے۔

مطلب حدیث اور حدیث میں مذکورہ باتوں کی تفصیل:

(۱) جو عالمِ دین بنتا ہے وہ اللہ کی عنایت سے بنتا ہے اپنی محنت سے کوئی کچھ حاصل نہیں کرسکتا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ان کو بعد از وفات کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے

فرمایا محمد اگر مجھے تیرے ساتھ خیر منظور نہ ہوتی تو میں تجھے اپنا علم نہ دیتا۔

(۲) میں صرف بانٹنے والا ہوں دینے والا اللہ تعالیٰ ہیں اگر استاد کے بس میں ہوتا تو وہ تمام تلامذہ کو علم گھونٹ کر پلا دیتا مگر استاد کے بس میں کچھ نہیں استاد صرف پڑھاتا ہے پھر کس کو علم کتنے ملے گا یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے لہٰذا اللہ سے لو لگاؤ اس سے مانگو اس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں آتا البتہ ایسا ہو سکتا ہے کہ طالبِ علم نے خوب محنت کی ہو اللہ تعالیٰ سے لو بھی لگائی ہو مگر اس کا ذہن کمزور ہو اس لئے وہ فقیہ نہ بن سکا، مگر وہ بھی محروم نہیں رہے گا اس لئے کہ مئے خانہ کا محروم بھی محروم نہیں اللہ تعالیٰ اس کے علم میں نورانیت پیدا فرمائیں گے اور اس سے ایسے ایسے کام لیں گے کہ بڑے بڑے علماء فقہاء اور حکماء اس پر رشک کریں گے۔

(۳) پھر نبی ﷺ نے فرمایا اس امت میں ایک جماعت برابر دین حق پر جمی رہے گی مخالفین ان کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے۔

اس جماعت کی تعیین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں کسی نے اس کا مصداق مجاہدین کو قرار دیا ہے کسی نے محدثین کو کسی نے فقہاء کو اور کسی نے علماء کو لیکن راجح قول یہ ہے کہ اس کا مصداق اہلِ سنت والجماعت ہیں مشہور حدیث ہے کہ اس امت کے تہتر فرقے ہوں گے ان میں ایک ناجی اور باقی ناری و گمراہ ہوں گے اور ظاہر ہے وہ گمراہ فرقے اس حدیث کا مصداق نہیں ہو سکتے اور ایک فرقہ جو ناجی ہوگا وہ اہل السنہ والجماعۃ ہے پس وہی حدیث کا مصداق ہیں اور علماء، فقہاء محدثین مجاہدین اور حکماء و امراء سب اس میں آگئے اور امر اللہ سے قیامت اور قربِ قیامت مراد ہے۔

(ب):

تینوں باتوں میں جوڑ: تینوں اجزاء میں ربط یہ ہوا کہ جس کے ساتھ اللہ خیر چاہتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں اور ہر شخص کو فقاہت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے مگر دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں جس کی قسمت میں ہوگا اس کو فقاہت مل جائے گی اور جس کی قسمت میں نہیں ہوگا وہ بھی محروم نہیں رہے گا اور یہی علماء، فقہاء، صلحاء اور محدثین

اُمت پر محنتیں کریں گے اس کے نتیجہ میں ایک جماعت دین حق پر جمی رہے گی مخالفین کی ریشہ دوانیاں ان کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گی۔ (تحفۃ القاری ۱/ ۳۴۳)

سوال: ۲۰، صفحہ: ۱۷

بَابُ مَاذُكِرَ فِيْ ذِهَابِ مُوْسٰى فِي الْبَحْرِ اِلَى الْخَضِرِ وَقَوْله تَعَالٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِيْ الخ.

(الف) اس باب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس طرح واضح کریں کہ باب کا تعلق کتاب العلم سے ثابت ہو جائے۔

(ب) اور بتایئے کہ آیتِ کریمہ فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ اور حدیث پاک خرجا یمشیان کا تقاضا ہے کہ یہ سفر بحری نہیں تھا پھر امام موصوف کا قول ذھاب موسٰی فی البحر الی الخضر کس طرح درست ہوگا۔

الجواب:

(الف):

اِس باب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ (۱) علم حاصل کرنے کے لئے مشقت اُٹھانا چاہئے۔ (۲) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ علم حاصل کرنے کے لئے سفر کی ترغیب کو بیان کرنا ہے۔ (۳) بعض مشائخ نے کہا یہاں دریائی سفر کی ترغیب مقصود ہے۔ (۴) امام بخاری فرماتے ہیں کہ کبھی تحصیلِ علم کے لئے سفر ناگزیر ہو جاتا ہے پس سفر کر سکتے ہیں اور سمندری سفر بھی کر سکتے ہیں دورِ اوّل میں سمندر کا سفر خطرناک سمجھا جاتا تھا بغیر اِنجن کی بوٹیں ہوا کے رحم وکرم پر چلتی تھیں، کبھی ڈوب بھی جاتی، کبھی کہیں سے کہیں نکل جاتی تھیں، چنانچہ حدیث ہے: لایرکب البحر الاحاج اومعتمر اوغاز فی سبیل اللہ کہ دریا کا سفر نہ کرے مگر حاجی یا عمرہ کرنے والا یا غازی یعنی نہایت اہم

ضرورت ہی سے دریا کا سفر کیا جائے بے ضرورت خطرہ نہ مول لیا جائے اور تحصیلِ علم کے لئے سفر کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ بھی نہایت اہم ضرورت ہے۔

(۵) اوپر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد آیا ہے کہ سردار بنائے جانے سے پہلے علم حاصل کرلو اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت کی تھی کہ قبل السیادہ علم حاصل کرنا بھی جائز ہے اور بعد السیادہ بھی حضرات صحابہ نے کبرسنی میں علم حاصل کیا ہے اس پر کوئی کہہ سکتا تھا کہ صحابہ کا کبرسنی میں علم حاصل کرنا ایک مجبوری تھی ان کو عالم جوانی میں کوئی معلّم نہیں ملا تھا اس لئے جب انہوں نے اسلام قبول کیا اور آنحضور ﷺ سے متعلق ہوئے تب علم حاصل کیا لہٰذا یہ بات تحصیلِ علم بعد السیادہ کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ یہ حدیث لائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے پیغمبر صاحبِ کتاب رسول تھے، انہوں نے تحصیلِ علم کے لئے سفر فرمایا ہے معلوم ہوا کہ حصولِ علم کی راہ میں سیادت مانع نہیں ہونی چاہئے۔ (تحفۃ القاری ۱/۳۵۲)

(ب):

موصوف کا قول ذھاب موسٰی فی البحر الی الخضر کی درستگی کی چند صورتیں ہیں:

(۱) بعض لوگوں نے یہ توجیہ کی کہ الیٰ بمعنیٰ مع ہے تقدیر عبارت فی ذھاب موسٰی فی البحر مع الخضر تو مطلب بالکل صحیح ہو جائے گا۔

(۲) بعض لوگوں نے کہا الی الخضر سے حرفِ عطف واؤ مقدر ہے تقدیر عبارت یہ نکالی گئی فی ذھاب موسٰی فی البحر والی الخضر مطلب یہ ہے کہ دونوں قصہ یعنی موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر کے ساتھ سمندر میں اور خضر سے ملنے کے لئے جانا دونوں واقعات اس باب میں مذکور ہوں گے۔

(۳) بعض لوگوں نے یہ کہا کہ مچھلی جہاں کود کر سمندر میں چلی گئی تھی اُس مقام پر ایک طاقچہ بن گیا تھا، حضرت موسیٰ اس میں داخل ہو کر حضرت خضر کے پاس پہنچے تھے اس

لئے ذھاب موسیٰ فی البحر الی الخضر کہا گیا۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لئے پہلے خشکی کا سفر کیا پھر ان کے ہمراہ بحری سفر کیا اور وہی علمی سفر تھا اس سے پہلے جو خشکی کا سفر کیا تھا وہ اس سفر کی تمہید تھا اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تقدیم وتاخیر کی ہے الی الخضر کو جو حقیقت میں مقدم ہے بعد میں لائے اور فی البحر کو پہلے لائے، کیونکہ وہی علمی سفر تھا اور باب کا مقصد بھی یہی ہے کہ تحصیلِ علم کے لئے بحری سفر کا جواز بیان کرنا اس لئے فی البحر کو پہلے لائے۔ (تحفۃ القاری ۱/۳۴۸)

سوال: ۲۱، صفحہ: ۱۷

باب مَتٰی یَصِحُّ سَمَاعُ الصَّغِیرِ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِیعِ قَالَ عَقَلْتُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَجَّۃً مَجَّھَا فِی وَجْھِی وَأَنَا ابْنُ خَمْسِ سِنِینَ مِنْ دَلْوٍ.

(۱۴۱۷-۱۴۲۴ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) تحمل حدیث اور اداء حدیث کے سلسلہ میں کسی عمر کی قید ہے یا نہیں اور اس میں محدثین حضرات کا کیا اختلاف ہے محدثین کرام کی آراء کو مدلّل تحریر فرمانے کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس سلسلہ میں جو رائے ہے اس کو بھی واضح فرمائیے۔

(ج) حدیث پاک کا ترجمۃ الباب سے تعلق ثابت کیجئے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: تحملِ حدیث کے لئے کتنی عمر ضروری ہے۔ حضرت محمود بن الربیع کہتے ہیں

کہ نبی کریم ﷺ کا کلی کرنا مجھے یاد ہے ایک ڈول سے لے کر جس کو آپ ﷺ نے میرے منھ پر ماری اور میں پانچ سال کا تھا۔

(ب):

تحملِ حدیث اور اداء حدیث کے لئے کسی عمر کی قید ہے یا نہیں اس سلسلہ میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات مثلاً یحییٰ بن معین کا مسلک یہ ہے کہ پندرہ سال کی عمر ضروری ہے اور یزید بن ہارون نے تیرہ سال کی عمر مقرر کی ہے۔

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عمر کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ جب بھی بچہ میں شعور و تعقل و تمیز پیدا ہو جائے حدیث کا پڑھنا اور سننا صحیح ہے۔

امام بخاری امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی قول زیادہ راجح ہے۔

یحییٰ بن معین کی دلیل: جنگِ بدر کے وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی عمر پندرہ سال سے کم ہونے کی بنا پر انہیں شرکتِ جنگ کی اجازت نہیں دی گئی اس سے پتہ چلتا ہے کہ تحملِ حدیث کے لئے پندرہ سال کی عمر ہونی ضروری ہے۔

امام احمد کی دلیل: اس باب کی دونوں حدیثیں (۱) پہلی حدیث ابن عباس کی انہوں نے اس کو قریب البلوغ میں حاصل کیا۔ (۲) دوسری حدیث محمود بن الربیع کی ہے اس وقت ان کی عمر پانچ سال کی تھی۔

ان دونوں روایتوں میں عمر کی تحدید پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ نہیں ہے اور دونوں حدیثوں کو ملانے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تحمل حدیث کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں بلکہ شعور، تمیز و تعقل کافی ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/۳۵۵)

(ج):

حدیث پاک کا تعلق ترجمۃ الباب سے اس طور پر ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نے اس باب میں محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے جس میں محمود رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے رسولِ کریم ﷺ کا ایک ڈول سے چلّو بھر کر پانی لے کر کلی کرنا یاد ہے۔ جس کو آپ ﷺ نے میرے منہ پر مارا اور میں پانچ سال کا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پانچ سال کی عمر میں بھی تحملِ حدیث درست ہے تحملِ حدیث کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں جب بھی بچے میں شعور پیدا ہو جائے سماع معتبر ہے اور باب بھی یہی ہے متی یصح سماع الصغیر پس مناسبت ظاہر ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/۳۵۵)

سوال: ۲۲، صفحہ: ۱۸

قَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا لَا يُحَدِّثُكُمْ أَحَدٌ بَعْدِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَقِلَّ الْعِلْمُ، وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا، وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ، حَتَّى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ.

(۱۴۳۲ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے لأحدثکم الخ کیوں فرمایا ہے اور یظہر الجہل والزناء میں ظہور سے کیا مراد ہے؟ اور قربِ قیامت میں مرد کم کیوں ہو جائیں گے۔

(ج) وقال ربیعة لاینبغی لاحد عندہ شیئ من العلم ان یضیع نفسه کا کیا مطلب ہے؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناتا

ہوں جو میرے بعد تمہیں کوئی نہیں سنائے گا میں نے نبی پاک ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ (۱) علم کم ہوجائے (۲) جہل ظاہر ہوجائے (۳) زنا پھیل جائے (۴) عورتیں زیادہ ہوجائیں اور مرد کم ہوجائیں یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا ذمہ دار ایک مرد ہو۔

(ب):

لأحدثکم الخ فرمانے کی وجہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ میں وفات پانے والے صحابہ میں آخری صحابی ہیں اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ سے یہ حدیث سننے والا اب میرے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا اس لئے کوئی بیان نہیں کرے گا۔

یظھر الجھل کا مطلب: جہالت لوگوں کے دلوں میں جم جائے گی اور ان پر جہالت کا غلبہ ہوجائے گا اور عام طور پر لوگوں کے دلوں سے شرعی علوم کی رغبت کم ہوجائے گی اور لوگ شرعی علوم سے اعراض کرنے لگیں گے اور دنیاوی علوم اور دنیا کے مال و اسباب کی طرف مائل ہوں گے جس کے نتیجہ میں شرعی علوم کے بارے میں ان کی جہالت عام ہوجائے گی۔

ویظھر الزناء: زنا عام ہوجائے گا اور لوگ زنا کو گناہ بھی نہیں سمجھیں گے۔ اور زنا کے گندی حرکت ہونے کا احساس بھی ان کے دلوں سے اُٹھ جائے گا، بلکہ لوگ اس کو عصر کی مڈرن سمجھیں گی۔

اور قربِ قیامت میں مرد کی قلت کی وجہ: قربِ قیامت میں پچاس عورتوں کا ذمہ دار ایک مرد ہوگا اس کی کیا صورت اور وجہ ہوگی یہ بات ابھی نہیں بتائی جاسکتی یا تو مرد جنگوں میں مارے جائیں گے اس لئے یہ صورت حال ہوجائے گی یا لڑکیوں کی شرح پیدائش بڑھ جائے گی یا کوئی اور وجہ ہوگی بہر حال وقت پر ہی اس کی وجہ معلوم ہوگی، قبل از وقت کچھ کہنا مشکل ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/۳۶۱)

(ج):

ربیعة الرائے کے قول کا مطلب: ربیعۃ الرائے جو بہت بڑے محدث وفقیہ ہیں اورامام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں فرماتے ہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کچھ علم دیا ہے اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ضائع کرے اور خود کو ضائع کرنا یہ ہے کہ پڑھ کر فارغ ہو جائے اور علم کے ساتھ تعلقات چھوڑ دے پس جو تھوا بہت علم حاصل کیا تھا وہ بھی ضائع ہو جائے گا لہٰذا فراغت کے بعد بھی پڑھائی جاری رکھنی چاہئے کیونکہ قطرہ قطرہ دریا شود ہے اگر پڑھنا جاری رکھے گا تو علم بڑھتا رہے گا ورنہ علم ضائع ہو جائے گا۔

(تحفۃ القاری ۱؍۳۶۰)

سوال: ۲۳، صفحہ: ۱۸

بَابُ فَضْلِ الْعِلْمِ، إِنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ، فَشَرِبْتُ حَتّٰى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِي أَظْفَارِي، ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْعِلْمَ.

(۱۴۱۳ھ)

(الف) حدیث پاک پر اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب بیان کریں نیز یخرج کا فاعل بتائیں۔

(ب) اس سے قبل ص ۱۴ میں باب فضل العلم امام بخاری نے ذکر کیا ہے اب مکرر باب فضل العلم اس جگہ ذکر کرنا بظاہر باب میں تکرار ہے حالانکہ بخاری شریف میں مقاصد کے اعتبار سے ابواب میں تکرار نہیں ہے پھر تکرار کا جواب اور فضل کے معنیٰ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیے۔

(ج) حدیث کو ترجمۃ الباب سے کس طرح مناسبت ہے۔

الجواب:

الف):

ترجمہ: علم کی فضیلت کا بیان: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ دریں اثناء کہ میں سویا ہوا تھا میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا میں نے اس کو پیا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ سیرابی میرے ناخنوں سے نکل رہی ہے (یہ عربی محاورہ ہے اور اُردو محاورہ ہے میرا رواں رواں سیراب ہو گیا) پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمر کو دیا صحابہ نے پوچھا اس کی تعبیر کیا ہے اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: علم۔

مطلب: آنحضور ﷺ کے بعد امت میں سب سے اونچا علمی مقام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جزئی فضیلت ہے اس سے ان کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر برتری لازم نہیں آتی ہے پس اس حدیث سے عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

یخرج کا فاعل ضمیر مستتر ھو ہے جو اثر الرای کی طرف راجع ہے۔

(ب):

تکرار باب کا جواب: (۱) فضل کے دو معنیٰ ہیں (۱) فضیلت (۲) ضرورت سے فاضل۔ سابق میں علم کی فضیلت کو بیان کیا گیا تھا اور یہاں فاضل عن الحاجۃ کو حاصل کرنا اور اس کے حکم کا بیان ہے۔

(۲) ابتداء باب میں علماء کی فضیلت کا بیان تھا اور یہاں علم کی فضیلت کا بیان ہے وہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جو دو آیتیں لکھی ہیں ان میں علماء کی فضیلت ہے اور اب علم کی فضیلت بیان کرتے ہیں اور اتنا سا معمولی فرق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نیا باب قائم کرنے کے لئے کافی ہے۔

(۴) کتاب العلم کے شروع میں جو باب ہے وہ بعض نسخوں میں ہے اکثر نسخوں میں نہیں ہے لہٰذا تکرار نہیں ہے اور حضرت الاستاد نے بتایا کہ یہ جواب راجح ہے اس لئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر کتاب کے شروع میں آیات لکھتے ہیں اور پوری کتاب کی حدیثیں ان ہی آیات کی تفسیر ہوتی ہیں، کتاب العلم کے شروع میں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو آیتیں لکھی ہیں وہاں باب نہیں ہے۔

(تحفۃ القاری ۱/ ۳۶۲)

(ج):

باب سے حدیث کی مناسبت: آنحضور ﷺ نے اپنا بچا ہوا دودھ یعنی علم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا اس سے علم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

(تحفۃ القاری ۱/ ۳۶۲)

سوال: ۲۴، صفحہ: ۱۸

بَابُ الرِّحْلَةِ فِي الْمَسْأَلَةِ النَّازِلَةِ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِأَبِي إِهَابِ بْنِ عَزِيزٍ. فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِي تَزَوَّجَ بِهَا. فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا أَعْلَمُ أَنَّكِ أَرْضَعْتِنِي وَلاَ أَخْبَرْتِنِي. فَرَكِبَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ فَسَأَلَهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ. فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ، وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ.

(۱۴۱۵ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ وتشریح کیجئے۔

(ب) نیز بتائیے کہ ثبوتِ رضاعت کے لئے کتنے افراد کی شہادت درکار ہے ائمہ کرام کا جو بھی اختلاف ہو اس میں، مدلل تحریر فرما کر راجح کو ترجیح دیجئے۔

(ج) اگر مذکورہ حدیث جمہور کے خلاف ہوتو اس کا معقول جواب دیجئے۔

(د) امام بخاری نے کتاب العلم، (ص ۱۷) پر ایک باب باب الخروج فی طلب العلم منعقد فرمایا ہے بظاہر ان دونوں بابوں کی غرض ایک معلوم ہوتی ہے حالانکہ مقاصد واغراض کے اعتبار سے بخاری کے ابواب میں تکرار نہیں ہے اس اشکال کا جواب اس طرح دیجئے کہ دونوں بابوں کی غرض میں امتیاز ہو جائے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: پیش آمدہ مسئلہ کی وجہ سے سفر کرنا۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابواہاب کی لڑکی سے نکاح کیا جب شادی کی شہرت ہوئی تو ایک کالی عورت ان کے پاس آئی اس نے کہا عقبہ تو نے کس سے نکاح کرلیا میں نے تجھے اور جس سے تو نے نکاح کیا ہے دونوں کو دودھ پلایا ہے عقبہ نے کہا یہ بات میں نہیں جانتا نہ آج سے پہلے تو نے یہ بات بتائی پھر وہ سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ گئے اور آپ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا آپ ﷺ نے فرمایا اس کو کیسے نکاح میں رکھو گے جبکہ وہ یہ بات کہہ رہی ہے؟ چنانچہ حضرت عقبہ نے اس عورت کو علیحدہ کر دیا اور دوسری عورت سے نکاح کیا۔

تشریح: جب نکاح کی شہرت ہوئی تو ایک حبشن آئی اور اس نے کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے پس تم دونوں بھائی بہن ہو اور تمہارا نکاح درست نہیں حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ مسئلہ دریافت کرنے کے لئے مدینہ پہنچے اور آپ سے عرض کیا میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا اب ایک حبشن کہتی ہے میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اور یا رسول اللہ وہ جھوٹی ہے پس نبی ﷺ نے رُخ پھیر لیا اُنہوں نے دوسری طرف سے آ کر یہی بات عرض کی تو آپ ﷺ نے پھر منہ پھیر لیا ان کو احساس نہ ہوا کہ آپ ﷺ کیوں

اعراض کر رہے ہیں جب تیسری مرتبہ یہی بات عرض کی تو آپ ﷺ نے رُخ نہیں پھیرا بلکہ فرمایا جب وہ کہتی ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو تم اس کو نکاح میں کیسے رکھو گے اسے چھوڑ دو۔

(ب):

ثبوت رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے:

(۱) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے بشرطیکہ وہ خود مرضعہ ہو اور دوسرے گواہ کی جگہ اس سے قسم لی جائے۔

دلیل: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال اس روایت سے ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے تنہا مرضعہ کی شہادت کا اعتبار فرمایا ہے۔

جمہور ائمہ کے نزدیک ثبوت رضاعت کے لئے نصابِ شہادت ضروری ہے جو عام دعاوی میں معتبر مانا جاتا ہے (یعنی امام شافعی کے نزدیک دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی یا چار عورتوں کی گواہی ضروری ہے اس سے کم شہادت کے لئے کافی نہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی کافی ہے غرض ائمہ ثلاثہ نے رضاعت میں صرف عورتوں کی گواہی کا اعتبار کیا ہے اور حنفیہ کے نزدیک ثبوتِ رضاعت کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے تنہا عورتوں کی گواہی سے حرمت ثابت نہیں ہوگی)۔

دلیل: وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ الخ

جمہور کا مذہب راجح ہے کیونکہ یہ احتیاط پر محمول ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/۱۷۳)

(ج):

حدیث کی توجیہ: (۱) آپ ﷺ کا یہ فیصلہ بطور قضاء نہیں تھا اس لئے کہ قضاء

میں مدعی مدعیٰ علیہ اور شاہد کا مجلس قضا میں حاضر ہونا ضروری ہے یہاں صرف حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اطلاع دی نہ تو مرضعہ قاضی کے سامنے آئی اور نہ گواہی دی پس یہ حدیث کسی بھی امام کا مستدل نہیں بن سکتا۔ (تحفۃ القاری ۱/۱۷۳)

(۲) بخاری کی ایک روایت میں ہے فاعرض عنه وتبسم النبی ﷺ وقال کیف وقد قیل۔ اگر ایک عورت کی شہادت کافی ہوتی تو اعراض نہ فرماتے بلکہ اسی وقت حرمت کا حکم دے دیتے، کیونکہ نبی کے سامنے خلافِ شرع کام ہوگا اور نبی اعراض اور سکوت کرے گا ایسا نہیں ہوسکتا۔

(۳) بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عقبہ بن حارث سے اس عورت کو کوئی رنجش ہوگئی تھی اس رنجش کی وجہ سے اس نے یہ شہادت دی اور ظاہر ہے کہ یہ کسی کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہے۔

(د):

پہلے باب باب الخروج فی طلب العلم میں مستقلا طلبِ علم کے لئے سفر کرنے کا بیان ہے اس باب میں عارضی طور پر کسی پیش آمدہ مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لئے سفر کرنے کا بیان ہے گویا کہ پہلے باب میں علم کلی کا ذکر تھا اس میں جزئی مسئلہ کا بیان ہے ان دونوں بابوں میں فرق بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان هٰذا اخص وذالك اعم مذکورہ تقریر سے معلوم ہوا دونوں بابوں کا مقصد الگ الگ ہیں لہٰذا تکرار نہیں ہے۔ (فتح الباری ۱/۲۳۲۔عمدۃ القاری ۱/۱۴۰)

سوال:۲۵، صفحہ:۲۲

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ قَالَ ائْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ. قَالَ عُمَرُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللهِ حَسْبُنَا

فَاخْتَلَفُوا وَ كَثُرَ اللَّغَطُ. قَالَ قُومُوا عَنِّي، وَلاَ يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ. فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ كِتَابِهِ.

(۱۴۱۰-۱۴۲۰ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) امام بخاری نے کتاب العلم میں باب کتابۃ العلم کے تحت اس حدیث کو ذکر فرمایا ہے حدیث کو باب سے اور باب کو کتاب العلم سے کس طرح تعلق ہے۔

(ج) نیز بتائے کہ حدیث پاک کی کتابت کے بارے میں کیا کوئی اختلاف تھا جس کی وجہ سے امام بخاری نے یہ باب قائم فرمایا ہے۔

(د) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے صریح حکم ائتونی بکتاب کی کیوں مخالفت کی وجہ مخالفت کو بیان کیجئے اور لا تضلوا میں ضلال کا کیا معنیٰ ہے تحریر کریں۔

(ہ) فخرج ابن عباس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس موقع پر موجود تھے، حالانکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اس موقع پر موجود ہونا ثابت نہیں ہے پھر عبارتِ مذکورہ کا کیا مطلب ہوگا واضح طور پر تحریر فرمایئے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب مرض وفات میں حضور اقدس ﷺ کی تکلیف بڑھی تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس کاغذ قلم لاؤ میں تمہیں وہ بات لکھوادوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اس وقت آپ ﷺ پر مرض کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس قرآنِ کریم موجود ہے قرآن ہمارے

لئے کافی ہے پس موجود لوگوں میں اختلاف ہوا، چنانچہ شور زیادہ ہوا پس آپ ﷺ نے فرمایا سب میرے پاس سے چلے جاؤ میرے پاس جھگڑا مناسب نہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کر کے جب گھر سے نکلے تو طالبین سے فرمایا مصیبت بالائے مصیبت یہ ہوئی کہ آپ ﷺ جو کچھ لکھوانا چاہتے ہیں لوگ اس کے درمیان اور آپ ﷺ کے درمیان حائل ہو گئے۔

(ب):

حدیث کا باب سے ربط واضح ہے کہ آپ ﷺ نے آخر حیات میں کچھ لکھوانا چاہا یہی کتابت علم ہے مگر باہمی اختلاف مانع بنا اس لئے تحریر وجود میں نہیں آئی مگر ارادہ کرنا استدلال کے لئے کافی ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/۴۰۹)

باب کو کتاب العلم سے تعلق اس طور پر ہے کہ علم اپنی ذات تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ جو کچھ دین کا علم حاصل کیا ہے اس کو دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام کرنا چاہئے مگر اس اہتمام کے ساتھ ساتھ احتیاط بھی لازم ہے کہیں شوق تبلیغ میں کوئی غلط آپ ﷺ کی جانب منسوب نہ ہو جائے اس لئے احادیث کے نقل میں احتیاط ضروری ہے اس احتیاط کی چند صورتیں ہوتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ارشادات کو لکھ لیا جائے اس لئے امام بخاری اس باب یعنی کتابت العلم کو کتاب العلم کے تحت بیان کیا ہے اور یہ حصولِ علم کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔

(ج):

شروع میں حدیثیں لکھنے کی مخالفت تھی مگر اسی زمانہ میں حدیثیں لکھی بھی گئیں جب مانع ختم ہو گیا تو حدیثوں کی تدوین کا سلسلہ شروع ہوا اور اب اس کے جواز پر اجماع ہے چونکہ علماءِ سلف کا اختلاف تھا دورِ اوّل میں اس میں، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ متعدد روایات کتاب العلم میں لا کر کتابت علم کو ثابت کر دیا اور جمہور کے مذہب کی تائید کی ہے۔

(د) مخالفت کے جواب:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم عدولی نہیں کی تھی بلکہ خیر خواہی کی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے ایسی تکلیف اور بیماری کی شدت میں حضور کو تکلیف دینا مناسب نہیں جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے صلح حدیبیہ میں صلح نامہ میں سے لفظ "رسول اللہ" کو مٹانے کا حکم دیا تھا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہیں مٹایا یہ حکم عدولی نہیں تھی بلکہ یہ انکار کمال محبت اور کمالِ عظمت کی دلیل تھی۔

نیز اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ پانچ روز باحیات رہے ہیں اگر جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے وہ اتنی ہی ضروری تھی تو آپ ﷺ ضرور قلم کاغذ منگوا کر ضرور اس کو لکھنے کا حکم دیتے، کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ نبی کے پاس کوئی حکم شرعی آئے گا اور نبی کا انتقال اس کی تبلیغ سے پہلے ہوجائے گی مگر ایسا نہیں کیا معلوم ہوا یہ حکم ایسا ضروری نہیں تھا جس پر دین و شریعت کا مدار ہو بلکہ بر بناء شفقت کچھ لکھوانا چاہتے تھے اور صحابہ نے قرائن سے اس کو سمجھ لیا اس لئے آپ کے حکم کی مخالفت کی ہے۔

(۲) حضور ﷺ نے محض اپنے صحابہ کا امتحان لینے کے لئے یہ فرمایا تھا کہ قلم کاغذ لاؤ تاکہ میں ایک ایسی ضروری تحریر لکھوادوں جس کے بعد لوگ گمراہ نہیں ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آیتِ کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے قرینہ سے سمجھ گئے کہ آپ ﷺ ہمارا امتحان لے رہے ہیں ورنہ آپ ﷺ کا یہ حکم آیت کے خلاف ہونا لازم آئے گا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی ہے۔

ضلال کے معنیٰ: (۱) دینی امر میں بے تدبیری (۲) دنیاوی مسائل میں بے تدبیری جیسا کہ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ میں ہے (۳) مفصل دستور العمل سے ناواقفیت کے وقت بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی (۴) غلط کے معنیٰ میں جیسا کہ وَمَا کَیْدُ الْکَافِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلَالٍ (۵) بے فائدہ کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے کقولہٖ تعالیٰ وَمَا دُعَآءُ الْکَافِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلَالٍ. (۶) بے حقیقت کے معنیٰ میں بھی

استعمال ہوتا ہے۔ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيْدُ (۷) گمراہی کے معنیٰ میں کقولہ تعالیٰ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔

(ہ):

فخرج ابن عباس رضی اللہ عنہ مدتوں کے بعد ایک دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو عبید اللہ تابعی سے بیان کرتے وقت حسرت کے ساتھ یہ کہتے ہوئے ان الرزیۃ کل الرزیۃ اپنے گھر سے باہر نکلے راوی نے اس کو ایک جگہ بیان کر دیا جس سے وہم پیدا ہو گیا کہ شاید ابن عباس اس جگہ موجود تھے حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/۴۰۹)

سوال: ۲۶، صفحہ: ۲۲

بَابُ الْعِلْمِ وَالْعِظَةِ بِاللَّيْلِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتِ اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ أَيْقِظُوا صَوَاحِبَاتِ الْحُجَرِ. فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الآخِرَةِ.

(۱۴۰۹ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ترجمۃ الباب کا مقصد بیان کر کے حدیث سے ترجمۃ الباب کو ثابت کیجئے۔

(ج) فتن وخزائن سے کیا مراد ہے؟

(د) بیدار ہونے کے بعد تسبیح کرنے کا کیا مطلب ہے علم وعظہ کی الگ الگ وضاحت کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: رات میں علمی باتیں اور نصیحت کرنا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک

رات نبی ﷺ بیدار ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پاک ہیں آج رات کتنے فتنے اُتارے گئے اور کتنے خزانوں کے دروازے کھولے گئے کمرے والیوں (ازواج مطہرات) کو بیدار کرو۔ بہت سی عورتیں دنیا میں کپڑے پہننے والی آخرت میں ننگی ہوں گی۔

(ب):

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری کا مقصد:

گزشتہ باب کا حاصل یہ تھا کہ علم کو لکھ کر محفوظ کرلو اور اب یہ باب باندھ کر یہ بتانا مقصد ہے کہ دن تو پڑھنے کے لئے ہے ہی، رات میں بھی پڑھو پھر چاہے رات کے شروع میں سو جاؤ پھر اُٹھ کر پڑھو، صبح کے وقت ذہن تازہ ہوتا ہے اس وقت کا مطالعہ بہت مفید ہوتا ہے اگر چاہو تو رات کے شروع میں پڑھو پھر سو جاؤ اکثر لوگوں کے لئے یہی آسان ہے اس لئے اگلا باب لائیں گے باب السمر بالعلم سمر کے معنیٰ ہیں رات میں سونے سے پہلے باتیں کرنا پس سونے سے پہلے پڑھنا پڑھانا بھی سمر ہے۔

نیز ایک شبہ کا ازالہ مقصد ہے اور وہ یہ ہے کہ ترمذی شریف میں ایک روایت ہے کان النبی ﷺ یکرہ النوم قبل العشاء والحدیث بعدہا اس حدیث سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ تعلیم و تعلّم، وعظ و نصیحت بھی عشاء کے بعد ممنوع ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کر کے اس شبہ کو زائل کر دیا اور بتا دیا دنیاوی بات چیت کے علاوہ خیر بھلائی کی بات اس میں داخل نہیں ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت: یہ ارشاد حضور ﷺ نے رات کے پچھلے حصہ میں بیدار ہونے کے بعد فرمایا ہے پس رات میں سو کر اُٹھنے کے بعد پڑھنے پڑھانے کا ثبوت نکل آیا ہے اور یہی باب کا مدعیٰ ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/ ۲۱۰)

(ج):

فتن سے مراد: وہ عذاب ہے جو بعد میں اُمت پر آنے والے ہیں کیونکہ فتنہ

نزولِ عذاب کا سبب ہے اور خزائن سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کما فی قولہ تعالیٰ: اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ. (۲)قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْ.

(د):

بیدار ہونے کے بعد تسبیح کا مطلب:

آپ ﷺ نے رات میں خواب دیکھا جس سے گھبرا کر اُٹھ گئے اور تعجباً سبحان اللہ کہا ہے اور عرب والے مقامِ تعجب میں اس طرح کے الفاظ استعمال کرتے تھے اور تغیر کے وقت بھی سبحان اللہ بولا کرتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم واجب الوجود ہے جو تغیر سے منزّہ ہے لہٰذا ہر تغیر اللہ کی ذات کے واجب الوجود ہونے کی شاہد و دلیل ہے تو تعجب سے سبحان اللہ کہا جاتا ہے یعنی اللہ پاک ہیں حادث اور متغیر ہونے سے۔

علم کے بارے میں بعض حضرات کا خیال ہے کہ علم اجلی البدیہیات میں سے ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ علم کی ضد جہالت ہے لہٰذا یہ قابلِ تعریف نہیں ہے لیکن اکثر علماء نے اس کی تحدید کی ہے تقریباً ۱۵ اقوال علماء نے بیان کیا ان میں سے زیادہ مشہور دو قول ہیں (۱) میر سید شریف کا ہے هو صفة يتجلى بها المذكور لمن قامت به (۲) علامہ عینی کا ہے هو صفة توجب تمييزا لايحتمل النقيض فى الأمور المعلومات لاالحسيات.

وعظ کی وضاحت: الوعظ هو الدعاء الى مافيه الصلاح والنهى عما فيه الفساد. بھلائی کی طرف بلانا اور برائی سے منع کرنا۔

سوال: ۲۷، صفحہ: ۲۴

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ فَلاَ يَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَلاَ يُوَلِّهَا ظَهْرَهُ. شَرِّقُوا أَوْغَرِّبُوا.

(۱۴۱۲ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیں۔

(ب) استقبالِ قبلہ اور استدبار قبلہ بغائط او بول میں ائمہ کرام کا جو اختلاف ہے اس کو مع ادلہ بیان کیجئے۔

(ج) اور مسلک راجح کو ترجیح دیتے ہوئے بتایئے کہ شرّقوا او غرّبوا کے مخاطب کون لوگ ہیں؟

(د) اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب میں الا عند البناء جدار او نحوہ کا استثناء حدیث مذکور سے کس طرح کرتے ہیں جبکہ حدیث میں استثناء موجود نہیں ہے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نشیبی زمین میں آئے تو قبلہ کی طرف نہ منھ کرے اور نہ پیٹھ بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منھ یا پیٹھ کرے۔

(ب):

استقبال القبلۃ اور استدبار القبلۃ بغائط او بول میں کل سات

مذہب ہیں ہر مذہب مع دلائل مندرجہ ذیل ہے:

(۱) استقبال اور استدبار دونوں علی الاطلاق ناجائز ہیں خواہ کھلی فضا میں ہو یا آبادی میں۔ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

دلیل: عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ ببول ولا غائط ولا تستدبروھا.

وجہِ استدلال: اِس حدیث میں قبلہ کی جانب رُخ اور پشت دونوں کرنے سے منع کیا گیا، نیز جنگل اور آبادی کی کوئی تخصیص نہیں ہے اس لئے دونوں کو عام ہے۔

(۲) داؤد ظاہری، ربیعۃ الرائے اور اصحابِ ظواہر کے نزدیک استقبال و استدبار دونوں مطلقاً جائز ہیں۔

دلیل: (۱) عن جابر رضی اللہ عنہ نہی نبی اللہ ﷺ ان نستقبل القبلۃ ببول فرأیتہ قبل ان یقبض بعام یستقبلہا.

وجہِ استدلال: اس حدیث سے صحراء میں پیشاب کرتے وقت استقبال کا جواز ثابت ہوا پس وہی حکم استدبار کا بھی ہوگا۔

(۲) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال ارتقیت یوما علی بیت حفصۃ فرأیت النبی ﷺ علی حاجتہ مستقبل الشام مستدبر الکعبۃ.

وجہِ استدلال: اس روایت سے بنیان میں استدبار کا جواز ثابت ہوا پس وہی حکم استقبال کا بھی ہوگا پس جب دونوں حدیثوں سے دونوں کا جواز مطلقاً ثابت ہوگیا تو ممانعت کی روایتیں منسوخ ہوگئیں۔

(۳) امام شافعی اور مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں باتیں بنیان میں جائز ہیں اور صحراء میں ناجائز۔

دلیل: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال ارتقیت یوما علی بیت حفصۃ فرأیت النبی ﷺ علی حاجتہ مستقبل الشام مستدبر الکعبۃ.

وجہِ استدلال: اس روایت سے بنیان میں استدبار کا جواز ثابت ہوتا ہے اور امام مالک اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ استقبال کو اس پر قیاس کرتے ہیں۔

(۲) عن عائشۃ قالت ذکر عند رسول اللہ ﷺ قوم یکرھون ان یستقبلوا

بفروجهم القلبة فقال اراهم قد فعلوها استقبلوا بمقعدتی القلبة.

وجہِ استدلال: نیز اس حدیث سے بھی بنیان میں استقبال ثابت ہوتا ہے۔

(۴) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استقبال بہرصورت ناجائز اور استدبار بہرصورت جائز۔

دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور صحراء میں استدبار کو بنیان میں استدبار پر قیاس کیا ہے۔

(۵) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استقبال بہرصورت ناجائز اور استدبار آبادی میں جائز اور صحراء میں ناجائز ہے۔

دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے۔

(٦) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استدبار مطلقاً جائز ہے اور استقبال صرف بنیان میں جائز ہے صحراء میں جائز نہیں۔

دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔

(۷) حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیت اللہ کی طرح بیت المقدس کی طرف بھی دونوں مطلقاً مکروہ ہیں۔

دلیل: عن معقل بن ابی معقل الاسدی رضی اللہ عنہ قال نهی رسول الله ﷺ ان نستقبل القبلتين ببول اوغائط.

وجہِ استدلال: اسی حدیث میں بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں کی طرف استقبال واستدبار کو منع کیا گیا ہے۔

(ج):

مسلکِ احناف متعدد وجوہ سے راجح ہے اور اس کی وجہ ترجیح حدیث ابوایوب کی ترجیح پر موقوف ہے اور حدیث ابوایوب الانصاری متعدد وجوہ سے راجح ہے۔

(۱) یہ حدیث بالاتفاق اصح ما فی الباب ہے۔

(۲) اور یہ روایت ایک قانون کلی کی حیثیت رکھتی ہے اس کے مقابلہ میں تمام دوسری روایات واقعات جزئیہ ہیں اور حنفیہ قانون کلی کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۳) حضرت ابوایوب الانصاری کی روایت قولی ہے اور مخالف کی روایتیں فعلی ہیں اور قاعدہ ہے کہ فعلی کے مقابلہ میں قولی کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۴) ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کی روایت محرم ہے اور مخالف کی روایتیں مبیح ہیں اور قاعدہ ہے محرم مبیح میں تعارض کے وقت محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۵) یہ روایت قیاس کے بھی مطابق ہے کیونکہ روایت میں ہے: من تفل تجاہ القبلة جاء یوم القیامة وتفله بین عینیه جب تھوکنے کی ممانعت ہے تو قضاء حاجت کے وقت استقبالِ قبلہ کی ممانعت بطریقِ اولیٰ ہوگی۔

شرّقُوا او غرّبُوا کا حکم مدینہ والوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے ہے جو کعبہ سے شمال یا جنوب میں رہتے ہیں اور جو لوگ کعبہ سے مشرق یا مغرب کی جانب رہتے ہیں جیسے ہم مشرق میں ہیں تو ان کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ جنوب یا شمال کی طرف منھ یا پیٹھ کریں۔
(السح المحمود ۱/۲۷، درسِ ترمذی)

(د):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب میں الاعند البناء جدار اونحوہ کا استثناء حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ ارتقیت یوما علی بیت حفصة رضی الله عنها الخ سے کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجیحی مسلک کو بیان کرتے وقت ترجمہ میں عام کو خاص اور خاص کو عام کر کے بیان کرتے ہیں جیسا کہ یہاں حدیث میں عام ہے لیکن باب کو عند البناء سے مقید کیا ہے۔

سوال: ۲۸، صفحہ: ۲۹

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِيْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا.

(۱۴۲۰ھ)

(الف) سورِکلب کی پاکی وناپاکی میں ائمہ کرام کا کیا اختلاف ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کس کے ساتھ ہیں اس مسئلہ میں ہر ایک کے مسلک کو مدلل تحریر فرمایئے۔

(ب) نیز بتایئے کہ جو حضرات ناپاکی کے قائل ہیں ان کے نزدیک کتنی بار دھونے سے برتن پاک ہوجاتا ہے۔

(ج) حدیث مذکور احناف کے موافق ہے یا مخالف اگر مخالف ہے تو احناف حدیث پاک کا کیا جواب دیتے ہیں۔

الجواب:

(الف):

اختلاف الائمۃ فی سور الکلب:

جاننا چاہیے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمہا اللہ کے نزدیک کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سورِکلب پاک ہے۔

دلیل الجمہور: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ طھور اناء احدکم اذا ولغ الکلب فیہ ان یغسلہ سبع مرات.

وجہِ استدلال: لفظ طہور جو نجاست کی ضد ہے صاف بتلا رہا ہے کہ برتن دھونے کا حکم تطہیر کے لئے ہے معلوم ہوا کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔

دلیل الامام مالک: (۱) قولہ تعالیٰ: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا.

وجہ الاستدلال: لایباح الانتفاع الا بالطاہر فھٰذہ الآیۃ تدل علی ان سؤر الکلب طاہر.

(۲) قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ.

(۳) وكذا الاحاديث التى فيه ان الاصطياد بالكلب جائز يدل ايضًا على ان سؤر الكلب طاهر والالما اجاز الصيد بالكلب.

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔

(ب):

جو حضرات ناپاکی کے قائل ہیں ان میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجاتا ہے۔

دلیل: (۱) عن عطاء عن ابی هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ اذا ولغ الكلب فى اناء احدكم فليهرقه وليغسله ثلاث مرات.

(۲) وكذا ايضًا فتواه اذا ولغ الكلب فى الاناء فاهرقه ثم اغسله ثلاث مرات.

(۲) اور امام شافعی واحمد رحمہما اللہ کے نزدیک سات مرتبہ دھونے سے برتن پاک ہوجاتا ہے۔

دلیل: عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ طهور اناء احدكم اذا ولغ الكلب فيه ان يغسله سبع مرّات.

(ج):

مذکورہ حدیث احناف کے مخالف ہے احناف کی طرف سے اس حدیث کا جواب:

(۱) حدیثِ مذکورہ میں سات مرتبہ دھونے کا حکم وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ استحباب کے لئے ہے کیونکہ اس حدیث کے راوی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خود ان کا فتویٰ اور عمل اس حدیث کے خلاف ہے، جو اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ سات مرتبہ کا حکم استحباب کے لئے ہے ورنہ خود راوی اس پر عمل کرتے اور اس کے خلاف فتویٰ نہ دیتے۔

(۲) اس حدیث کے متن میں سخت اضطراب ہے بعض روایت میں اَوْلٰهُنَّ بِالتُّراب اور بعض میں اخراھن بالتراب اور بعض میں السابعة بالتراب اور بعض میں عفروہ الثامنة بالتراب ہے۔

اتنے سخت اضطراب ہوتے ہوئے استدلال ناممکن ہے۔

(۳) یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کتوں کے معاملہ سختی کی جارہی تھی بعد میں یہ سختی اُٹھالی گئی جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔

(۴) نیز قیاس سے بھی مسلکِ احناف کی تائید ہوتی ہے کیونکہ دوسری نجاستیں جو غلیظ ہیں اور ان کی نجاست قطعی دلائل سے ثابت ہیں اور اس میں استقذار بھی زیادہ ہے جیسے بول و براز وہ بھی تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجاتا ہے حتیٰ کہ خود کلب کے بول و براز بھی تو سورِ کلب جس کی نجاست نہ غلیظ نہ قطعی اور نہ بول و براز سے زیادہ مستقذر اس میں تسبیع کا حکم کیسے معقول ہوسکتا ہے۔ (السحح المحمود ا ر ۲۳۲۔درسِ ترمذی)

سوال: ۲۹، صفحہ: ۳۴

بَاب مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْ لَحْمِ الشَّاةِ وَالسَّوِيقِ. وَأَكَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ لَحْمًا فَلَمْ يَتَوَضَّئُوا.

ثُمَّ ذَكَرَ حَدِيْثُ ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ كَتْفِ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

(۱۴۲۹ھ)

(الف) لحم شاۃ وسویق کے استعمال سے نقض وضوء کے بارے میں ائمہ کرام کے مذاہب نقل کرکے اس مسئلہ کی تفصیل مدلّل لکھیں۔

(ب) اور خود حدیث میں موجود کہ آپ ﷺ اس کے استعمال کے بعد وضوء نہیں فرمایا تو ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے عمل کو نقل کرنے کی وجہ تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

لحمِ شاۃ وسویق کے استعمال سے نقضِ وضوء کے بارے میں اب اجماع ہے کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا دورِ اوّل میں اس مسئلہ میں اختلاف تھا اس میں دو فریق تھے۔

(۱) حضرت ابوہریرہ، زید بن ثابت اور ابن عمر رضی اللہ عنہم اور حسن بصری، زہری، ابوقلابہ، ابومجلز، عمر بن عبدالعزیز وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ مامسّت النار کی مزاولت سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

دلیل: (۱) عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ توضؤ مما مست النار ولو من ثور أقط فقال ابن عباس يا اباهريرة فانا ندهن بالدهن وقد سخن بالنار ونتوضأ بالماء وقد سخن بالنار فقال يا ابن اخی اذا سمعت الحديث من رسول الله ﷺ فلا تضرب له الامثال.

(۲) عن زيد بن ثابت عن رسول الله ﷺ قال توضئوا مما غيرت النار.

(۳) جمہور فقہاء ومحدثین کے نزدیک مما مست النار کی مزاولت سے وضوء نہیں ٹوٹتا ہے۔

دلیل: (۱) عن ابن عباس رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ اكل كتف شاة ثم صلّی فلم يتوضأ.

(۲) عن جابر رضی الله قال كان آخر الامرين من رسول الله ﷺ ترك الوضوء مما مسّت النار. (درسِ ترمذی۔ اسح المحمود ۱/ ۴۵۲)

(ب):

حدیث موجود ہوتے ہوئے صحابہ کرام کے عمل سے استدلال کرنے کی وجہ:

خود حدیث میں موجود ہے کہ آپ ﷺ اس کے استعمال کے بعد وضوء نہیں کیا پھر ابوبکر، عمر وعثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل اس بات پر استدلال کرنے کے لئے لایا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ عمل منسوخ نہیں ہوا بلکہ اب بھی باقی ہے ورنہ صحابہ کرام اس پر عمل نہیں کرتے بعد میں صحابہ کرام کا اس پر عمل کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل ابھی باقی ہے منسوخ نہیں ہوا نیز صحابہ کرام کا عمل لاکر اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ سے دونوں طرح کا عمل منقول ہے لیکن آخر العمل مما مست النار کی مزاولت کی وجہ ترکِ وضوء ہے اس لئے صحابہ ترکِ وضوء پر عمل کیا ہے۔

سوال: ۳۰، صفحہ: ۳۴

بَابُ مِنَ الْكَبَائِرِ أَنْ لاَ يَسْتَتِرَ مِنْ بَوْلِهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ أَوْ مَكَّةَ، فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ ثُمَّ قَالَ بَلَى، كَانَ أَحَدُهُمَا لاَ يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَكَانَ الآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ ثُمَّ دَعَا بِجَرِيدَةٍ فَكَسَرَهَا كِسْرَتَيْنِ، فَوَضَعَ عَلَى كُلِّ قَبْرٍ مِنْهُمَا كِسْرَةً. فَقِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ لِمَ فَعَلْتَ هَذَا قَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ تَيْبَسَا أَوْ إِلَى أَنْ يَيْبَسَ.

(۱۴۲۶ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مقصدِ باب متعین کر کے اس باب کو کتاب الوضوء میں منعقد کرنے کی وجہ تحریر کریں۔

(ج) کیا اس حدیث سے قبروں پر پھول ڈالنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: اپنے پیشاب سے احتراز نہ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں نبی ﷺ مکہ یا مدینہ کے باغوں میں سے ایک باغ سے گزرے آپ ﷺ نے دو انسانوں کی آواز سنی جو اپنی قبروں میں عذاب دیئے جا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ دونوں قبر والے عذاب دیئے جا رہے ہیں اور کسی اہم معاملے میں عذاب نہیں دیئے جا رہے بلکہ معمولی بات میں عذاب دیئے جا رہے ہیں پھر فرمایا کیوں نہیں۔ (اہم معاملہ میں عذاب دیئے جا رہے ہیں) ان میں سے ایک اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلیاں کھاتا تھا، پھر آپ ﷺ نے کھجور کی ایک شاخ منگوائی اور چیر کر اس کے دو ٹکڑے کئے اور ہر قبر پر ایک ٹہنی گاڑی آپ ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ یعنی قبر پر ٹہنیاں گاڑنے کا کیا مقصد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے جب تک ٹہنیاں خشک نہ ہوں۔

(ب):

باب کا مقصد پیشاب کے قطروں سے بچنے کی تاکید کرنا ہے۔

اس باب کو کتاب الوضوء میں منعقد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ابوابِ سابقہ میں احداث یعنی نواقضِ وضوء کا بیان تھا اب اس باب کو منعقد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پیشاب نواقضِ وضوء ہونے کے ساتھ ساتھ خود ناپاک بھی ہے اس سے بدن اور کپڑے کی حفاظت ضروری ہے، کیونکہ طہارت موقوف علیہ ہے بہت سی عبادات کے لئے خصوصاً اعظم فرائض کے لئے پھر فی حد ذاتہٖ مطلوب چیز ہے۔

(ج):

اس حدیث سے قبروں پر پھول ڈالنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا ہے بعض لوگوں نے اس حدیث سے پھول چڑھانے کے جواز پر استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال بالکل باطل اور غلط ہے کیونکہ قبر پر پھول چڑھانا حرام ہے، چڑھانا بندگی ہے اور غیر اللہ کی کسی بھی درجہ میں بندگی شرک ہے ہاں قبر پر پھول پتّے اور گھاس وغیرہ رکھنا جائز ہے۔

سوال:۳۱، صفحہ:۳۵

عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَأَجْلَسَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حِجْرِهِ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ.

(۱۴۱۱-۱۴۱۹ھ)

(الف) حدیث پاک پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے۔

(ب) بولِ صبی میں ائمہ کرام کا جو اختلاف ہو اس کو مدلل مفصل تحریر فرما کر راجح مسلک کو ترجیح دیجئے۔

(ج) بولِ غلام اور بولِ جاریہ کے درمیان حکم میں فرق کی وجوہ تحریر فرمائیے۔

الجواب:

(ب):

ترجمہ: حضرت امِ قیس بنتِ محصن رضی اللہ عنہا کہتی ہیں وہ اپنا چھوٹا بچہ جو ابھی باہر کی غذا نہیں لیتا تھا لے کر نبی پاک ﷺ کے پاس آئیں آپ ﷺ نے اس کو اپنی گود میں بٹھالیا، اس نے آپ ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور اس پر چھڑک دیا، کپڑا دھویا نہیں۔

(ب):

بولِ صبی میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ وہ پاک ہے یا ناپاک اس میں دو مذہب ہیں:

(۱) داؤد ظاہری کے نزدیک پاک ہے۔

(۲) اور جمہور کے نزدیک بالاتفاق بولِ صبی ناپاک ہے البتہ طریقۂ تطہیر میں اختلاف ہے اس میں بھی دو مذہب ہیں۔

(۱) امام شافعی اور امام احمد رحمہا اللہ کے نزدیک لڑکی کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے اور لڑکے کے پیشاب پر چھینٹا دینا کافی ہے۔

دلیل: (۱) عن ام قیس بنت محصن رضی الله عنها انها اتت بابن لها صغير لم يأكل الطعام الى رسول الله ﷺ فاجلسه رسول الله ﷺ فی حجره فبال على ثوبه فدعا بماء فنضحه ولم يغسله.

(۲) عن علی رضی الله عنه عن رسول الله ﷺ انه قال فی الرضيع يغسل بول الجارية وينضح عن بول الغلام.

(۲) اور امام اعظم اور امام مالک رحمہا اللہ کے نزدیک دونوں کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے۔ پھر امام مالک فرماتے ہیں دونوں میں غسل بالغ ضروری ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لڑکی کے پیشاب کو اچھی طرح دھونا ضروری ہے اور لڑکے کے پیشاب میں غسل خفیف کافی ہے۔

دلیل: (۱) عن عائشة رضی الله عنها قالت كان رسول الله ﷺ يؤتى بالصبيان فيدعولهم فاتى بصبى مرة فبال عليه فقال صبوا عليها الماء صبا.

(۲) عن ابی لیلی رضی الله عنه قال كنت عند رسول الله ﷺ فجیئ بالحسن رضی الله عنه فبال عليه فاراد القوم ان يعجلوه فقال ابنی ابنی فلما فرغ من بوله صب عليه الماء.

(۳) عن الحسن انه قال بول الجارية يغسل غسلا وبول الغلام يتبع بالماء.

وجہِ استدلال: یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ لڑکے کے پیشاب کو بھی دھونا ضروری ہے۔

مسلکِ احناف راجح ہے

وجوہِ ترجیح: شوافع اور حنابلہ کے استدلال میں مذکورہ احادیث میں رَش اور نضح کے الفاظ آئے ہیں اس کو امام شافعی نے خود بھی بعض مقامات پر نضح کو غسل خفیف کے معنیٰ میں لیا ہے مثلاً ایک روایت میں ہے: ان تأخذ كفا من ماء فتنضح به ثوبك حيث ترى انه اصاب منه.

امام شافعی فرماتے ہیں: لا يجزى الا الغسل.

اور دوسری جگہ ارشاد ہے: قوله ﷺ وانضح فرجك شوافع اس کے معنیٰ اغسله سے کرتے ہیں لہٰذا مذکورہ تقریر سے معلوم ہوا کہ شوافع کا مسلک مرجوح اور احناف کا مسلک راجح ہے اس لئے کہ تمام روایات پر عمل کے لئے ضروری واحوط یہی ہے کہ نضح اور رَش کے معنیٰ غسل خفیف سے کیا جائے، یہی احناف کہتے ہیں۔

نیز طحاوی کی یہ روایت نضح کے معنیٰ غسل پر صریح ہے کہ انی لاعرف مدينة ينضح البحر بجانبها. میں ایک شہر جانتا ہوں جس کے ساحل سے سمندر ٹکراتا ہے۔ اس حدیث میں بھی نضح کے معنیٰ چھڑکنے کے نہیں ہوسکتے بلکہ غسل ہی کے معنیٰ میں ہے۔

(درسِ ترمذی۔ السح المحمود ا/۲۵۵۔ طحاوی شریف)

(ج):

بولِ غلام اور بولِ جاریہ کے درمیان فرق کے وجوہ میں سے یہ ہیں:

(۱) لڑکی کے مزاج میں برودت ہوتی ہے اس لئے اس کے پیشاب میں عفونت ہوتی ہے پس اس کے پیشاب کو مبالغہ کے ساتھ دھونا ضروری ہے ورنہ کپڑا پاک ہونے

کے بعد بھی بدبورہ جائے گی اور لڑکے کے مزاج میں حرارت ہوتی ہے اس لئے اس کے پیشاب میں عفونت کم ہوتی ہے اس لئے اس میں غسل خفیف بھی کافی ہے۔

(۲) لڑکے کے پیشاب کا مخرج تنگ ہوتا ہے اس لئے پیشاب ایک جگہ گرتا ہے اورلڑکی کا مخرج کشادہ ہوتا ہے اس لئے پیشاب کپڑے پر بکھر جاتا ہے پس لڑکے کے پیشاب پرتو پانی ریڑھا جاسکتا ہے اورلڑکی کے پیشاب میں پورا کپڑا دھونا ضروری ہے۔

(۳) لڑکوں میں ابتلاء عام ہے مرد اس کو اٹھائے اُٹھائے پھرتے ہیں اورلڑکی کی یہ صورت نہیں اس لئے شریعت نے لڑکے کے پیشاب میں تخفیف کی اورلڑکی کے پیشاب میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے۔

(درسِ ترمذی۔طحاوی۔تحفۃ القاری ۱/۵۵۶)

سوال: ۳۲، صفحہ: ۳۵

بَابُ الْبَوْلِ قَائِمًا وَقَاعِدًا قَالَ حُذَيْفَةُ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ اَتَى النَّبِىُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَجِئْتُهُ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ.

(۱۴۳۳ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کی شرعی حیثیت یکساں ہے یا مختلف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کیا رائے ہے۔

(ج) نبی علیہ ﷺ کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا کس مقصد سے تھا؟ مناسب توجیہ کریں۔

(د) اور بتائیں کہ پیشاب کرنے کے لئے کُوڑی کا انتخاب کیوں کیا؟ کیا یہ اتفاقی امر تھا بوضاحت قلمبند کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر پیشاب کرنا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی ﷺ ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لے گئے اور کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا پھر پانی منگوایا میں آپ ﷺ کے پاس پانی لے کر آیا پس آپ ﷺ نے وضو فرمایا۔

(ب):

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی شرعی حیثیت کے سلسلہ میں فقہاء کا تھوڑا سا اختلاف ہے:

(۱) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کو علی الاطلاق جائز کہتے ہیں۔

(۲) بعض اہلِ ظاہر اس کی حرمت کے قائل ہیں۔

(۳) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ چھینٹے اُڑنے کا اندیشہ نہ ہو ورنہ مکروہ ہے۔

(۴) اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(البتہ حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا چونکہ یہ ہمارے زمانہ میں غیر مسلموں کا شعار بن چکا ہے اس لئے اس کی شناعت بڑھ گئی کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: من تشبہ بقوم فھو منھم)۔

البتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کی شرعی حیثیت یکساں ہے اس لئے انہوں نے باب قائم کیا ہے: باب البول قائما وقاعدا اور حدیث الباب سے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا جواز ثابت کیا اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کا جواز بطریقِ اولیٰ کے طور پر ثابت کیا ہے۔

(ج):

آپ ﷺ کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی توجیہ:

جاننا چاہئے کہ آپ ﷺ کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی متعدد توجیہ کی گئیں اُن میں سے دو توجیہ اولیٰ اور بہتر ہیں۔

(۱) آپ ﷺ کے گھٹنے میں اس وقت تکلیف تھی جس کی وجہ سے بیٹھنا مشکل تھا اس کی تائید حاکم اور بیہقی کی ایک روایت سے ہوتی ہے جس میں بال قائما کے ساتھ لوجع کان فی مابضہ کے الفاظ موجود ہیں۔

(۲) آپ ﷺ نے یہ عمل بیان جواز کے لئے کیا تھا یعنی مسئلہ کی وضاحت کے لئے کیا تھا اس کی دلیل جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پانی رکھ کر جانے لگے تو آپ ﷺ نے اُن کو روک لیا تھا تا کہ آپ ﷺ کا یہ عمل ان کے علم میں آئے اور امت تک وہ اس عمل کو پہنچائیں اور امت بھی حالتِ عذر میں اس پر عمل کر سکیں۔ (تحفۃ القاری ۱/۵۵۹)

(د):

رسولِ کریم ﷺ نے کوڑی کا انتخاب اِس لئے کیا تھا کہ یہ مقام نرم ہوتا ہے بمقابلہ دوسرے مواضع کے اور اس میں چھینٹیں اُڑنے کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے۔

سوال: ۳۳، صفحہ: ۳۷

بَاب إِذَا أُلْقِيَ عَلَى ظَهْرِ الْمُصَلِّي قَذَرٌ أَوْ جِيفَةٌ لَمْ تَفْسُدْ عَلَيْهِ صَلَاتُهُ. وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا رَأَى فِي ثَوْبِهِ دَمًا وَهُوَ يُصَلِّي وَضَعَهُ وَمَضَى فِي صَلَاتِهِ. وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَالشَّعْبِيُّ إِذَا صَلَّى وَفِي ثَوْبِهِ دَمٌ أَوْ جَنَابَةٌ أَوْ لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ أَوْ تَيَمَّمَ. فَصَلَّى ثُمَّ أَدْرَكَ الْمَاءَ فِي وَقْتِهِ. لَا يُعِيدُ.

(۱۴۲۳ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب تحریر کریں۔
(ب) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ترجمۃ الباب سے کیا ہے؟
(ج) ترجمۃ الباب میں مذکورہ مسئلہ اگر احناف کے خلاف ہے تو احناف کیا جواب دیتے ہیں مدلل تحریر کیجئے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ و مطلب: نمازی پر گندگی یا مردار ڈالا جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نماز کے اندر اپنے کپڑے پر خون دیکھا تو اس کپڑے کو الگ کر دیا اور نماز جاری رکھی یعنی پہلے ان کے علم میں نہیں تھا کہ کپڑے پر خون لگا ہوا ہے نماز کے دوران خون پر نظر پڑی تو کپڑا اُتار کر ایک طرف رکھ دیا اور نماز جاری رکھی۔ حضرت سعید بن المسیب اور عامر شعبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب کسی شخص نے نماز پڑھی اس حال میں کہ اس کے کپڑے پر خون تھا یا منی تھی یا غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی یا تیمم کر کے نماز پڑھی پھر وقت کے اندر پانی مل گیا تو نماز صحیح ہے اس کا اعادہ واجب نہیں ہے یعنی لاعلمی میں ناپاک کپڑے میں یا غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی تو نماز صحیح ہے غلطی پر مطلع ہونے کے بعد اس کا اعادہ واجب نہیں خواہ وقت کے اندر غلطی پر مطلع ہوا ہو یا وقت گزرنے کے بعد اسی طرح پانی نہیں تھا تیمم کر کے نماز پڑھی پھر وقت کے اندر یا بعد میں پانی مل گیا تو بھی نماز کا اعادہ واجب نہیں۔

(ب):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمۃ الباب سے ابتدائے صلوٰۃ اور بقائے صلوٰۃ میں فرق کرنا ہے یعنی اگر نمازی کو کپڑے پر یا بدن پر ناپاکی کا علم ہے تو اس کے ساتھ نماز شروع کرنا صحیح نہیں ہے اور نماز کے اندر ناپاکی کا علم ہو تو فوراً ناپاک چیز بدن سے علیحدہ

کردے اور نماز پڑھتا رہے نماز صحیح ہوگی۔ (فلیراجع للتفصیل: تحفۃ القاری ۱/۵۷۶)

(ج):

جاننا چاہئے کہ ترجمۃ الباب میں مذکورہ مسئلہ مسلکِ احناف کے خلاف ہے احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ:

(۱) حضرت ابن عمر کے کپڑے پر جو خون تھا وہ پہلے سے تھا اور حضرت کے علم میں نہیں تھا اس کا بھی احتمال ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ نماز شروع کرنے کے بعد وہ خون نکلا اور کپڑے پر لگا اور وہ دمِ غیر مسفوح تھا پس نہ وضو ٹوٹا اور نہ نماز اس لئے ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز پڑھتے رہے اور خون آلود کپڑا ایک طرف رکھ دیا۔

(۲) اصل جواب یہ ہے کہ وہ خون درہم کے بقدر تھا یا کم یا زیادہ یہ بات معلوم نہیں لہٰذا اس سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ خون درہم کے بقدر اور اس سے کم ہونے کی صورت میں احناف کے نزدیک بھی نماز صحیح ہے۔

(۲) غیر قبلہ کی طرف پڑھی ہوئی نماز احناف کے نزدیک بھی صحیح ہے جبکہ تحری کرکے پڑھے اور تیمم میں احناف کا قول اُن کے مانند ہے البتہ اگر کپڑے پر خون یا منی تھی اور لاعلمی میں نماز پڑھی تو اگر نجاست ایک درہم سے زیادہ تھی تو اس نماز کا اعادہ واجب ہے اور درہم کے بقدر تھی تو وقت میں اعادہ واجب اور وقت گزر جانے کے بعد مستحب اور کم تھی تو اعادہ واجب نہیں۔

نیز سعید ابن المسیب اور عامر شعبی تابعی ہیں اور امام اعظم بھی تابعی ہیں ان کے قول امام اعظم پر حجت نہیں۔

(۳) آیتِ کریمہ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ جس سے طہارتِ ثیاب کے شرط ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے یہ آیت حدیث میں مذکور واقعہ کے بعد نازل ہوئی ہے مطلب یہ ہوا کہ طہارت کا واقعہ اس واقعہ کے بعد ہے اس سے پہلے طہارت ضروری نہیں تھی۔ واللہ اعلم بالصواب (تحفۃ القاری ۱/۵۷۸)

سوال: ۴۳، صفحہ: ۳۸

بَابُ لَا يَجُوْزُ الْوُضُوْءَ بِالنَّبِيْذِ وَلَا بِالْمُسْكِرِ وَ كَرِهَهُ الْحَسَنُ وَاَبُو الْعَالِيَة وَقَالَ عَطَاء التَّيَمُّمُ اَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الْوُضُوْءِ بِالنَّبِيْذِ وَاللَّبَنِ ثُمَّ ذَكَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ.

(۱۴۳۱ھ)

(الف) نبیذ سے وضوء کے جواز و عدمِ جواز میں کیا اختلاف ہے اور کس چیز کی نبیذ میں اختلاف ہے؟ امام اعظم کے اس سلسلہ میں کیا کیا اقوال ہیں اختلافِ اقوال کی وجہ کیا ہے پہلے قول کی دلیل کیا ہے آخری قول کی دلیل کیا ہے اور وجہ رجوع کیا ہے؟

(ب) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نبیذ کے ساتھ مسکر کیوں لائے **ہیں اور باب** میں مذکور آثار سے امام بخاری کی کیا رائے مترشح ہوتی ہے۔

الجواب:

(الف):

تمام ائمہ متفق ہیں کہ کھجور کے علاوہ کسی دوسری چیز کی نبیذ سے وضوء جائز نہیں اسی طرح کھجور کی وہ نبیذ جو گاڑھی ہوگئی ہو اور اس میں نشہ پیدا ہوگیا ہو یا وہ پکالی گئی ہو اس سے بھی وضو جائز نہیں اور یہ اجماعی مسئلہ ہے البتہ کھجور کی وہ نبیذ جس میں کھجور کا اثر ظاہر ہوگیا ہو یعنی پانی میٹھا ہوگیا ہو مگر ابھی رقیق وسیال ہو اور اس کو پکایا بھی نہ گیا ہو تو اس سے وضوء کے جواز و عدمِ جواز کے بارے میں پہلے اختلاف تھا اس میں دو مذہب تھے۔

(۱) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس نبیذ سے وضو ضروری قرار دیتے تھے ایسی نبیذ کی موجودگی میں ان کے نزدیک تیمم جائز نہیں تھا۔

(۲) ائمہ ثلاثہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس سے وضوء جائز نہیں یہاں تک کہ اگر

دوسرا پانی موجود نہ ہو تو تیمم متعین ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس سلسلہ میں چار اقوال ہیں: (۱) اس نبیذ سے وضو ضروری ہے تیمم جائز نہیں۔

(۲) وضو اور تیمم کو جمع کرے اور یہ جمع کرنا مستحب ہے (یہی حضرت اسحاق کا بھی قول ہے)۔

(۳) دونوں کو جمع کرے اور جمع کرنا واجب ہے (امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے)۔

(۴) ائمہ ثلاثہ کے قول کے مطابق ہے یعنی اس سے وضو جائز نہیں تیمم کرے (اسی پر فتویٰ ہے)۔

اختلافِ اقوال کی وجہ: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حدیث ابن مسعود کی بنا پر پہلا قول اختیار فرمایا ہے، مگر بعد میں شک پیدا ہوا کہ نبیذ تیار ہوئی تھی یا نہیں؟ نبی ﷺ کے ارشاد تمرۃ طیبۃ وماء طھور سے پتہ چلتا ہے ابھی کھجور کھجور ہے اور پانی پانی ہے کھجور کا اثر ابھی پانی میں نہیں پہنچا اس لئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرا قول اختیار کیا اور وضو تیمم کو استحباباً جمع کرنے کا حکم دیا، پھر یہ شک قوی ہوا تو دونوں کو وجوباً جمع کرنے کے لئے فرمایا پھر شک یقین سے بدل گیا کہ ابھی نبیذ تیار نہیں ہوئی تھی اس لئے چوتھا قول اختیار کیا۔

پہلے قول کی دلیل: عن ابن مسعودؓ قال سألني النبي ﷺ (ليلة الجن) ما في اداوتك فقلت نبيذ فقال تمرة طيبة وماء طهور قال فتوضأ منه. (ترمذی)

آخری قول کی دلیل: قوله تعالیٰ: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا.

وجہِ رجوع: پھر جب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو نبیذ کے بارے میں شک یقین سے بدل گیا کہ ابھی نبیذ تیار نہیں ہوئی تھی تو اپنے پہلے اقوال سے رجوع فرمالیا۔

(ب):

باب میں مذکور آثار سے امام بخاری کی یہ رائے مترشح ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک کسی بھی نبیذ سے وضو جائز نہیں مگر چونکہ حضرت کے پاس عدمِ جواز کی کوئی دلیل بھی نہیں اس لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مسکر کا سہارا لیا باب میں اس کا اضافہ کیا ہے تا کہ اس کے ذریعہ نبیذ سے وضوء کے عدمِ جواز پر استدلال کریں۔

(فلیراجع للتفصیل: تحفۃ القاری ۱/ ۵۸۲)

سوال: ۳۵، صفحہ: ۴۱

بَابُ إِذَا ذَكَرَ فِي الْمَسْجِدِ أَنَّهُ جُنُبٌ يَخْرُجُ كَمَا هُوَ وَلاَ يَتَيَمَّمُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أُقِيمَتِ الصَّلاَةُ، وَعُدِّلَتِ الصُّفُوفُ قِيَامًا، فَخَرَجَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ فِي مُصَلاَّهُ ذَكَرَ أَنَّهُ جُنُبٌ فَقَالَ لَنَا مَكَانَكُمْ ثُمَّ رَجَعَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ، فَكَبَّرَ فَصَلَّيْنَا مَعَهُ. تَابَعَهُ عَبْدُ الأَعْلَى عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ. وَرَوَاهُ الأَوْزَاعِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

(۱۴۲۷ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ ومطلب لکھیں۔

(ب) مسئلہ مذکورہ فی الباب میں اگر ائمہ کا اختلاف ہے تو اس کو واضح فرما کر ہر ایک کی دلیل ذکر فرمایئے اور امام بخاری کے مسلک کو ذکر کر کے راجح کو ترجیح دیجئے۔

(ج) اقامت اور افتتاحِ صلوٰۃ کے درمیان حدیث پاک سے وقفہ طویل معلوم ہوتا ہے کیا اس طرح کا وقفہ جائز ہے جواب دیجئے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ ومطلب: جب مسجد میں یاد آیا کہ وہ جنبی ہے تو اسی حال میں نکل جائے اور تیمم نہ کرے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نماز کے لئے اقامت کہی گئی اور صفیں بالکل سیدھی کرلی گئیں پس نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جب آپ ﷺ اپنی نماز کی جگہ میں کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ کو یاد آیا کہ آپ ﷺ جنبی ہیں آپ نے ہم سے فرمایا اپنی جگہ رہو (یعنی مسجد ہی میں رہو کھڑے رہنا ضروری نہیں) پھر آپ ﷺ لوٹ گئے اور غسل فرما کر ہمارے پاس آئے اس حال میں کہ سر سے پانی ٹپک رہا تھا آپ ﷺ نے تکبیر کہی اور ہم آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔

(ب):

مسئلہ مذکورہ فی الباب میں علماء کا اختلاف ہے، اس میں پانچ مذہب ہیں:

(۱) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر مسجد سے باہر جنابت لاحق ہوئی ہے تو تیمم کر کے مسجد میں جائے اور ڈول رَسّی لائے یا مسجد میں سے گزرے اور اگر مسجد کے اندر جنابت لاحق ہوئی ہے تو مسجد کی مٹی کے علاوہ سے تیمم کرے، مسجد کے فرش اور دیوار پر تیمم کرنا جائز نہیں اور مسجد کے علاوہ کوئی تیمم کا سامان نہ ہو تو فوراً نکل جائے مگر یہ کہ کوئی مجبوری ہو۔ اور امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے۔

دلیل: (۱) عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ وجهوا هٰذه البیوت عن المسجد فانی لا احل المسجد لحائض ولا جنب.

(۲) قوله علیه السلام لاتدخل الملائکة بیتا فیه صورة ولا کلب ولا جنب.

وجه الاسدلال: ان المسجد مقر الملائکة فلا یجوز له الدخول حالة الجنابة ولا المکث.

(۳) وهٰذا الحدیث.

وجہِ استدلال: اِس حدیث ہی کے بنا پر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مسجد کی مٹی اور اس کے فرش کے علاوہ کوئی مٹی وغیرہ نہ ہو تو فوراً نکل جائے۔

اور اگر ساتھ مٹی وغیرہ ہو مسجد کی مٹی اور اس کے فرش وغیرہ کی مٹی کے علاوہ تو پہلے اس سے تیمم کرے پھر مسجد سے نکلے، کیونکہ یہی احتیاط ہے، کیونکہ اوپر جو دو حدیثیں گزریں اُن کا یہی تقاضا ہے۔

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسجد سے گزرنے کی اجازت ہے، ٹھہرنے کی اجازت نہیں، اُن کے نزدیک تیمم کے بغیر بھی مسجد سے گزر سکتا ہے اور ڈول رسّی لے سکتا ہے البتہ مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں۔

دلیل: قوله تعالیٰ: لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَاتَقُوْلُوْنَ وَلَاجُنُبًا اِلَّاعَابِرِىْ سَبِيْلٍ.

وجہِ استدلال: یہاں الصلاۃ سے موضعِ صلاۃ اور عابری سبیل سے عبور و مرور مراد ہے۔ لہٰذا آیت کا مطلب ہوا کہ تم موضعِ صلوٰۃ کے قریب نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ تم جان جاؤ جو تم کہہ رہے ہو اور نہ حالتِ جنابت میں (موضعِ صلوٰۃ کے قریب جاؤ) مگر یہ کہ راستہ گزرنے والا ہو۔

(۳) داؤد ظاہری اور امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر حال میں مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے غیر مقلدین اسی کے قائل ہیں۔

دلیل: قوله علیه السلام ان المسلم لاینجس.

وجہِ استدلال: جب ناپاک نہیں ہوتا تو ہر حال میں بیٹھنا و ٹھہرنا جائز ہے۔

(۴) اور امام احمد اور اسحاق کے نزدیک اگر جنبی وضو کرے تو ٹھہرنا بھی جائز ہے۔

دلیل: رویَ عن الصحابة انهم یجلسون فی المسجد وھم محدثون اذا توضأوا وضوئه للصلاة.

(۵) اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مطلقاً عدمِ جواز کے قائل ہیں جنبی کے لئے نہ عبور کی اجازت ہے نہ ٹھہرنے کی وہ فرماتے ہیں اگر مسجد سے باہر ہے تو اندر جانا جائز نہیں اور بھول کر چلا گیا تو فوراً نکل آئے۔

دلیل: حدیث الباب ہے۔

وجہِ استدلال: رسول اللہ ﷺ کو جب جنابت کی یاد آئی تو فوراً مسجد سے نکل پڑے۔ پس یہی دلیل ہے کہ ٹھہرنا جائز نہیں ہے۔

(فلیراجع للتفصیل: تحفۃ القاری ۵۹/۲)

مسلکِ احناف راجح ہے، کیونکہ وہ احتیاط پر مبنی ہے جیسا کہ دلیل میں گزرا ہے۔

(ج):

اقامت اور افتتاحِ صلوٰۃ میں وقفہ کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر اقامت اور تکبیرِ تحریمہ کے درمیان زیادہ فصل ہو جائے تو تکبیر کا اعادہ کرنا چاہئے اور اگر زیادہ فصل نہ ہوا ہو تو اعادہ کی ضرورت نہیں اور کم وبیش کا فیصلہ رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دیا جائے گا۔

سوال: ۳۶، صفحہ: ۴۳

بَابُ إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا . فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ قَالَ أَبُوْعَبْدِ اللهِ هٰذَا أَجْوَدُ وَأَوْكَدُ وَإِنَّمَا بَيَّنَّا الْحَدِيْثَ الْآخَرَ لِاخْتِلَافِهِمْ وَالْغُسْلُ أَحْوَطُ.
(۱۴۳۶ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ لکھیں اور مطلب بیان کریں۔

(ب) اکسال کا کیا حکم ہے اور امام بخاری کی کیا رائے ہے۔

(ج) حدیث آخر کیا ہے؟ مسئلہ میں کیا اختلاف تھا؟ کیا اجماع لاحق کے بعد بھی اختلاف سابق باقی رہتا ہے؟ اور الماء من الماء کا حکم کیوں منسوخ کیا گیا۔ تمام سوالوں کا جواب مفصل لکھیں۔

الجواب

(الف):

ترجمہ: ختنہ کی جگہیں ملنے سے غسل واجب ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب مرد عورت کے چار گوشوں کے درمیان بیٹھ جائے پھر عورت کو مشقت میں ڈالے تو غسل واجب ہو گیا۔

مطلب: چار گوشتہ سے مراد فرج کے چار گوشتے ہیں اور یہی قولِ راجح ہے اور عورت کو مشقت میں ڈالنے سے مراد غیبوبت حشفہ ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

امام بخاری فرماتے ہیں یہ یعنی غسل کرنا زیادہ عمدہ اور زیادہ مؤکد ہے اور ہم نے آخری حدیث صحابہ کے درمیان اختلاف کی وجہ سے بیان کی ہے اور غسل کرنا احتیاط کی بات ہے۔

(ب):

اکسال کا حکم: اکسال کا معنیٰ ہے کہ آدمی اپنے بیوی سے جماع کرے اور انزال نہ ہو دورِ اوّل میں اس مسئلہ میں اختلاف تھا کہ آیا اس میں صرف وضو واجب یا غسل بھی پھر دورِ عمری میں اس پر اجماع ہو گیا کہ اکسال کی صورت میں غسل واجب ہے۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اکسال کی صورت میں غسل واجب ہے لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے انداز بیان کی وجہ سے ان پر یہ سر یہ الزام لگا ہے کہ وہ اب بھی اکسال میں عدمِ غسل کے قائل ہیں حالانکہ یہ الزام سراسر غلط ہے کیونکہ یہ اجماع کا انکار ہے اور اجماع کا منکر اہلِ حق میں نہیں رہتا پس امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اجماع کا انکار

کیسے کر سکتے ہیں (اور یہ الزام دو وجہ سے لگا ہے: (۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ چار الفاظ (۱) اجود (۲) اوکد (۳) احوط (۴) انقی استعمال کئے ہیں وہ سب الفاظ اس مسئلہ کے حکم میں ڈھیلے ہیں اگر یجب یا واجب کہتے تو یہ الزام نہیں لگتا۔

(۲) اجماع سے پہلے جن صحابہ کا اختلاف تھا کہ اکسال میں غسل واجب نہیں حضرت اس روایت کو بھی لائے اور اس کی وجہ خود بیان کی ہے کہ یہ روایت اس لئے لایا ہوں کہ صحابہ میں یہ مسئلہ اختلافی تھا حالانکہ جب اجماع ہو گیا تو اختلاف رفع ہو گیا)۔

(تحفۃ القاری ۲/ ۷۴)

(ج):

حدیث آخر سے مراد: عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ انہ قال یا رسول اللہ اذا جامع الرجل المرأۃ فلم ینزل قال یغسل مامس المرأۃ منہ ثم یتوضأ ویصلی.

ترجمہ: حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب آدمی عورت سے صحبت کرے اور انزال نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا عورت کی شرم گاہ سے جو رطوبت پہنچی ہے اس کو دھو ڈالے پھر وضو کرے اور نماز پڑھے۔

الاختلاف فی ھٰذہ المسئلۃ:

دورِ صحابہ میں یہ مسئلہ اختلافی تھا۔ اکثر انصاری صحابہ الماء من الماء کا فتویٰ دیتے تھے یعنی انزال کے بعد غسل واجب ہوگا اکسال کی صورت میں غسل واجب نہیں ہوگا صرف وضو واجب ہوگا۔

دلیل: عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قال سألت رسول اللہ ﷺ عن الرجل یجامع فیکسل قال یغسل ما اصابہ ویتوضأ وضوءہ للصلاۃ.

اور اکثر مہاجرین غسل کو واجب کہتے ہیں۔

دلیل: (۱) عن ابی سلمۃ قال سألت عائشۃ رضی اللہ عنہا مایوجب

الغسل فقالت اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل.

(۲) عن ابی بن کعب ان رسول اللہ ﷺ جعل الماء من الماء رخصة فی اوّل الاسلام ثم نهی عن ذالك وامر بالغسل.

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اجماع ہوگیا کہ اکسال کی صورت میں غسل واجب ہے۔ (درسِ ترمذی۔طحاوی)

اجماع کے بعد اختلافِ سابق باقی نہیں رہتا ہے ورنہ اجماع کا انکار لازم آئے گا اور اجماع کا منکر اہلِ حق میں نہیں رہتا ہے نیز قاعدہ ہے اجماع لاحق سے اختلاف سابق رفع ہوجاتا ہے۔

الماء من الماء کا حکم منسوخ ہونے کی وجہ:

بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا ادراک دُشوار ہوتا ہے شریعت ایسی جگہوں میں حقیقی سبب کو ہٹا کر کسی ظاہری چیز کو اس کے قائم مقام کرتی ہے جیسے سفر میں نمازوں میں قصر کی علّت مشقت ہے مگر یہ ایک مخفی چیز ہے اس کا ادراک مشکل ہے اس لئے نفس سفر کو مشقت کے قائم مقام کردیا اسی طرح وضوء ٹوٹنے کی علّت ریح کا نکلنا ہے مگر سونے والے کو اس کا ادراک نہیں ہوتا اس لئے نفس نیند کو خروج کے قائم مقام کردیا اسی طرح وجوبِ غسل کی علّت انزال ہے مگر کبھی اس کا ادراک نہیں ہوتا اس لئے التقاء ختانین کو اس کے قائم مقام کردیا اب حکم اس ظاہر پر دائر ہوگا حقیقت کی طرف نظر نہیں کیا جائے گا۔

سوال: ۷ ۳، صفحہ: ۴۳

بَابُ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْحَيْضِ. وَقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا شَيْءٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ كَانَ أَوَّلُ مَا أُرْسِلَ الْحَيْضُ عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ، وَحَدِيثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرُ.

(۱۴۱۸-۱۴۲۲ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) اور بتائیے کہ قال ابو عبداللہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا بیان کیا ہے نیز اکثر کا مفہوم واضح کیجئے۔

(ج) دوسری حدیث پاک میں ہے: قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا فلما کنا بسرف حضت فدخل علیّ رسول اللہ ﷺ وانا ابکی فقال مالک انفست فقلت نعم قال ان ھٰذا امر کتبہ اللہ علیٰ بنات آدم۔

(د) پھر حدیث کی باب کیف کان بدء الحیض سے کیا مناسبت ہے واضح طور پر تحریر کریں۔

(ہ) لفظ اکثر کی مختلف تفسیریں ہیں ان کو ذکر کر کے صحیح تفسیر کی نشاندہی کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حیض کی تاریخ یعنی حیض کب سے شروع ہوا؟ نبی علیہ ﷺ کا ارشاد ہے یہ یعنی حیض وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے بناتِ آدم پر لکھی ہے اور بعض حضرات یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کہتے ہیں پہلی وہ چیز جو بنی اسرائیل پر بھیجی گئی حیض تھی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور نبی علیہ ﷺ کی حدیث زیادہ ہے۔

(ب):

قال ابو عبداللہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ایک تعارض کا حل کرنا ہے کہ حیض کا سلسلہ کب شروع ہوا ہے، حدیث مرفوع سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حواء رضی اللہ عنہا سے شروع ہوا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ حیض کا سلسلہ بنی اسرائیل سے شروع ہوا ہے اور یہ قول صحابی اور حدیثِ مرفوع میں تعارض ہے اس تعارض کے تین حل ہیں:

(۱) ایسے تعارض کی صورت میں حدیثِ مرفوع کو لیں گے اور قولِ صحابی کو چھوڑ دیں گے یہ تطبیق امام بخاری رحمۃ اللہ نے قال ابو عبداللہ حدیث النبی ﷺ اکثر سے دی ہے یعنی نبی علیہ السلام کی حدیث زیادہ ہے یعنی ثبوت وقوت کے اعتبار سے بڑھی ہوئی ہے پس اس کو لیں گے اور قولِ صحابی کو چھوڑ دیں گے۔

(۲) حیض کا نفس آغاز حضرت حواء رضی اللہ عنہ سے ہوا مگر اس میں اشتدادی کیفیت نہیں تھی اور اس میں اشتدادی کیفیت یعنی حیض میں عورت کا نچڑ جانا اور حسن و جمال کا ماند پڑ جانا جب بنی اسرائیل کی عورتوں نے بدعنوانیاں کی تب سے شروع ہوا ہے۔

(۳) حیض فطری عمل ہے ہر تندرست عورت کو آتا ہے جیسے آنسو اور پسینہ وغیرہ فطری اُمور ہیں اس لئے حیض کے خاص احکام نہیں تھے، پھر جب بنی اسرائیل کی عورتوں نے شرارت کی تو حیض کے خاص احکام نازل ہوئے تا کہ وہ گھر میں رُکیں مسجد میں نہ آئیں۔

اکثر کا مفہوم: نبی علیہ السلام کی حدیث زیادہ یعنی قوت اور ثبوت کے اعتبار سے بڑھی ہوئی ہے قولِ صحابی کے مقابلہ میں پس اس کو لیں گے اور قولِ صحابی کو چھوڑ دیں گے۔

(تحفۃ القاری ۲/۸۱)

(ج):

اس حدیث سے بظاہر نفاس کا ثبوت ہو رہا ہے لیکن حقیقت میں اس حدیث میں حیض کا بیان ہے کیونکہ اس حدیث میں انفست احضت کے معنیٰ میں ہے اور کبھی زبانِ عربی میں نفاس کا لفظ حیض کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

(د) حدیث کی باب سے مناسبت:

بدء کا لفظ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خاص اصطلاح ہے اس کے معنیٰ ہیں: آغاز، تاریخ، احوال از ابتداء تا انتہاء پس باب کے معنیٰ ہوئے حیض کا آغاز یعنی عورتوں کو حیض کب سے آنا شروع ہوا؟ اس کی تاریخ کیا ہے۔

اور حدیث میں عورتوں کے حیض کی تاریخ بیان کی گئی ہے پس مناسبت ظاہر ہے۔
(تحفۃ القاری ۲/۷۸)

(ہ):

اکثر کی تفسیریں: (۱) بعض نے اکثر کی تفسیر اشمل سے کی ہے یعنی بنات بنی اسرائیل اور اس کے ماقبل اور مابعد کی تمام عورتیں سب کے سب حیض آنے میں برابر ہیں کسی قوم کی تخصیص نہیں ہے۔
(۲) ابتداء حیض تو حواء رضی اللہ عنہا سے ہوا ہے اشتدادی کیفیت بنی اسرائیل کے زمانہ سے شروع ہوئی ہے۔
(۳) حضرت شیخ الحدیث زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر کی تفسیر راجح سے کی ہے یعنی حدیث مرفوع کو کان اوّل ما ارسل الحیض الٰی بنی اسرائیل پر ترجیح حاصل ہے۔
(۴) حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب زید مجدہم نے اکثر کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ حدیث النبی ﷺ اکثر قوۃ و اکد ثبوتا.
یعنی نبی کریم ﷺ کی حدیث قوت اور ثبوت کے لحاظ سے انتہائی درجہ کی قوی اور مضبوط ہے پس اس کو لیں گے اور قولِ صحابی کو نہیں لیں گے۔
نوٹ: سب تفسیریں صحیح ہیں لیکن حضرت الاستاذ کی بات راجح معلوم ہوتی ہے۔

سوال: ۳۸، صفحہ: ۴۷

بَابُ إِذَا رَأَتِ الْمُسْتَحَاضَةُ الطُّهْرَ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي وَلَوْ سَاعَةً، وَيَأْتِيهَا زَوْجُهَا إِذَا صَلَّتْ، الصَّلَاةُ أَعْظَمُ.

(۱۴۲۶ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں ارباب کا مقصد بیان کیجئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی وضاحت فرمایئے۔

(ب) ان کے قول ولو ساعة من نهار سے معلوم ہوتا ہے کہ اقلِ مدتِ طہر ایک ساعت بھی ہے حالانکہ احناف کے نزدیک اقلِ مدتِ طہر پندرہ یوم ہے مدلل جواب لکھئے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: جب مستحاضہ پاکی دیکھے تو نماز شروع کر دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مستحاضہ غسل کرے گی اور نماز پڑھے گی اگرچہ ایک لمحہ کے لئے پاکی دیکھے اور اس کا شوہر اس سے مقاربت کر سکتا ہے جب وہ نماز پڑھنے لگے اس لئے کہ نماز کا معاملہ اہم ہے۔

باب کا مقصد: مستحاضہ طہر دیکھنے کے بعد فوراً نماز شروع کر دے چاہے حقیقتاً طہر دیکھے یا حکماً اور چاہے ایک لمحہ کے لئے طہر دیکھے وہ مزید انتظار نہ کرے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی وضاحت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مستحاضہ طہر دیکھنے کے بعد فوراً نماز شروع کر دے چاہے حقیقتاً طہر دیکھے یا حکماً اور چاہے ایک لمحہ کے لئے طہر دیکھے وہ مزید انتظار نہ کرے بلکہ غسل کر کے نماز شروع کر دے اور جب نماز پڑھ لے یعنی اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے تو اس کے ساتھ اس کے شوہر کے لئے مقاربت بھی جائز ہے، کیونکہ نماز اور مقاربت دونوں کے لئے طہارت شرط ہے پس جب مستحاضہ نماز پڑھ سکتی ہے تو اس سے مقاربت بدرجہ اولیٰ ہو سکتی ہے اس لئے کہ نماز کا معاملہ صحبت سے اہم ہے۔

(ب):

ولو ساعة من نهار یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور حضرت طہر میں تحدیدِ مدت کے قائل نہیں ہیں۔

لہٰذا جو حضرات تحدید کے قائل ہیں ان پر اعتراض نہیں ہوگا، کیونکہ طہر کی اقلِ مدت کی تحدید حدیث پاک سے ثابت ہے اور یہ اقلِ مدت کی تحدید کی روایت حضرت عائشہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت انس اور حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

فیض الباری میں ہے: ولو ساعة من نهار فان قلنا اقل الطهر خمسة عشر قلت هو مختلف لعل الاقل عند ابن عباس ساعة.

سوال: ۳۹، صفحہ: ۴۸

بَابُ التَّيَمُّمِ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ وَنَفَخَ فِيهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ.

(۱۴۳۷ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ضربات تیمم میں اور محلِ مسح میں اختلاف ائمہ مدلل لکھیں۔

(ج) مذکورہ حدیث کس کا مستدل ہے؟ اور دوسرے حضرات اس کی کیا توجیہ کرتے ہیں تحریر کریں۔

(د) امام بخاری اس اختلاف میں کس کے ساتھ ہیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: چہرہ اور ہتھیلیوں پر تیمم کرنا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تیرے لئے اتنی بات کافی تھی پھر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونکا پھر ان کو چہرے اور ہتھیلیوں پر پھیرا۔

(ب):

اختلاف الائمة فی ضربات التیمم و محل المسح:

ضرباتِ تیمم میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام احمد، اسحاق بن راہویہ، اوزاعی بعض اہلِ ظاہر کے نزدیک تیمم ایک ہی ضربہ ہے۔

(۲) امام اعظم، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک تیمم میں دو ضربیں ہوں گی ایک وجہ کے لئے اور ایک یدین کے لئے۔

محل مسح میں تین مذہب ہیں:

(۱) امام احمد، اسحاق بن راہویہ، اوزاعی اور اہل ظاہر کے نزدیک رُسغین تک مسح واجب ہے۔

(۲) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام الک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرفقین تک مسح واجب ہے۔

(۳) امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یدین کا تیمم مناکب و آباط تک ہوگا۔

فریق اوّل کی دلیل دونوں مسئلہ میں: عن عمار رضی الله عنه قال النبی ﷺ انما کان یکفیك هٰکذا فضرب النبی ﷺ بکفیه الارض ونفخ فیهما ثم مسح بهما وجهه و کفیه.

وفی روایة الترمذی عن عمار رضی الله عنه ان النبی ﷺ امره التیمم للوجه والکفین.

فریقِ ثانی کے دلائل: عن جابر رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال التیمم ضربة للوجه وضربة للذراعین الی المرفقین.

(۲) عن عمار رضی الله عنه قال کنت فی القوم حین نزلت الرخصة فامرنا فضربنا واحدة للوجه ثم ضربة أخریٰ للیدین والمرفقین.

(۳) عن عبدالله بن عمر رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين.

امام زھری کی دلیل: عن عمار رضی الله عنه قال تیممنا مع رسول الله ﷺ الی المناکب والاباط. (درسِ ترمذی۔تحفۃ القاری ۲/۱۴۹)

(ج):

حدیثِ مذکورہ امام احمد بن حنبل اوران کے ہم خیال ومسلک کی دلیل ہے۔

دوسرے حضرات کی طرف سے اس کی توجیہ:

جمہور کے نزدیک حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مسئلہ کا بیان نہیں ہے بلکہ معہود تیمم کی طرف اشارہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے غسل کے تیمم کو غسل پر قیاس کیا تھا اس لئے سارے بدن پر مٹی ملی تھی جب انہوں نے اپنا واقعہ نبی ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: انما یکفیك تمہارے لئے یہ کافی تھا پھر آپ ﷺ نے زمین پر ہاتھ مارا اور مٹی جھاڑی، کیونکہ تیمم کرنا مقصود نہیں تھا اور چہرے اور ہتھیلیوں پر ہاتھ پھیرے یعنی اشارہ کیا کہ وضو اور غسل کا تیمم ایک ہے، غسل کے تیمم میں پورے بدن پر مٹی نہیں ملی جائے گی حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس فعل نبوی کو ضربة للوجه والكفين کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ (تحفۃ القاری (۱/۱۵۰)

(د):

امام بخاری اس اختلاف میں فریقِ اوّل یعنی امام احمد بن حنبل اوراُن کے ہم مسلک کے ساتھ ہیں۔

سوال: ۴۰، صفحہ: ۵۱

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ صَلّٰى جَابِرٌ فِي إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ.

وَثِيَابُهُ مَوْضُوعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ قَالَ لَهُ قَائِلٌ تُصَلِّي فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ فَقَالَ إِنَّمَا صَنَعْتُ ذَلِكَ لِيَرَانِي أَحْمَقُ مِثْلُكَ، وَأَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(۱۴۲۴ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ثوبِ واحد کے استعمال کی مختلف صورتیں کتاب میں ذکر کی گئی ہیں ان کو تحریر کرنے کے بعد اگر اس کی کسی صورت میں ائمہ کا اختلاف ہو تو اس کو بھی تحریر کریں۔

(ج) صورتِ مذکورہ فی الحدیث کو وضاحت سے بیان کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: محمد بن المنکدر کہتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھائی اس حال میں کہ اس کپڑے کو گُدّی کی جانب میں باندھ رکھا تھا اور ان کے کپڑے اسٹینڈ پر رکھے ہوئے تھے نماز کے بعد کسی نے ان سے کہا آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا میں یہ عمل اس لئے کیا ہے کہ تجھ جیسا بے وقوف میرے اس عمل کو دیکھے اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کے پاس دو کپڑے کہاں تھے۔

(ب):

ثوبِ واحد کے استعمال کی مختلف صورتیں:

(۱) کپڑوں کے دونوں کناروں کو اُلٹ کر اپنے مونڈھوں پر باندھ لیا جائے۔

(۲) ایک کپڑا لپیٹ لیا جائے اور اس کے دونوں کناروں کو دونوں مُونڈھوں پر اُلٹ دیا جائے۔

(۴) کپڑوں کے داہنے کنارہ کو بائیں طرف اور بائیں کنارہ کو داہنی طرف ڈال لے اور اس کے کندھے پر اس کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو۔

اس آخری صورت میں اختلاف ہے جمہور اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر کپڑا وسیع ہو تو مونڈھوں پر ڈال کر نماز پڑھی جائے لیکن اگر چھوٹا ہے تو لنگی کی طرح کمر میں باندھ کر نماز ادا کی جائے دونوں صورتوں میں نماز درست ہو جائے گی۔

یعنی ان کے نزدیک وسعت والے کپڑے میں بھی مونڈھوں کو ڈھانکنا مستحب ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مونڈھوں کو ڈھکنا فرض ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

(ج):

صورتِ مذکور فی الحدیث کی وضاحت:

چادر کے داہنے کنارہ بائیں کندھے پر اور بایاں کنارہ دائیں کندھے پر ڈال کر گدی پر پیچھے باندھے اس کو اُردو میں گاتی باندھنا کہتے ہیں۔

سوال: ۴۱، صفحہ: ۵۳

بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الْفَخِذِ. وَيُرْوىٰ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَرْهَدٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَخِذُ عَوْرَةٌ وَقَالَ أَنَسٌ حَسَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَخِذِهِ. قَالَ أَبُوْعَبْدِ اللهِ حَدِيثُ أَنَسٍ أَسْنَدُ، وَحَدِيثُ جَرْهَدٍ أَحْوَطُ حَتّٰى يُخْرَجَ مِنِ اخْتِلَافِهِمْ.

(۱۴۱۴-۱۴۲۱ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب لکھیں۔

(ب) فخذ کے عورت و عدمِ عورت ہونے میں ائمہ کرام کا جو اختلاف ہے مع دلائل تحریر کریں۔

(ج) قال ابو عبداللہ سے من اختلافھم تک عبارت کی تشریح فرما کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے رُجحان کے بارے میں بھی وضاحت فرمائیے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: ران کے سلسلہ کی روایات۔ ابوعبداللہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس جرہد اور محمد بن جحش رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً مروی ہے کہ ران ننگا پن ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی علیہ ﷺ نے اپنی ران کھولی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث اسند ہے اور حضرت جرہد کی حدیث لینے میں احتیاط ہے تا کہ رُوات کے اختلاف سے ہم نکل جائیں۔

(ب):

اختلاف الائمۃ فی الفخذ:

ران کے عورت ہونے اور نہ ہونے کے سلسلہ میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام مالک اور اصحابِ ظواہر کے نزدیک فخذ عورت نہیں ہے۔

دلیل: (۱) عن انس رضی اللہ عنہ رکب نبی اللہ ﷺ ورکب ابو طلحۃ وانا رَدیف ابی طلحۃ فاجری نبی اللہ ﷺ فی زقاق خیبر وان رکبتی تمس فخذ نبی اللہ ﷺ ثم حسر الازار عن فخذہ حتّٰی انی انظر الی بیاض فخذ نبی اللہ ﷺ.

(۲) قال ابو موسٰی: غطی النبی ﷺ رکبتیہ حین دخل عثمان.

(۲) امام اعظم، امام شافعی اور جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک فخذ عورت ہے۔

دلیل: (۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال الفخذ عورۃ.

(۲) عن جرھد رضی اللہ عنہ قال النبی ﷺ یا جرھد غط فخذك فانھا من العورۃ. (درسِ ترمذی)

(ج):

عبارت کی تشریح: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جرہد اور انس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث اَسند ہے یعنی سند کے اعتبار سے اصح ہے۔ اور حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کی حدیث لینے میں احتیاط ہے، کیونکہ اگر فخذ کو عورت کہا جائے اور اس کو چھپائیں تو فریقین میں سے کسی کے نزدیک گناہ نہیں ہے اور نماز بالاتفاق درست ہوگی، لیکن اگر ران کھلی رکھیں تو جمہور کے نزدیک گناہ ہے اور ران کھول کر نماز پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی۔

تاکہ رُوات کے اختلاف سے ہم نکل جائیں کسی روایت کے خلاف کرنا لازم نہ آئے۔

امام بخاری کا رُجحان دوٹوک نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ امام بخاری نے دونوں طرح کی روایات نقل کی ہیں تاہم ان کا فیصلہ کہ ''حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سند کے اعتبار سے قوی ہے اور حضرت جرہد کی روایت احوط ہے'' معلوم ہوتا ہے کہ ان کا رُجحان جمہور کے مذہب کی طرف ہے۔ (واللہ اعلم) (تحفۃ القاری ۲/۱۹۹)

سوال: ۴۲، صفحہ: ۵۶

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى صَلاَتَنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا، فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، فَلاَ تُخْفِرُوا اللهَ فِي ذِمَّتِهِ.

(۱۴۳۲ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) یہ حدیث باب فضل استقبال القبلۃ کی ہے باب سے اس کی مناسبت بیان کریں۔

(ج) من صلی صلاتنا الخ سے کیا مراد ہے واضح کریں اور بتائیں کہ قادیانی

اس حدیث سے جو اپنے مسلمان ہونے پر استدلال کرتے ہیں کیا ان کا استدلال کرنا صحیح ہے۔

(د) یہ حدیث مسلمان کی حد ہے یا رسم؟ دونوں میں کیا فرق ہے؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور نماز میں ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا پس وہ شخص وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ہے پس تم اللہ کی ذمہ داری میں رخنہ اندازی مت کرو یعنی ایسے مسلمان کو مت ستاؤ وہ اللہ اور اس کے سول کی گارنٹی میں ہے پس جو اس کو ستائے گا وہ اللہ کی ذمہ داری میں رخنہ اندازی کرے گا اس سے اللہ کو غصہ آئے گا اور وہ اس کو سزا دیں گے۔

(ب):

باب سے حدیث کی مناسبت:

(۱) من صلّٰی صلاتنا میں قیام، رکوع، سجود، قومہ، جلسہ، قعدہ، استقبالِ قبلہ، بدن، کپڑے اور جگہ کی طہارت سب داخل ہیں پھر آپ ﷺ نے استقبالِ قبلہ کو الگ سے بیان کیا اس سے قبلہ کی اہمیت اور استقبالِ قبلہ کا مستقل مطلوب ہونا معلوم ہوا یہ استقبالِ قبلہ کی اہمیت کی واضح دلیل ہے۔

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نبی ﷺ نے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان امتیاز کرنے والی تین باتیں ذکر فرمائیں ان میں سے ایک استقبالِ قبلہ کو لیا اس سے استقبالِ قبلہ کی اہمیت نکلتی ہے۔

(۳) حضرت مولانا فخر الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین باتوں

سے تین چیزیں حاصل ہوتی ہیں اموال محفوظ ہوتے ہیں، خون محفوظ ہوتا ہے، اور بندہ اللہ و رسول کی ذمہ داری میں چلا جاتا ہے ان تینوں باتوں میں سے ایک استقبال قبلہ ہے اس سے استقبال قبلہ کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/۲۲۷)

(ج):

قادیانی کے استدلال کا جواب:

حدیث میں مذکور یہ تین باتیں مسلمان کی ذاتیات نہیں بلکہ عرضیات وعلامت ہیں، مسلمان کی ذاتیات وہ ہیں جو ایمان مجمل میں لی گئی ہیں: امنت باللہ کما ھو باسمائہ وصفاتہ وقبلت جمیع احکامہ یعنی اللہ تعالیٰ پر اور ان کی صفات ذاتیہ وفعلیہ پر ایمان لانا اور اللہ نے اپنے آخری رسول کے ذریعہ جو احکام بھیجے ہیں ان سب کو دل سے قبول کرنا۔ یہ مسلمان کی ذاتیات ہیں اور چونکہ عقائد ہیں اس لئے مخفی ہیں ان کو پہچاننا مشکل ہے، اس لئے مذکورہ حدیث میں اس کی چند واضح علامتیں بیان کی گئی ہیں جن کے ذریعہ مسلمان کو پہچانا جا سکتا ہے، مگر یہ علامتیں اس وقت علامتیں ہیں جب وہ ذاتیات کے موافق ہوں ورنہ وہ نفاق وزندقہ ہیں اور قبلت جمیع احکامہ میں تمام ضروریاتِ دین شامل ہیں۔ یعنی دین کی وہ تمام بدیہی باتیں جو ایک پڑھا لکھا مسلمان جانتا ہے اور مانتا ہے ان سب کو ماننے کے بعد یہ علامت پائی جائیں تو وہ مسلمان ہے قادیانی چونکہ ختمِ نبوت کا انکار کرتے ہیں جبکہ وہ ضروریاتِ دین میں سے ہے اور قرآن کریم میں مصرح ہے قادیانی اس کی غلط تاویل کرتے ہیں کہ تشریعی نبوت ختم ہوئی ہے امتی نبی آسکتا ہے یہ تاویل چودہ سو سال سے کوئی نہیں جانتا تھا قادیانیوں نے یہ تاویل گھڑی ہے پس اس تاویل کے ساتھ ختمِ نبوت کو ماننا نہ ماننا ہے۔

پس معلوم ہوا قادیانیوں میں چونکہ مسلمان کی ذاتیات نہیں پائی جاتیں اس لئے حدیث میں مذکور عرضیات یعنی علامات ان کو مسلمان قرار دینے کے لئے کافی نہیں ہیں۔

(تحفۃ القاری ۲/۲۲۵)

(د):

یہ حدیث مسلمان کی رسم ہے۔

حد اور رسم میں فرق:

اگر شیٔ ذاتیات سے مرکب ہو تو اس کو حد کہتے ہیں۔

اور اگر شیٔ عرضیات سے مرکب ہو تو اس کو رسم کہتے ہیں۔

سوال: ۴۳، صفحہ: ۷۶

بَابُ الإِبْرَادِ بِالظُّهْرِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ. قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ. فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ.

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ أَذَّنَ مُؤَذِّنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فَقَالَ أَبْرِدْ أَبْرِدْ أَوْ قَالَ انْتَظِرِ انْتَظِرْ وَقَالَ شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ. فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ.

(۱۴۳۳ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) شدتِ حر میں ظہر کی تاخیر کا کیا حکم ہے، اختلافِ ائمہ مفصل اور مدلّل لکھیں اور بتائیں کہ حدیث میں بیان واقعہ ہے یا تمثیل؟

(ج) ظہر کے آخر وقت میں کیا اختلاف ہے؟ دوسری حدیث سے کس کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: سخت گرمی میں ظہر کی نماز وقت ٹھنڈا ہونے کے بعد پڑھنا۔ نبی کریم ﷺ

نے فرمایا جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو، اس لئے کہ گرمی کی زیادتی جہنم کے پھیلاؤ سے ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے مؤذن نے ظہر کی اذان دینے کا ارادہ کیا نبی ﷺ نے فرمایا وقت کو ٹھنڈا ہونے دو یا فرمایا انتظار کرو، انتظار کرو اور فرمایا گرمی کی زیادتی جہنم کے پھیلاؤ سے ہے پس جب گرمی زیادہ ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈی کرو۔ یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کے سایہ دیکھے (اتنی تاخیر کر کے آپ ﷺ نے اذان دلوائی)۔

(ب):

جاننا چاہئے کہ شدتِ حر میں صلاۃِ ظہر کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اس میں دو مذہب ہیں:

(۱) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شدتِ حر میں بھی تعجیلِ ظہر افضل ہے۔

دلیل: (۱) عن خباب بن الارت رضی اللہ عنہ قال شکونا الی رسول اللہ ﷺ حر الرمضاء فی جباھنا واکفنا فلم یشکنا.

حضرت خباب بن الارت کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گرم ریت پر نماز پڑھنے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ہماری شکایت کا ازالہ نہیں فرمایا۔

وجہِ استدلال: اس سے سمجھا گیا کہ گرمی میں بھی تعجیل افضل ہے ورنہ آپ ﷺ ان کی تکلیف کی وجہ سے انہیں رخصت دیتے۔

(۲) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اوّل الوقت رضوان من اللہ وآخر الوقت عفو اللہ.

وجہِ استدلال: رضا بہتر ہے حصولِ معافی سے اس سے معلوم ہوا کہ تعجیل افضل ہے تاخیر سے

(۲) اور امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک شدتِ حر میں تاخیر ظہر افضل ہے۔

دلیل: (۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اشتد الحر فابردوا عن الصلاۃ فان شدۃ الحر من فیح جھنم.

(۲) عن انس رضی اللہ عنہ کان النبی ﷺ اذا اشتد البرد بکّر بالصلاۃ واذا اشتد الحر ابرد بالصلاۃ.

(۳) عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہ کان النبی ﷺ اشد تعجیلًا للظھر منکم. (درسِ ترمذی)

جاننا چاہئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث میں تمثیل اور مجاز کا بیان ہے یعنی یہ پیرایۂ بیان ہے اس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ گرمی کی شدت تکلیف دہ ہے ظاہر ہے کہ جب جہنم بذاتِ خود تکلیف دہ ہے تو اس کے اثرات بھی تکلیف دہ ہوں گے، مگر جہنم اپنی جگہ ہے نہ وہ خود پھیلتی ہے اور نہ اس کے اثرات پھیلتے ہیں بلکہ سخت گرمی تکلیف دہ ہے اور جب یہ تمثیل ہے تو وقت میں کوئی خرابی نہیں لہٰذا جب چاہے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

اور احناف، حنابلہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث میں حقیقت کا بیان ہے یعنی گرمی کی شدت واقعی جہنم کے اثر کے پھیلاؤ سے ہے اور چونکہ جہنم اللہ کی صفت غضب کا مظہر ہے پس جہنم کے اثرات بھی صفتِ غضب کا مظہر ہوں گے اور وہ اثرات گرمیوں میں ظہر کے وقت پھیلتے ہیں اس لئے اوّل وقت میں خرابی ہوئی اس لئے گرمیوں میں ظہر کو تاخیر کر کے پڑھنا مستحب ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/۲۹۵)

(ج):

ظہر کے آخر وقت میں فقہاء کا اختلاف ہے اس میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمۂ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک ظہر کا وقت ہر چیز کا سایہ بدونِ سایہ اصلی کے

ایک مثل ہونے تک رہتا ہے اور دوسرے مثل سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔

دلیل: (۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ امنی جبرئیل عند البیت مرتین فصلّی بی الظھر حین زالت الشمس و کانت قدر الشراك وصلّی بی العصر حین کان ظله مثله....... فلما کان الغد صلّی بی الظھر حین کان ظله مثله وصلی بی العصر حین کان ظله مثلیه.

وجہِ استدلال: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھائی اگر مثلِ اوّل میں وقتِ ظہر ختم نہ ہوتا تو مثل ثانی میں جبرئیل علیہ السلام کیسے عصر پڑھائی، اس سے سمجھا گیا مثلِ اوّل میں ظہر کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور مثلِ ثانی سے عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

(۲) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے چار قول مروی ہیں:

(۱) جمہور کے موافق، ترکی اور عراق کے احناف کا اسی پر فتویٰ اور عمل ہے۔

(۲) دو مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے اور تیسرے مثل سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے یہ ظاہر روایت ہے اور متون میں اسی کو لیا گیا، برصغیر کے احناف اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔

(۳) ظہر کا وقت ایک مثل تک اور عصر کا وقت تیسرے مثل سے ہے اور بیچ کا وقت مہمل ہے۔

(۴) دوسرے مثل کے آخر میں چار رکعت کے بقدر مہمل وقت ہے اور تیسرے مثل سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔

دوسرے قول کی دلیل: (۱) ایک شخص نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کے اوقات پوچھے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: انا اخبرك صلّ الظھر اذا کان ظلك مثلك والعصر اذا کان ظلّك مثليك.

(۲) عن ابی ذرّ رضی اللہ عنہ قال اذّن مؤذّن النبی صلّی اللہ علیہ وسلم الظھر فقال ابرد ابرد وقال شدّة الحر من فیح جھنم فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلاۃ حتی رأینا فئ التلول. وفی روایة حتّی ساوی الظّلّ التلول.

وجہِ استدلال: اس حدیث میں کہا گیا کہ ٹیلوں کا سایہ ٹیلوں کے بقدر ہو گیا اور ٹیلوں کا سایہ اور وہ بھی ٹیلوں کے بقدر مثل اوّل میں ممکن نہیں کیونکہ ٹیلے مخروطی شکل کے ہوتے ہیں اور مخروطی شکل کا سایہ اس کے نفس پر پڑتا ہے پھر آہستہ آہستہ وہ نیچے اُترتا ہے پھر سایہ نمودار ہوتا ہے۔

دوسری حدیث سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ (درسِ ترمذی)

سوال: ۴۴، صفحہ: ۷۹

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعًا جَمِيعًا وَثَمَانِيًا جَمِيعًا.

(۱۴۲۰ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب لکھیں۔

(ب) پھر بتایئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مذکور کو **باب وقت المغرب** میں ذکر فرمایا ہے حالانکہ اس حدیث میں وقت مغرب کا بالکل ذکر نہیں ہے آپ ترجمۃ الباب سے مطابقت کی وجہ ذکر فرماتے ہوئے لکھئے کہ حضور علیہ ﷺ نے اس طرح کا عمل کیوں فرمایا جبکہ قرآن پاک میں اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا اور حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى موجود ہے نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: مارأیت النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم صلّی صلٰوۃ بغیر میقاتها الخ دفع تعارض کی جو بہتر توجیہ ہو سکے تحریر فرمایئے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ و مطلب: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی علیہ ﷺ

نے مدینہ منورہ میں سات رکعتیں یعنی مغرب اور عشاء اور آٹھ رکعتیں یعنی ظہر اور عصر ایک ساتھ پڑھیں۔

(ب):

ترجمة الباب سے حدیث کی مطابقت:

باب کا مقصد یہ بات بتانا ہے کہ مغرب کا وقت غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور عشاء تک رہتا ہے درمیان میں نہ کوئی مشترک وقت ہے اور نہ مہمل وقت ہے اور حدیث میں بھی ہے کہ آپ ﷺ نے مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھا یعنی مغرب کو اپنے آخری وقت میں اور عشاء کو اوّل وقت میں پڑھا پس معلوم ہوا عشاء کا وقت شروع ہوتے ہی مغرب کا وقت ختم ہوجاتا ہے نہ دونوں کے درمیان وقت مشترک ہے نہ وقتِ مہمل ہے پس مناسبت ظاہر ہے۔

دفعِ تعارض: جو لوگ جمع بین الصلاتین کے جواز کے قائل ہیں یعنی ائمہ ثلاثہ وہ اس حدیث کو حالتِ عذر پر محمول کرتے ہیں اور جو حضرات جمع بین الصلاتین حقیقی ایام حج کے علاوہ کو ناجائز کہتے ہیں یعنی علماء احناف اور امام بخاری رحمہم اللہ وہ اِس حدیث کو جمع صوری پر محمول کرتے ہیں یعنی آپ ﷺ نے ظہرین اور عشائین میں سے پہلی نماز کو آخر وقت اور دوسری نماز کو اوّل وقت میں پڑھایا اور ایسا آپ ﷺ نے دو وجہ سے کیا تھا: (۱) ایک بیانِ جواز کے لئے، شریعت کا منشاء تو یہ ہے کہ ہر نماز الگ الگ وقت میں پڑھی جائے تاکہ دنیا کی مشغولیت اللہ سے غافل نہ کرے اور جمع صُوری اگرچہ شریعت کی منشاء کے خلاف ہے مگر اس کی گنجائش ہے، یہ مسئلہ واضح کرنے کے لئے آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایسا عمل کیا۔

(۲) دوسرا مقصد وہ تھا جو اس باب کا مدّعی ہے یعنی اس بات کی تعلیم دینا مقصود تھا کہ ظہرین اور عشائین کے درمیان وقت اور وقت مہمل نہیں ایک نماز کا وقت ختم ہوتے ہی دوسری نماز کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

فائدہ: احناف کا مسلک اُصولِ قرآن کے مطابق ہے جیسا کہ قولِ باری: (۱) اِنَّ الصَّلٰوةَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا. (۲) حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ

وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى. (۳) اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے: ما رأیت رسول الله صلى الله عليه صلّٰی صلاة الالمیقاتہا. ان آیات واحادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نمازوں کے اوقات مقرر ہیں اور ان کی محافظت واجب ہے ان اوقات کی خلاف ورزی باعثِ عذاب ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ آیات قطعی الثبوت والدلالۃ ہیں اور اخبار آحاد اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں، بالخصوص جبکہ اخبار آحاد محتمل ہو لہٰذا ایسی صورت میں تمام روایات کو ایامِ حج کے علاوہ میں جمع صُوری پر محمول کرنا اوفق بالقران ہے جیسا کہ احناف کہتے ہیں۔ (تحفۃ القاری ۲/۴۰۶)

سوال: ۴۵، صفحہ: ۸۹

بَابُ وُجُوبِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ. وَقَالَ الْحَسَنُ إِنْ مَنَعَتْهُ أُمُّهُ عَنِ الْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ شَفَقَةً لَمْ يُطِعْهَا. وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ لِيُحْطَب.

(۱۴۳۶ھ)

(الف) جماعت سے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کیا رائے ہے اور اس کے کیا دلائل ہیں؟

(ب) مذکورہ حدیث مکمل لکھیں اور واضح کریں کہ اس سے استدلال صحیح ہے یا نہیں؟

(ج) جمہور کی کیا رائے ہے؟ اور ان کے دلائل کیا ہیں تفصیل سے لکھیں۔

الجواب:

(الف) جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم:

جاننا چاہئے کہ جماعت سے نماز پڑھنے کے بارے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) داؤد ظاہری کے نزدیک جماعت فرض عین ہے اور صحتِ صلوٰۃ کے لئے بھی شرط ہے اگر تنہا نماز پڑھے گا تو نماز نہیں ہوگی۔

(۲) اور شوافع کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جماعت فرضِ کفایہ ہے اور دوسرا قول سنتِ مؤکدہ ہے۔

(۳) اور مالکیہ کے یہاں بھی مختلف اقوال ہیں اور مختار قول سنتِ مؤکدہ کا ہے۔

(۴) اور حنفیہ کے یہاں مفتیٰ بہ قول سنتِ مؤکدہ کا ہے اور احناف میں علامہ ابن الہمام کے نزدیک جماعت واجب ہے۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جماعت فرض عین ہے مگر نماز کی صحت کے لئے جماعت شرط نہیں، اگر تنہا نماز پڑھے تو بھی نماز صحیح ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل: (۱) حدیث الباب ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے جماعت سے پیچھے رہنے والوں کو آگ میں جلانے کا ارادہ فرمایا تھا پھر کسی مصلحت سے نہیں جلایا۔

وجہِ استدلال: اس قدر سخت سزا فرائض کے تارک ہی کو دی جا سکتی ہے سنت و مستحب کے تارک کو نہیں دی جا سکتی معلوم ہوا کہ جماعت سے نماز پڑھنا فرض یا واجب ہے۔

(۲) قال الحسن ان منعته امه عن العشاء فی الجماعة شفقة لم یطعها.

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اس کی ماں بر بناء شفقت عشاء کی نماز کے لئے مسجد جانے سے روکے تو ماں کی اطاعت ضروری نہیں۔

وجہِ استدلال: والدین کی اطاعت بیشک ضروری ہے مگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بھی ضروری ہے اور خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق. لہٰذا ماں کی بات ماننی ضروری نہیں پس ثابت ہوا کہ جماعت سے نماز پڑھنا فرض یا واجب ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/۵۰۶)

(ب) مکمل حدیث:

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال والذی نفسی بیدہ لقد ھممت ان آمر بحطب لیحطب ثم امر بالصلاۃ فیؤذن لھا ثم آمر رجلا فیؤم الناس ثم اخالف الی رجال فاحرقہ علیھم بیوتھم والذی نفسی بیدہ لو یعلم احدھم انہ یجد عرقا سمینا او مرماتین حسنتین لشھد العشاء.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبصہ میں میری جان ہے میں نے بالیقین ارادہ کیا تھا کہ میں سوختہ کے بارے میں حکم دوں کہ وہ جمع کیا جائے، پھر نماز کا حکم دوں پس اس کے لئے اذان کہی جائے پھر میں ایک شخص کو حکم دوں جو لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں ایسے لوگوں کی طرف جاؤں (جو جماعت میں حاضر نہیں ہوئے) پس میں ان پر ان کے گھروں کو جلا دوں اور اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ان میں سے ایک جان لے کہ وہ گوشت سے بھری ہوئی ایک ہڈی یا دو اچھے کھر پائے گا تو وہ ضرور عشاء کی نماز میں آئے۔

اِس حدیث سے جماعت کے فرض یا واجب ہونے پر استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ جماعت کھڑی ہونے کے بعد آپ ﷺ لوگوں کو جلانے کے لئے جائیں گے پس آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خدّام جماعت سے متخلف ہوں گے اور یہ بات کہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے خدّام دوسری جماعت کرلیں گے متخلفین کے حق میں بھی متحقق ہے وہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم بھی دوسری جماعت کرلیں گے الغرض اس حدیث سے جماعت کی تاکید تو نکلتی ہے مگر اس کا فرض یا واجب ہونا ثابت نہیں ہوتا اور رہی سزا کی بات تو وہ سنن و مستحبات جو شعائرِ اسلام سے ہے ان کے ترک پر بھی سخت سزا دی جاسکتی ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/۵۷)

(ج):

جمہور کے نزدیک جماعت سنتِ مؤکدہ ہے۔

دلائل: (۱) عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال صلاۃ الجماعۃ تفضل صلاۃ الفذ بسبع و عشرین درجۃ.

(۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ صلاۃ الرجل فی الجماعۃ تضعّف علی صلاتہ فی بیتہ وفی سوقہ خمسا و عشرین ضعفا.

وجہِ استدلال: اس جیسے فضائل کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تنہا نماز بھی صحیح ہے اگر نماز کی صحت کے لئے جماعت شرط ہوتی تو تنہا نماز کا کوئی ثواب نہ ہوتا۔

ساتھ ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ جماعت کی بڑی اہمیت ہے اس لئے حدیثوں میں تنہا نماز اور باجماعت کا موازنہ کیا گیا ہے تنہا نماز کا ایک ثواب اور باجماعت نماز کا پچیس گنا یا ستائیس گنا ثواب بتایا گیا ہے۔

نیز ترکِ جماعت کی وعید کی حدیثیں بھی جماعت کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔

سوال: ۴۶، صفحہ: ۹۳

بَابُ إِذَا دُعِيَ الإِمَامُ إِلَى الصَّلَاةِ وَبِيَدِهِ مَا يَأْكُلُ. وَقَالَ عَمْرُو بْنِ أُمَيَّةَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ ذِرَاعًا يَحْتَزُّ مِنْهَا. فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَامَ فَطَرَحَ السِّكِّينَ. فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

بَابُ مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَهْلِهِ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَخَرَجَ. عَنِ الأَسْوَدِ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِي بَيْتِهِ قَالَتْ كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور مطلب لکھیں۔

(ب) دونوں بابوں کا مقصد متعین کریں۔

(ج) ان ابواب سے پہلے یہ بات ہے باب اذا حضر الطعام واقیمت

الصلاۃ اس باب کی دلیل کیا ہے اور مذکورہ دونوں بابوں کا سابقہ باب سے ربط و تعلق کیا ہے سوچ کر لکھیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ و مطلب: امام کو نماز کے لئے بلایا جائے درآنحالیکہ اس کے ہاتھ میں کھانا ہو عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا درآنحالیکہ آپ ﷺ بکری کے شانہ کا گوشت چھری سے کاٹ کر نوش فرما رہے تھے، آپ ﷺ کو نماز کی اطلاع دی گئی تو آپ نے چھری رکھ دی اور نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مما مست النار کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، نیز ضرورت کے وقت چھری سے گوشت وغیرہ کاٹ کر کھانے کا جواز معلوم ہوتا ہے البتہ بے ضرورت چھری کا استعمال ٹھیک نہیں یہ عجمیوں کا طریقہ ہے)۔
آدمی گھر کے کام میں مشغول ہو اور نماز شروع ہو جائے تو نماز کے لئے نکلے۔ حضرت اسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا نبی ﷺ جب گھر میں ہوتے تھے تو کیا کرتے تھے؟ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا گھر والے جو کام کرتے تھے وہی حضور ﷺ بھی کرتے تھے یعنی گھر کے کام میں شریک ہوتے تھے لیکن جب تکبیر شروع ہوتی تو کام چھوڑ کر نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔
(معلوم ہوا کہ گھر کے کاموں کی مشغولیت تاخیرِ صلوٰۃ کے لئے عذر نہیں ہے)۔

(ب):

دونوں بابوں کا مقصد:

(۱) باب اذا دعی الامام الی الصلاۃ و بیدہ مایأکل. اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ امام اور مقتدی کے احکام میں فرق بیان کرنا چاہتے ہیں یعنی کھانے کو

مقدم کرنے کا مسئلہ مقتدی کے لئے ہے امام کو اقامت کے ساتھ ہی کھڑا ہو جانا چاہئے، کھانے کو مقدم نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ امام کا معاملہ متعدی ہے اس کے تاخیر کرنے سے لوگ پریشان ہوں گے، برخلاف مقتدی کے کہ اس کا معاملہ لازم ہے اس کی ذات کے ساتھ خاص ہے اس کے کھانے کو مقدم کرنے کی وجہ سے کسی کو پریشانی نہیں ہوگی، باب میں یہ حدیث ہے کہ آپ ﷺ گوشت نوش فرما رہے تھے، آپ ﷺ نے اقامت کے ساتھ ہی کھانا چھوڑ دیا معلوم ہوا کہ امام و مقتدی کے احکام میں فرق ہے۔

(تحفۃ القاری ۲/۵۳۶)

(۲) باب من کان فی حاجة اهله فاقیمت الصلاة فخرج اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حاجتِ اکل اور دیگر حوائج کے درمیان فرق بیان کرنا چاہتے ہیں یعنی حاجتِ اکل تو نماز میں تاخیر کے لئے عذر ہے مگر دیگر حوائج عذر نہیں ہیں، لیکن چھوٹے بڑے استنجے کا تقاضا حاجتِ اکل کے ساتھ لاحق ہے اس وجہ سے حدیث میں چھوٹے بڑے استنجے کے تقاضے کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/۵۳۷)

(ج):

باب اذا حضر الطعام واقیمت الصلاة کی دلیل:

(۱) عن عائشة رضی الله عنها عن النبی ﷺ انه قال اذا وضع العشاء واقیمت الصلاة فابدؤوا بالعشاء.

(۲) عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ اذا وضع عشاء احدکم واقیمت الصلاة فابدؤوا بالعشاء ولا یعجل حتّٰی یفرغ منه.

(۳) قال ابوالدرداء من فقه المرأ اقباله علٰی حاجته حتّٰی یقبل علٰی صلاته وقلبه فارغ.

آدمی کی سمجھداری کی علامت یہ ہے کہ پہلے ضرورت پوری کرے، پھر مطمئن ہو کر نماز پڑھے۔

(۴) وکان ابن عمر رضی الله عنهما یوضع له الطعام وتقام الصلاة فلا یأتیها حتّٰی یفرغ وانه یسمع قراءة الامام.

مذکورہ دونوں باب کا سابقہ باب سے ربط اور تعلق:

سابقہ باب باب اذا حضر الطعام واقیمت الصلاة اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ نماز بہ اطمینان ادا کرنی چاہیے لہٰذا اگر کھانا سامنے آجائے اور اقامت شروع ہوجائے اور بھوک سخت لگ رہی ہو تو پہلے بھوک کا بھوت مارلے پھر نماز پڑھے، پھر باب اذا دعی الامام الی الصلاة وبیدہ ما یأکل سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے پہلے باب کے حکم سے استثناء کرنا ہے یعنی پہلے باب میں جو کہا گیا کہ کھانے کے سامنے ہوتے ہوئے نماز کی مؤخر کیا جائے گا، سخت بھوک کی حالت میں، یہ حکم سب کے لئے نہیں بلکہ صرف مقتدی کے لئے خاص ۔ ہے اور امام کھانے کو مقدم نہ کرے بلکہ مؤخر کرے، پھر باب من کان فی حاجة اهله فاقیمت الصلاة فخرج سے امام بخاری کا مقصد حاجتِ اکل اور دیگر حوائج میں فرق بیان کرنا ہے یعنی سابقہ باب میں جو حضورِ طعام کے وقت تاخیرِ صلوٰۃ کا حکم بیان کیا گیا ہے وہ صرف طعام کے ساتھ خاص ہے دوسری حوائج تاخیرِ صلوٰۃ کا عذر نہیں ہوسکتی ہیں، پس تینوں بابوں میں مناسبت و تعلق واضح ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/۴۳۵)

سوال: ۷۴، صفحہ: ۱۰۴

بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ وَمَا يُجْهَرُ فِيهَا وَمَا يُخَافَتُ .... وَقَالَ لَاصَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.

(۱۴۳۷ھ)

(الف) باب میں کیا مسئلہ ہے؟ اور اس کی دلیل کیا ہے؟ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ باب میں ہے یا نہیں؟ بیان کریں۔

(ب) مقتدی پر قراءت کیوں کر واجب ہوگی، اس پر تو استماع و انصات واجب ہے، اس کا جواب لکھ کر مذکورہ حدیث کی باب سے مطابقت واضح کریں۔
(ج) باب میں دو حدیثیں اور بھی ہیں ان کو لکھ کر ان کی بھی باب سے مطابقت واضح کریں۔

الجواب:

(الف):

باب میں یہ مسئلہ ہے کہ مطلق قراءت فرض ہے بالتخصیص فاتحہ فرض نہیں اور قرأت عام ہے اس کے ضمن میں فاتحہ بھی داخل ہے۔

اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا ہے: باب وجوبِ القراءۃ نہ کہ باب وجوب الفاتحۃ پس امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس طریقہ سے باب قائم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ باب میں مطلق قراءت کا مسئلہ ہے نہ کہ بالتخصیص فاتحہ کا، کیونکہ قراءت قرآن تو قراءت فاتحہ سے عام ہے وہ فاتحہ اور سورت دونوں کو شامل ہے، پھر حضرت نے لفظ قراءت کیوں استعمال کیا لفظ فاتحہ کیوں استعمال نہیں کیا۔

دلیل: (۱) قوله تعالىٰ: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ.
(۲) اور باب کی تینوں حدیثیں جن کی تفصیل ''ب'' اور ''ج'' میں آرہی ہے وہ بھی مطلق قراءت فرض ہونے کی دلیل ہیں۔

باب میں فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ ہے ہی نہیں۔

کیونکہ فاتحہ اور قراءت کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت ہے فاتحہ پڑھنا خاص ہے اور قراءت یعنی پورے قرآن میں سے کہیں سے پڑھنا جس میں فاتحہ بھی شامل ہے عام ہے اور خاص کے ضمن میں عام ہی پایا جاتا ہے مگر عام کے ضمن میں خاص نہیں پایا جاتا مثلاً انسان اور حیوان میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے پس هٰذا انسان سے حیوان ہونا خود بخود ثابت ہوگا اور هٰذا فرس سے صرف حیوان ہونا ثابت ہوگا، انسان ہونا جو کہ خاص

ہے ثابت نہیں ہوگا، اسی طرح فاتحہ کے ضمن میں قراءت خود بخود شامل ہوگی، کیونکہ فاتحہ خاص ہے اور قراءت عام ہے مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خاص لفظ استعمال نہ کر کے عام لفظ استعمال کیا ہے اور عام کے ضمن میں خاص نہیں پایا جاتا، پس فاتحہ کا تذکرہ اس باب میں خصوصیت کے ساتھ نہیں ہے۔ (تحفۃ القاری ۳/۶۵)

(ب):

مقتدی پر حکماً قراءت واجب ہے نہ کہ حقیقتاً یعنی اتصاف کی دو قسمیں ہیں: (۱) اتصاف حقیقی (۲) اتصافِ حکمی۔ اتصافِ حقیقی یہ ہے کہ امام قراءت کے ساتھ حقیقتاً متصف ہے اور وہ بالکل واضح ہے اور اتصاف حکمی یہ ہے کہ مقتدی کو قراءت کے ساتھ حکماً متصف مانا جائے جیسے مدرکِ رکوع کو بھی فاتحہ کے ساتھ حکماً متصف مانتے ہیں۔ جو شخص رکوع میں شریک ہوا اس نے رکعت پالی، کیونکہ حدیث میں ہے: مدرک رکوع مدرک رکعت ہے سوال یہ ہے کہ مقتدی نے فاتحہ کہاں پڑھی؟ جواب یہ ہے کہ امام کا پڑھنا اس کے حق میں محسوب ہے غرض اتصاف حکمی کو فی الجملہ سب تسلیم کرتے ہیں، پس یہاں بھی امام کا اتصاف قراءت کے ساتھ حقیقی ہے اور مقتدی کا حکمی، پس مقتدی پر حکماً قراءت واجب ہوا اور حکماً واجب ہونا استماع وانصات کے متضاد نہیں ہے۔

(تحفۃ القاری ۳/۶۶)

حدیث مذکورہ کی باب سے مناسبت:

جاننا چاہئے کہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا باب سے تعلق یہ ہے کہ مطلق قراءت اور قراءت فاتحہ میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے مطلق قراءت عام ہے اور ..ءت فاتحہ خاص ہے اور خاص کے ضمن میں عام پایا جاتا ہے پس فاتحہ پڑھنے سے قراءت کا تحقق ہوجائے گا، کیونکہ خاص کے ضمن میں عام کا تحقق ہوجاتا ہے۔ پس حدیث کی باب سے مطابقت ظاہر ہوگئی ہے۔

(ج):

باب کی اور دونوں حدیث اور ان کی باب سے مناسبت:

(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ شَكَا أَهْلُ الْكُوفَةِ سَعْدًا إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَعَزَلَهُ وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ عَمَّارًا، فَشَكَوْا حَتّٰى ذَكَرُوا أَنَّهُ لاَ يُحْسِنُ يُصَلِّي، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَقَالَ يَا أَبَا إِسْحَاقَ إِنَّ هٰؤُلاَءِ يَزْعُمُونَ أَنَّكَ لاَ تُحْسِنُ تُصَلِّي قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ أَمَّا أَنَا وَاللهِ فَإِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي بِهِمْ صَلاَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَخْرِمُ عَنْهَا، أُصَلِّي صَلاَةَ الْعِشَاءِ فَأَرْكُدُ فِي الأُولَيَيْنِ وَأُخِفُّ فِي الأُخْرَيَيْنِ. قَالَ ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ يَا أَبَا إِسْحَاقَ. فَأَرْسَلَ مَعَهُ رَجُلاً أَوْ رِجَالاً إِلَى الْكُوفَةِ، فَسَأَلَ عَنْهُ أَهْلَ الْكُوفَةِ، وَلَمْ يَدَعْ مَسْجِدًا إِلاَّ سَأَلَ عَنْهُ، وَيُثْنُونَ مَعْرُوفًا، حَتّٰى دَخَلَ مَسْجِدًا لِبَنِي عَبْسٍ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهُ أُسَامَةُ بْنُ قَتَادَةَ يُكْنٰى أَبَا سَعْدَةَ قَالَ أَمَّا إِذْ نَشَدْتَنَا فَإِنَّ سَعْدًا كَانَ لاَ يَسِيرُ بِالسَّرِيَّةِ، وَلاَ يَقْسِمُ بِالسَّوِيَّةِ، وَلاَ يَعْدِلُ فِي الْقَضِيَّةِ. قَالَ سَعْدٌ أَمَا وَاللهِ لأَدْعُوَنَّ بِثَلاَثٍ، اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ عَبْدُكَ هٰذَا كَاذِبًا، قَامَ رِيَاءً وَسُمْعَةً فَأَطِلْ عُمُرَهُ، وَأَطِلْ فَقْرَهُ، وَعَرِّضْهُ بِالْفِتَنِ، وَكَانَ بَعْدُ إِذَا سُئِلَ يَقُولُ شَيْخٌ كَبِيرٌ مَفْتُونٌ، أَصَابَتْنِي دَعْوَةُ سَعْدٍ. قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ فَأَنَا رَأَيْتُهُ بَعْدُ قَدْ سَقَطَ حَاجِبَاهُ عَلَى عَيْنَيْهِ مِنَ الْكِبَرِ، وَإِنَّهُ لَيَتَعَرَّضُ لِلْجَوَارِي فِي الطُّرُقِ يَغْمِزُهُنَّ.

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوفہ والوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شکایت کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو معزول کر دیا اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا، پس کوفہ والوں نے شکایت کی یہاں تک کہ انہوں نے یہ بھی شکایت کی کہ سعد ٹھیک سے نماز نہیں پڑھاتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد کے پاس قاصد بھیج کر ان کو بلوایا پس کہا اے ابو اسحاق! یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ

ٹھیک سے نماز نہیں پڑھاتے، حضرت سعد نے کہا رہا میں تو بخدا! میں ان کو رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھاتا تھا، یعنی سنت کے مطابق نماز پڑھاتا تھا، اس میں ذرا کمی نہیں کرتا تھا، میں شام کی نمازیں پڑھاتا ہوں (ظہر وعصر) پس میں پہلی دو رکعتوں میں سوجاتا ہوں (یعنی پہلی دو رکعتیں لمبی پڑھاتا ہوں) اور آخری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا اے ابواسحاق! آپ کے بارے میں میرا یہی گمان تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یا چند اشخاص کو حضرت سعد کے ساتھ کوفہ بھیجا تاکہ وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوفہ والوں سے پوچھیں اور انہوں نے کوئی مسجد نہیں چھوڑی مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا، اور سب لوگ ان کی تعریف کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ بنوعبس کی مسجد میں پہنچا پس ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا جس کو اُسامہ بن قتادہ کہا جاتا تھا اور جس کی کنیت ابوسعد تھی، اس نے کہا جب آپ نے ہمیں قسم دی ہے تو سنئے سعد سریوں میں نہیں نکلتے، اور مال برابر تقسیم نہیں کرتے اور فیصلوں میں انصاف نہیں کرتے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا سن بخدا! میں ضرور تین دعائیں کروں گا، اے اللہ! اگر تیرہ یہ بندہ جھوٹا ہے، ناموری اور دکھاوے کے لئے کھڑا ہوا ہے پس لمبی فرما اس کی زندگی اور لمبی فرما، اس کی غریبی اور اس کو فتنوں سے دوچار فرما۔ راوی کہتا ہے پھر بعد میں جب اس سے حال پوچھا جاتا تو کہتا ایک بہت بوڑھا فتنوں کا شکار، مجھے سعد کی بددعا لگ گئی ہے عبدالملک کہتے ہیں میں نے بعد میں اس کو دیکھا بڑھاپے کی وجہ سے اس کی دونوں بھوئیں آنکھوں پر گرگئی تھیں اور وہ راستہ میں باندیوں کو چھیڑتا تھا ان کے بازو دباتا تھا۔

باب سے مناسبت! حضرت سعد رضی اللہ عنہ ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرتے تھے، معلوم ہوا کہ ہر نماز میں خواہ سری ہو یا جہری قراءت ہے۔

(۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ دخل المسجد فدخل رجل فصلّی ثم جاء فسلم علی النبی ﷺ فرد وقال ارجع فصل فانك لم تصل فرجع فصلّی کما صلّی ثم جاء فسلم علی النبی ﷺ فقال ارجع فصل فانك لم تصل ثلاثاً فقال والذی بعثك بالحق ما احسن غیرہ فعلمنی فقال

اذاقمت الی الصلاة فکبر ثم اقرأ ماتیسر معك من القرآن ثم ارکع حتّٰی تطمئن راکعًا ثم ارفع حتّٰی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتّٰی تطمئن جالسا وافعل ذالك فی صلاتك کلھا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے ایک شخص آیا اس نے تحیۃ المسجد پڑھی، پھر وہ آنحضور ﷺ کی مجلس میں شرکت کے لئے آیا اور سلام کیا آپ ﷺ نے جواب دیا اور فرمایا واپس جاؤ پھر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی وہ واپس گیا اور دوبارہ نماز پڑھ کر آیا اور سلام کیا آپ ﷺ نے جواب دیا اور وہی بات فرمائی تین بار آپ ﷺ نے اس کو لوٹایا۔ تیسری مرتبہ کے بعد اس نے عرض کیا یارسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں تو ایسی ہی نماز پڑھنا جانتا ہوں آپ ﷺ مجھے سکھلائیں، آپ ﷺ نے فرمایا جب تو نماز پڑھنے کا ارادہ کریں، تو تکبیر کہیں پھر جہاں سے آپ کے لئے آسان ہو قرآن پڑھیں پھر رکوع کریں اور بہ اطمینان رکوع کریں پھر سر اُٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جائیں پھر سجدہ کریں اور اس میں ٹھہریں پھر سر اُٹھائیں اور اطمینان سے بیٹھیں اس طرح تمام رکعتیں پڑھیں۔

باب سے مناسبت: ثم اقرأ ماتیسر من القرآن سے استدلال یہ ہے کہ نماز میں مطلق قراءت فرض ہے بالخصوص فاتحہ فرض نہیں اگر فاتحہ فرض ہوتا تو آپ ﷺ فرض کو چھوڑ کر غیر فرض کی تعلیم نہ دیتے۔ (تحفۃ القاری ۳/۶۷)

سوال: ۴۸، صفحہ: ۱۱۲

بَابُ إِذَا لَمْ يُتِمَّ السُّجُودَ. وَ رَأَى حُذَيْفَةُ رَجُلاً لاَ يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ قَالَ مَا صَلَّيْتَ، وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِي فَطَرَ اللهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(۱۴۳۴ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) تعدیلِ ارکان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اختلافِ ائمہ مدلّل ومفصل لکھیں اور بتائیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے قول سے کس نے استدلال کیا ہے اور اسکا جواب کیا ہے؟
(ج) قومہ اور جلسہ رُکن طویل ہے یا قصیر؟ اختلافِ ائمہ مع دلائل لکھیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: جب سجدہ اچھی طرح نہ کرے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو رکوع سجدے ٹھیک سے نہیں کر رہا تھا یعنی رکوع وسجود میں تعدیل نہیں کر رہا تھا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نماز کے بعد اس سے کہا تیری نماز نہیں ہوئی اور اگر تو ایسی ہی نماز پڑھتا ہوا مر گیا تو تیری موت اس فطرت (اسلام) پر نہیں ہوگی جس پر اللہ عزوجل نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے۔

(ب):

تعدیلِ ارکان کی شرعی حیثیت میں فقہاء کا اختلاف مع دلائل:

اس میں دو مذہب ہیں:

(ا) ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تعدیلِ ارکان یعنی رکوع و سجود اور قومہ وجلسہ باطمینان ادا کرنا فرض ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی، امام بخاری کی بھی یہی رائے ہے۔

دلیل: رائ حذیفة رضی الله عنه رجلًا لایتم رکوعه ولاسجوده فلما قضی صلاته قال له حذیفة رضی الله عنه ماصلیت ولومت مت علی غیرسنة محمد ﷺ.

وجہِ استدلال: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس شخص سے جو رکوع وسجود میں تعدیل نہیں کر رہا تھا فرمایا تیری نماز نہیں ہوئی معلوم ہوا کہ تعدیلِ ارکان فرض ہے کیونکہ نفس صلوٰۃ کی نفی فرض کے ترک پر ہی ہوسکتی ہے۔

(۲) امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک تعدیلِ ارکان فرض نہیں پھر احناف میں سے جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سنت قرار دیا اور کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے واجب قرار دیا ہے لیکن احناف کا مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ تعدیلِ ارکان سنتِ مؤکدہ اشد تاکید (واجب جیسی سنت) ہے۔

دلیل: حدیث المسیئ صلوته میں نبی ﷺ کا فرمان حضرت خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ سے فاذا فعلت ذالك قد تمت صلاتك وان انتقصت منه شيئا انتقصت من صلوتك.

وجہِ استدلال: اس میں آپ ﷺ نے تعدیلِ ارکان کے ترک پر بطلانِ صلوٰۃ کا حکم نہیں لگایا بلکہ نقصان کا حکم لگایا یعنی تعدیل نہ کرنے کی صورت میں نماز تو ہو جائے گی مگر ناقص ہوگی، معلوم ہوا کہ تعدیلِ ارکان فرض نہیں۔

حدیثِ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ نے تعدیلِ ارکان کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔

اس کا جواب: کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ناقص کو کالعدم فرض کر کے کلام کیا ہے وعید کے موقع پر ایسا کرتے ہیں، اس کی دلیل حدیث المسیئ صلوٰتہ ہے۔

(درسِ ترمذی۔تحفۃ القاری ۳/۱۱۴)

(ج):

قومہ اور جلسہ رکنِ طویل ہے یا قصیر اس میں دو مذہب ہیں:

(۱) احناف اور شوافع کے نزدیک قومہ اور جلسہ رکنِ قصیر ہیں، جب رکوع اور سجدہ سے اُٹھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا یا بیٹھ گیا اور بدن ڈھیلا چھوڑ دیا اور ہر ہڈی اس کی جگہ سیٹ ہوگئی تو قومہ وجلسہ ہو گیا اب سجدہ کر سکتا ہے، ٹھہرنا ضروری نہیں ہے۔

دلیل: اگر قومہ اور جلسہ رکنِ طویل ہوتے تو شریعت ان کے لئے بھی کوئی ذکر مشروع کرتی اور ذکر چھوٹا ہوتا تو اس کی تکرار مشروع کرتی جب کہ نوافل میں تو قومہ اور جلسہ کے لئے اذکار مروی ہیں مگر فرائض میں ایسا کوئی ذکر مروی نہیں، معلوم ہوا کہ یہ دونوں مختصر و قصیر رکن ہیں۔

(۲) اور حنابلہ کے نزدیک رکوع وسجود کی طرح قومہ اور جلسہ بھی رکنِ طویل ہیں۔

دلیل: عن البراء قال كان ركوع النبی ﷺ وسجوده وبين السجدتين واذا رفع رأسه من الركوع ما خلا القيام والقعود قريبا من السواء.

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا رکوع اور آپ ﷺ کے سجود اور سجدوں کا درمیان یعنی جلسہ اور جب آپ ﷺ رکوع سے اپنا سر اُٹھاتے یعنی قومہ قیام وقعود کے علاوہ تقریباً برابر تھے۔ (تحفۃ القاری ۳/ ۱۱۴)

وجہِ استدلال: جب قومہ وجلسہ قیام وقعود کے برابر تھے معلوم ہو وہ دونوں رکن طویل ہیں ورنہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

سوال: ۴۹، صفحہ: ۱۲۰

بَابُ فَرْضِ الْجُمُعَةِ. لِقَوْلِ اللهِ تَعَالٰی: إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ.

فَاسْعَوْا- فَامْضُوا وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا. ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِي فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوا فِيهِ. فَهَدَانَا اللهُ. فَالنَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ. الْيَهُودُ غَدًا وَالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ.

(۱۴۳۴ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) آیتِ کریمہ سے جمعہ کی فرضیت کس طرح ثابت ہوتی ہے مفصل لکھیں۔
(ج) حدیث شریف کے ہر جزء کی مفصل شرح لکھیں اور بید کا محل استعمال لکھیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: جمعہ کی نماز فرض ہے۔ ارشاد پاک ہے: (اے ایمان والو!) جب جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے لئے پکارا جائے تو تم اللہ کی یاد کی طرف چل دو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم دنیا میں آخری اُمت اور قیامت کے دن پہلی اُمت ہیں بایں ہمہ کہ وہ لوگ ہم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں۔
پھر یہ جمعہ ان کا وہ دن ہے جو ان پر مقرر کیا گیا تھا مگر انہوں نے اس میں اختلاف کیا، پس ہمیں اللہ نے اس دن کا راستہ دکھایا پس لوگ عبادت کے دن میں ہمارے پیچھے ہیں، یہود آئندہ کل ہیں اور نصاریٰ آئندہ پرسوں۔

(ب):

جاننا چاہئے کہ آیتِ کریمہ سے چار طرح فرضیتِ جمعہ ثابت ہوتی ہے:
(۱) جمعہ کے لئے اذان کی مشروعیت! اذان صرف فرائض کے لئے مشروع کی گئی ہے، واجبات وغیرہ کے لئے اذان مشروع نہیں کی گئی، پس جمعہ کے لئے اذان کی مشروعیت دلیل ہے کہ جمعہ فرض ہے۔
(۲) اذان ہونے پر جمعہ کے لئے چل دینا واجب ہے اور کسی فرض کام کے لئے ہی چلنا واجب ہوتا ہے پس اذان ہوتے ہی جمعہ کے لئے چل دینے کا وجوبی حکم جمعہ کی فرضیت کی دلیل ہے۔
(۳) جمعہ کی اذان پر کاروبار بند کر دینے کا وجوبی حکم بھی جمعہ کی فرضیت کی دلیل ہے۔

(۴) خیر کا شہود جمعہ میں منحصر ہونا جیسا کہ آیتِ کریمہ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ بھی جمعہ کی فرضیت کی دلیل ہے۔ (تحفۃ القاری ۳/ ۱۹۳)

(ج) حدیث کے ہر جزء کی تفصیل:

(۱) نحن الآخرون السابقون یوم القیامۃ یعنی ہم دنیا میں وجود کے اعتبار سے یہود ونصاریٰ کے بعد ہیں لیکن قیامت کے دن حساب وکتاب اور دخولِ جنت کے اعتبار سے ان سے آگے ہوں گے کیونکہ ہم دنیا میں عبادت کے اعتبار سے ان سے آگے ہیں پس قیامت کے دن جنت میں ہم پہلے جائیں گے۔

(۲) بید انہم اوتوا الکتاب من قبلنا۔ یعنی یہود ونصاریٰ صرف ایک بات میں بڑھے ہوئے ہیں اور وہ بات یہ ہے کہ ان کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی مگر یہ کوئی خاص فضیلت نہیں جیسے سارے انبیاء پہلے گزرے ہیں اور سید الانبیاء بعد میں آئے ہیں مگر وہ کوئی بڑی فضیلت نہیں بڑی فضیلت دخولِ جنت ہے اور اس میں ہم آگے ہوں گے ان شاء اللہ۔

(۳) ثم ھٰذا یوم ھم الخ پھر یہاں سے آخر تک نبی ﷺ ہمارے دو امتیاز کا بیان فرمایا ہے:

(۱) ایک یہ ہے کہ اس امت نے اپنے نبی کی مخالفت نہیں کی یہود ونصاریٰ نے اپنے اپنے انبیاء کی مخالفت کی اور ان کی بات نہیں مانی ہے ہمیں اللہ نے جمعہ کی طرف راہنمائی فرمائی کا یہی مطلب ہے۔

(۲) دوم ہم اگرچہ وجود کے اعتبار سے بعد میں ہیں مگر حقیقت میں پہلے ہیں اس لئے کہ ہماری عبادت کا دن جمعہ کا دن ہے اور یہود ونصاریٰ کے عبادت کے دن ہمارے ایک دو دن بعد ہیں۔

(۴) فرض علیھم: ان پر مقرر کیا گیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ یہود ونصاریٰ بھی جمعہ کا دن منتخب کریں مگر معاملہ چونکہ ان کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا اس لئے جو بھی دن انہوں نے مقرر کیا وہی دن ان کے حق میں برحق قرار پایا۔ (تحفۃ القاری ۳/ ۱۹۶)

الإجابة عن الاسئلة للاختبار السنوی

سوال: ۵۰، صفحہ: ۲

عَنْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰی، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلٰی دُنْیَا یُصِیبُهَا أَوْ إِلٰی امْرَأَةٍ یَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلٰی مَا هَاجَرَ إِلَیْهِ.

(۱۴۲۲ھ)

(الف) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو باب کیف کان بدء الوحی الی رسول الله ﷺ کے تحت ذکر فرمایا ہے، آپ پہلے تراجم کے سلسلہ میں کچھ اُصول جن کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ملحوظ رکھتے ہیں اُن کی تفصیل بیان کریں۔

(ب) پھر اس حدیث کو ترجمۃ الباب پر منطبق کریں۔

(ج) اس حدیث میں ایک ٹکڑا اور ہے و من کانت هجرته الی الله ورسوله الخ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیوں حذف کیا ہے اس کی وجہ بھی بیان کریں۔

الجواب:

(الف) تراجمِ بخاری کے سلسلہ میں چند اُصول:

(۱) کبھی ترجمۃ الباب میں قرآن کریم کی کوئی آیت پیش کرتے ہیں اور اس کو بمنزلۂ متن قرار دیتے ہیں اور بعد میں آنے والی حدیثوں کو بمنزلۂ تفسیر و شرح قرار دیتے ہیں۔

(۲) کبھی ترجمۃ الباب میں احادیث لے آتے ہیں اور اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ مافی الباب کی احادیث میں اشکال تھا کہ وہ کس باب سے متعلق ہیں تو ترجمۃ الباب کی حدیث

سے یہ دفع کر دیتے ہیں یا ترجمۃ الباب کی حدیث میں اشکال تھا تو مافی الباب کی حدیث سے یہ دفع کر دیتے ہیں اور یہ متعین کر دیتے ہیں کہ یہ حدیث فلاں باب سے متعلق ہیں۔

(۳) کبھی کسی حدیث کو باب کا مضاف الیہ وجزء بنا کر لے آتے ہیں اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسئلہ ان کے مسلک و مذہب کے موافق ہے مگر حدیث ان کے شرط کے مطابق نہیں ہے۔

(۴) کبھی استفہام سے ترجمہ قائم کرتے ہیں مثلاً باب هل كذا اور مافی الباب کی حدیث سے اس کا جواب دیتے ہیں یا احادیث متعارضہ دیکھ کر فیصلہ قارئین کے حوالہ کر دیتے ہیں خود کوئی ترجیح قائم نہیں کرتے۔

(۵) کبھی ایسی حدیث سے ترجمہ باندھتے ہیں جو ان کی شرط کے موافق نہیں ہے پھر باب میں اپنی شرط کے مطابق حدیث لاتے ہیں جو اس کی شاہد ہو۔

(۶) کبھی ایسے ایک مذہب کے ساتھ ترجمہ قائم کرتے ہیں جس کا قائل ان سے پہلے کوئی تھا، پھر باب میں ایسی حدیث پیش کرتے ہیں جو کسی حیثیت سے اس پر دلالت کرتی ہے لیکن خود ترجیح قائم نہیں کرتے، جیسا کہ باب من قال كذا.

(۷) کبھی ایسے ایک مسئلہ کے ساتھ ترجمہ لائیں گے جس میں احادیث مختلف ہیں وہ سب حدیثیں پیش کر دیں گے تاکہ فقہاء کرام اپنے اپنے اجتہاد سے کسی جہت کو متعین کریں۔

(۸) کبھی کسی مسئلہ میں ادلہ متعارض ہوں گی اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وجہِ تطبیق ہوگی اور ہر ایک کا الگ الگ محمل ہوگا تو امام بخاری اسی محمل کے ساتھ ترجمہ قائم کریں گے جس سے صرف ایک حدیث کی مناسبت ہوگی اور بقیہ احادیث اس کی مؤید ہوں گی ایسی حالت میں ہر ہر حدیث کی مناسبت تلاش کرنا بے جا ہوگا۔

(۹) کبھی جملہ احادیث کے مضمون کے ساتھ باب کی مناسبت ہوگی۔

(۱۰) کبھی ترجمہ میں صرف آیات وآثار پیش کریں گے اور کوئی حدیث نہیں لائیں گے اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایسے مضمون کی کوئی حدیث ان کی شرط کے موافق نہیں ہے۔

(۱۱) کبھی باب بغیر ترجمہ لائیں گے تو وہ باب کالفصل من الباب السابق ہوگا یعنی وہ باب، سابق باب سے فی الجملہ مناسبت رکھتا ہوگا اور فی الجملہ دونوں میں فرق بھی ہوگا اور کبھی ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ طالبِ علم خود ہی باب قائم کریں اور ان کو باب قائم کرنے کی استعداد ہو۔

(۱۲) کبھی ترجمہ قائم کریں گے اور حدیث نہیں لائیں گے یہ بتانے کے لئے کہ تم مناسب حدیث لے آؤ۔

(۱۳) کبھی مکرر باب لائیں گے لیکن پہلا اجمالی دوسرا تفصیلی ہوگا یا پہلا بلا سند ہوگا، دوسرا مع السند ہوگا۔

(۱۴) کبھی ایک قسم کے دو باب لائیں گے لیکن دونوں کے معنیٰ الگ الگ ہوں گے۔

(ب):

حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب سے سوال نمبر ۱ میں گزر چکی ہے۔

(۱) اور حضرت شاہ صاحب نے ایک مناسبت اس طرح بھی ذکر فرمائی ہے کہ وحی کا تعلق ورودِ اعمال کے ساتھ ہے اور نیت کا تعلق صدورِ اعمال کے ساتھ ہے۔

ورودِ اعمال کا مطلب یہ ہے کہ اوامر ونواہی کے ذریعہ عامل کو مکلف بنانا اور وہ وحی پر موقوف ہے اور صدورِ اعمال کا مطلب یہ ہے کہ اس ورودِ اعمال کے بعد مکلف بہ پر تکلیف کے ماتحت عمل کرنا اور یہ نیت پر موقوف ہے پس وحی ورودِ اعمال کا مبدأ ہوا اور نیت صدورِ اعمال کا مبدأ ہوا اور وحی کے بغیر اچھا کام نہیں ہوسکتا اور نیت کے بغیر اچھا کام فائدہ مند نہیں ہوسکتا اس سے مناسبت ظاہر ہوگئی ہے۔

(۲) علامہ ابن المنیر فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہجرت کا ذکر ہے اور ہجرت سے مناسبت اس طور پر ثابت ہوگی کہ ہجرت الیٰ غارِ حراء نزولِ وحی کا مقدمہ ہے اور ہجرت الی المدینہ ظہورِ وحی کا مبدأ ہے اس اعتبار سے حدیث کی مناسبت باب الوحی سے ظاہر ہے۔

(ج):

من کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ کوحذف کرنے کی وجہ:

(۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیثِ مذکور کے اس جزء کو اِس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے حذف کیا ہے کہ جس طرح ہجرت کی دوقسموں میں سے ایک قسم معتبر اور ایک غیر معتبر ہے اسی طرح وحی کی بھی دوقسمیں ہونی چاہئیں ایک معتبر اور ایک غیر معتبر اور وحی ربّانی کا معتبر ہونا قرآن سے ثابت ہے پس دوسری قسم وحی شیطانی ہوگی جو غیر معتبر ہے۔

(۲) اس جزء کو حذف کر کے ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ احادیث میں حذف کر کے اختصار کرنا جائز ہے یا نہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی حدیث میں حذف کر کے اپنا مذہب بیان کر دیا کہ حذف کرنا جائز ہے۔

(تحفۃ القاری ۱/۱۲۱)

سوال: ۵۱، صفحہ: ۲

أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَحْيُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْيَانًا يَأْتِينِي مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ فَيُفْصَمُ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ، وَأَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلاً فَيُكَلِّمُنِي فَأَعِي مَا يَقُولُ.

(۱۴۱۸ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مثل صلصلة الجرس کی تشریح کرتے ہوئے علماء کے اقوال کو ذکر کریں۔

(ج) اور بتلائیں کہ قرآن کا نزول ان دونوں قسموں میں سے کس قسم میں داخل ہے۔

(د) نیز وحی کے نزول کی صرف یہی دو شکل نہیں ہیں جیسا کہ آیتِ قرآنی مَا کَانَ

لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا الخ سے معلوم ہوتا ہے اس لئے حدیث میں دو شکل پر اکتفاء کرنے کی وجہ تحریر کریں۔

(ہ) یہ حدیث باب کیف کان بدء الوحی کے تحت مذکور ہے ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح کریں۔

الجواب:

(الف):

اِس کا جواب سوال نمبر ۲ میں گزر چکا ہے۔

(ب):

مثل صلصلة الجرس کی تشریح: اور ایک روایت میں ہے مثل صلصلة الجرس علیٰ صفوان. صفوان کے معنیٰ ہیں: چکنا پتھر، اگر کوئی شخص زنجیر لے کر چکنے پتھر پر دوڑے تو ایک مسلسل آواز اور جھنکار پیدا ہوگی، آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جو وحی آتی ہے وہ اس آواز کے مانند ہوتی ہے وحی کی اس صورت میں آنحضور ﷺ کو کوئی نظر نہیں آتا تھا اور آواز بھی آپ ﷺ اکیلے سنتے تھے، آپ ﷺ کے پاس جو صحابہ موجود ہوتے تھے وہ اس آواز کو نہیں سنتے تھے۔

علماء کے اقوال صوت مسلسل کے بارے میں:

(۱) حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے کی آواز۔

(۲) وحی کی آواز بطور تنبیہ کی جاتی تھی۔

(۳) حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اصلی آواز ہوتی تھی۔

(۵) حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پروں کی آواز ہوتی تھی۔

(٦) لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آواز ہوتی تھی اور یہ مسئلہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التوحید میں چھیڑا ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/۱۳۱)

(ج):

قرآنِ کریم کا نزول دوسری قسم یتمثل لی الملك رجلا فیکلمنی میں داخل ہے۔

(د) اور (ہ) کا جواب سوال نمبر ۲ میں گزر چکا ہے۔

سوال: ۵۲، صفحہ: ۳

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالىٰ: لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ. قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيلِ شِدَّةً، وَكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالىٰ: لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ. قَالَ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا أَنْ تَقْرَأَهُ. فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيلُ اسْتَمَعَ فَإِذَا انْطَلَقَ جِبْرِيلُ قَرَأَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَرَأَهُ.

(۱۴۲۳ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) وکان مما یحرک من لفظ مما کثرت سے کس معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے کیا مما میں "من" ابتدائیہ مراد لینا صحیح ہے۔

(ج) ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہونٹ کو حرکت دیتے تھے اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان کو حرکت دیتے تھے ان دونوں میں مطابقت کس طرح ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قرانہ کی تفسیر تقرأہ سے پھر بیانہ کی تفسیر بھی ان تقرأہ سے کررہے ہیں جس سے بظاہر تکرار لازم آتا ہے اس کا جواب تحریر کریں۔

(ہ) امام بخاری نے اس حدیث کو باب کیف کان بدء الوحی الیٰ رسول

اللہ ﷺ کے تحت ذکر فرمایا ہے باب کا مقصد اور حدیث کی باب سے مطابقت تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت پاک "لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ" (آپ ﷺ قرآن کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلائیں تاکہ اس کو جلدی یاد کرلیں) کی تفسیر میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نزولِ قرآن کی وجہ سے سختی برداشت کرتے تھے اور آپ ﷺ ان لوگوں میں سے تھے جو ہونٹ ہلاتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں: "آپ قرآن کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلائیں تاکہ اس کو جلدی لے لیں بیشک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا یعنی یاد کرانا"۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن کو آپ ﷺ کے سینوں میں جمع کر دینا اور آپ ﷺ اس کو لوگوں کے سامنے پڑھیں گے یعنی پڑھوانا بھی ہمارے ذمہ ہے پس جب ہم (یعنی جبرئیل علیہ السلام) اس کو پڑھیں تو آپ ﷺ اس پڑھنے کی پیروی کریں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا آپ غور سے سنیں اور خاموش رہیں، پھر بیشک ہمارے ذمہ ہے اس کو کھولنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پھر بیشک ہمارے ذمہ ہے کہ آپ ﷺ اس کو پڑھیں پس اس کے بعد جب جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تو آپ ﷺ بغور سنتے پھر جب وہ چلے جاتے تو آپ ﷺ اسی طرح قرآن پڑھتے جس طرح جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو پڑھایا تھا۔

(ب):

مما یحرك میں علماء کے چند اقوال ہیں:

(۱) ابن طاہر فرماتے ہیں: "مما" مرکب ہے "من" اور "ما" سے "من" کے نون کا

"ما" کی میم میں ادغام کردیا گیا اور قاعدہ یہ ہے کہ جب "من" کے بعد متصلا "ما" آجائے تو اس کے معنیٰ "ربما" کے ہوتے ہیں اور "ربما" قلیل وکثیر دونوں معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے جیسا قرینہ ہو اسی لحاظ سے معنیٰ متعین کئے جاتے ہیں یہاں قرینہ مقام کی وجہ سے کثرت کے معنیٰ مراد لئے گئے ہیں۔

(۲) علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ "ما" موصولہ ہے "من" کے معنیٰ میں ہے اگرچہ لفظ "ما" غیر ذوی العقول کے لئے ہے لیکن کبھی مجازاً ذوی العقول کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اس صورت میں حاصل عبارت یہ ہوگا: كان رسول الله ﷺ ممن يحرك شفتيه.

(۳) بعض لوگوں نے "من" کو سببیہ اور "ما" کو مصدریہ قرار دیا ہے لیکن اس میں ضعف ہے اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شدت تحرک شفتین کی وجہ سے ہوتی تھی حالانکہ آپ ﷺ کو جو شدت ہوتی تھی وہ نفسِ وحی کی وجہ سے ہوتی تھی۔

(۴) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "مما" کا کثیرا کے معنیٰ میں استعمال ہونا زیادہ ہے۔

(۵) بعض لوگوں نے "مما" میں "من" کو ابتدائیہ کے لئے مانا ہے ففی هٰذه الصورة يرجع ضمير كان الى العلاج الذى يستفاد من كلمة يعالج السابقة كما يرجع ضمير هو فى قوله تعالىٰ "اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى" الى العدل المستفاد من اعدلوا فالمعنى كان العلاج ناشئا من تحرك شفتيه.

(عمدۃ القاری ۱/ ۷۲۔ فتح الباری ۱/ ۲۸)

(ج):

ہونٹ اور زبان ان دونوں میں مطابقت اس طور پر ہوگی کہ شفتین کا ذکر علی سبیل الاکتفاء ہے اور اکتفاء میں اُمورِ متعددہ میں سے کسی ایک کو ذکر کرکے دوسری چیزوں کو حذف کردیتے ہیں، جیسا کہ ارشادِ باری میں ہے رَبُّ الْمَشَارِقِ حالانکہ اللہ تعالیٰ رَبُّ

الْمَغَارِبِ بھی ہیں اسی طرح یہاں بھی روایت میں شفتین کے ذکر پر اکتفا کیا گیا اور لسانہ کو حذف کر دیا گیا ہے اس کی دلیل یہ روایت بخاری شریف کی کتاب التفسیر اور بدء الوحی میں دونوں الفاظ یعنی لسان اور شفتین دونوں کے ساتھ منقول ہے۔

(د):

قرآنه وبيانه کی تفسیر میں تکرار نہیں ہے، کیونکہ پہلے تقرأ سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام پڑھتے تھے اور آپ ﷺ ان کو وحی سناتے تھے یعنی قراءت بنفسہٖ مراد ہے اور دوسرے تقرأ کے معنیٰ ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے جانے کے بعد لوگوں کو وہ وحی سناتے تھے یعنی عندغیرہٖ کی قراءت مراد ہے۔

فائدہ: لیکن ایک تفسیر علامہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اس میں فرق بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ پہلے قرٰانہ کا مطلب لوگوں کو سنانا یعنی اللہ کے ذمہ ہے وحی آپ ﷺ کے دل ودماغ میں محفوظ کردینا پھر لوگوں کے سامنے اس کو پڑھوانا اور بیانہ کا مطلب ہے وحی کی تبیین وتشریح بھی اللہ کے ذمہ ہے۔

(ہ):

ترجمۃ الباب کا مقصد سوال نمبر ۲ میں گزر چکا ہے۔

باب سے مناسبت: باب تھا وحی کی تاریخ از ابتداء تا انتہاء اور اس حدیث میں وحی کی ایک خاص حالت کا بیان ہے اور اس خاص حالت میں ایک ہدایت ہے پس باب سے مناسبت ہوگئی۔ (تحفۃ القاری ۱/۱۵۲)

سوال: ۵۳، صفحہ: ۳

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ، وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ، وَكَانَ

يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ، فَلَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ.

(۱۴۲۰-۱۴۲۸ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب لکھیں۔

(ب) اس کا باب کیف کان بدء الوحی سے کیا تعلق ہے اس کو ایسی وضاحت سے تحریر فرمائیں کہ جس سے باب اور حدیث میں مناسبت واضح ہو جائے۔

(ج) وکان اجود مایکون فی رمضان کی ترکیب کریں خاص طور سے کان کی خبر کو واضح کریں۔

(د) مشہور ہے کہ آپ ﷺ کو نبوت چالیس (۴۰) سال میں ملی اور آپ ﷺ کی پیدائش ربیع الاوّل میں ہے تو پہلی وحی ربیع الاوّل میں ہونی چاہئے، ان سب اُمور کو پیش نظر رکھ کر حدیث کی باب سے مناسبت قائم کریں۔

الجواب:

(الف، ب، ج) تینوں جزوں کے جواب، سوال نمبر ۲ میں گزر چکے ہیں۔

(د):

تمام محدثین و مورخین کا اتفاق ہے کہ پیر کے دن پہلی وحی نازل ہوئی ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ کس مہینے میں وحی آئی؟ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ماہ ربیع الاوّل کی آٹھ تاریخ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا، پس بعثت کے وقت ٹھیک آپ ﷺ کی عمر چالیس سال تھی اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ سترہ رمضان المبارک کو نبوت ملی اور سترہ رمضان کو پہلی وحی آئی پس بعثت کے وقت آپ ﷺ کی عمر چالیس سال چھ ماہ تھی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اسی قول کو راجح قرار دیا اور بعض حضرات نے دونوں قول کو جمع کیا ہے اس طرح کہ نبوت و رسالت کی تمہید یعنی رویائے

صالحہ کی ابتداء ربیع الاوّل سے ہوئی اور باقاعدہ وحی کا سلسلہ چھ ماہ بعد سترہ رمضان المبارک سے شروع ہوا۔ (تحفۃ القاری ۱/۱۳۸)

سوال: ۵۴، صفحہ: ۳

(۱۴۰۶ھ)

(الف) تحریر فرمائیں کہ ایمان بسیط ہے یا مرکب؟ اہلِ سنت والجماعت اور فرقِ باطلہ کے مذاہب اور اہلِ سنت والجماعت کے مختلف نظریات لکھیں۔

(ب) ان میں سے جو مسلک قابلِ ترجیح ہو اس کو مدلل کریں۔

(ج) محدثین کرام کا نقطۂ نظر بیان کریں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں کیا ارشاد فرمایا ہے وہ بھی تحریر کریں۔

الجواب:

''الف اور ب'' کا جواب سوال نمبر ۵ میں گزر چکا ہے۔

(ج):

محدثین میں سے جنہوں نے ایمان کو مرکب کہا وہ کمالِ ایمان کے اعتبار سے اور جنہوں نے بسیط کہا وہ نفسِ ایمان کے اعتبار سے پس ان دونوں کے درمیان اختلاف لفظی ہے نہ کہ حقیقی ہے۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں معتزلہ کا غلبہ تھا اور وہ اعمال کو ایمان کا حقیقی جزء کہتے تھے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کا رد کرتے ہوئے کہا کہ ایمان بسیط ہے اور اعمال ایمان کا جزءِ حقیقی نہیں ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دَور میں مرجیہ اور کرامیہ کا غلبہ تھا اور وہ اعمال کو ایمان

سے بالکل بے جوڑ بتلاتے تھے تو امام شافعی نے ان کا رد کرتے ہوئے کہا کہ ایمان مرکب ہے اور اعمال ایمان کے لئے ضروری ہے۔

امام بخاری بھی اس سلسلہ میں محدثین کے ساتھ ہیں۔

سوال:۵۵، صفحہ:۵

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ وَهُوَ قَوْلٌ وَفِعْلٌ وَيَزِيْدُ وَيَنْقُصُ قَالَ اللهُ تَعَالٰى لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى وَقَالَ مَعَاذ رَضِيَ اللهُ عَنْه اِجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنُ سَاعَةً وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَلْيَقِيْنُ اَلْاِيْمَانُ كُلُّهٗ.

(۱۴۱۵ھ)

(الف) ترجمۃ الباب کا مقصد متعین فرمایئے اس کے بعد بتایئے کہ ایمان بسیط ہے یا مرکب؟

(ب) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات و آثار سے اپنے مدعیٰ پر کس طرح استدلال کیا ہے، امام بخاری کا نزاع کس سے ہے؟ احناف کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے مدلل لکھیں۔

الجواب:

پورے سوال کا جواب سوال نمبر ۵ میں گزر چکا ہے۔

امام بخاری کا نزاع فرقِ باطلہ سے ہے نہ کہ احناف سے۔

سوال:۵۶، صفحہ:۷

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِاللهِ وَاَنَّ الْمَعْرِفَةَ

فِعْلُ الْقَلْبِ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالیٰ: وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ.
(۱۴۱۳ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) اس باب کا کتاب الایمان سے کیا تعلق ہے؟
(ج) آپ ﷺ نے یہ جملہ کس وقت فرمایا؟ امام بخاری کا مقصد کیا ہے؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ: نبی ﷺ کے ارشاد میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور معرفت دل کا فعل ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد بلکہ ان قسموں پر دارو گیر کریں گے جو تمہارے دلوں نے کمائی ہیں کی بنا پر۔

(ب):

باب کا کتاب الایمان سے تعلق:

(۱) باب کا کتاب الایمان سے تعلق بایں طور کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور تصدیق علم کی ایک قسم ہے اور علم تصدیق کے واسطہ سے ایمان کا ایک جزء ثابت ہوا اور جزء وکل کے درمیان مناسبت ظاہر ہے پس باب کی کتاب الایمان سے مناسبت بھی ظاہر ہوگئی۔

(۲) علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معرفت اور علم باللہ دونوں کا اطلاق ایمان پر ہوتا ہے لہٰذا کتاب الایمان سے مناسبت واضح ہے۔

(ج):

آپ ﷺ نے یہ جملہ اس وقت فرمایا تھا جب تین صحابی حضرت علی رضی اللہ عنہ،

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ امہات المؤمنین کی خدمت میں آئے اور حضور ﷺ کی عبادت کے متعلق استفسار کیا تا کہ خود بھی اپنی زندگی میں وہ اعمال اتاریں جب انہیں آپ ﷺ کے اعمال کی خبر دی گئی توانہوں نے اس کو زیادہ نہیں سمجھا اور خیال کیا کہ جب آپ مغفور ہونے کے باوجود اتنے اعمال کرتے ہیں تو ہم عاصی و گنہگار کو تو اور زیادہ عبادت کرنی چاہئے لہٰذا ان میں سے کسی نے عہد کیا کہ ساری رات نفلیں پڑھوں گا، کسی نے عہد کیا کہ میں پوری زندگی روزہ رکھوں گا، تیسرے نے کہا کہ میں بیوی سے کبھی نہیں ملوں گا، پھر جب آپ ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو ان صحابہ کو بلا کر تحقیقِ واقعہ کی، انہوں نے اس کا اقرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں سوتا بھی ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، ہمبستری بھی کرتا ہوں، انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ جیسے نہیں ہیں، آپ تو مغفور ہیں پس آپ کے لئے تھوڑی عبادت بھی کافی ہے، مگر ہمارے لئے تھوڑی عبادت کافی نہیں، اس بات پر آپ ﷺ ناراض ہوئے چہرے سے غصہ محسوس ہونے لگا اور فرمایا: ان اتقاکم واعلمکم باللہ انا.

(د):

امام بخاری کا مقصد:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معرفت اور علم قلب کا فعل ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے سورہ بقرہ کی آیت: "لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ" لائے یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری بیہودہ قسموں پر پکڑ نہیں کریں گے، بلکہ ان قسموں پر دارو گیر کریں گے جو تمہارے دلوں نے کمائی ہیں یعنی جو قسمیں تم نے جان بوجھ کر کھائی ہیں ان پر مواخذہ ہوگا، جان بوجھ کر قسم کھانا معرفت ہے اور اس کی نسبت قلوب کی طرف کی گئی ہے معلوم ہوا کہ معرفت دل کا فعل ہے اور علم و معرفت ایک چیز ہیں پس علم بھی دل کا فعل ہوا۔

سوال: ۵۷، صفحہ: ۸

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ. وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ، ثُمَّ يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى أَخْرِجُوا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ. فَيُخْرَجُونَ مِنْهَا قَدِ اسْوَدُّوا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرِ الْحَيَاءِ أَوِ الْحَيَاةِ. شَكَّ مَالِكٌ فَيَنْبُتُونَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي جَانِبِ السَّيْلِ، أَلَمْ تَرَ أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً قَالَ وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرٌو الْحَيَاةِ وَقَالَ خَرْدَلٍ مِنْ خَيْرٍ.

(۱۴۳۷ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) یہ حدیث باب تفاضل اهل الایمان کی ہے آپ حدیث کی باب سے مطابقت بیان کریں۔

(ج) ایمان مرکب ہے یا بسیط اور ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں؟ اسلامی فرقوں کا اختلاف مفصل و مدلّل لکھیں اور بتائیں کہ اہلِ حق کے درمیان اختلاف کس نوعیت کا ہے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے اور جہنمی جہنم میں تو اللہ تعالیٰ (سفارش کرنے والوں سے) فرمائیں گے تم ہر اُس شخص کو جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان (یا خیر) ہے اس کو جہنم سے نکال لو پس وہ جہنم سے نکالے جائیں گے درآنحالیکہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، پھر ان کو نہر حیات

میں ڈالا جائے گا، پس وہ اس میں سے نکلیں گے جیسے دانہ نالے کی جانب میں اُگتا ہے
کیا نہیں دیکھتا تو کہ وہ پیلا لپٹا ہوا نکلتا ہے۔

(ب) باب سے حدیث کا تعلق:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں جو من ایمان کا لفظ آیا ہے اس کو اصل مان کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور حدیث میں ہے کہ کسی کا ایمان رائے کے دانے کے برابر ہوتا ہے، کسی کا اس سے زیادہ اور کسی کا پہاڑ جیسا پس حدیث کا باب سے تعلق ظاہر ہو گیا ہے۔

(ج):

اس جزء کا جواب سوال نمبر ۵ میں گزر چکا ہے۔

سوال: ۵۸، صفحہ: ۸

بَابُ إِذَا لَمْ يَكُنِ الإِسْلاَمُ عَلَى الْحَقِيقَةِ وَكَانَ عَلَى الاِسْتِسْلاَمِ أَوِ الْخَوْفِ مِنَ الْقَتْلِ. لِقَوْلِهِ تَعَالَى: قَالَتِ الأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا. فَإِذَا كَانَ عَلَى الْحَقِيقَةِ فَهُوَ عَلَى قَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الإِسْلاَمُ. الآية عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى رَهْطًا وَسَعْدٌ جَالِسٌ، فَتَرَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً هُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَا لَكَ عَنْ فُلاَنٍ فَوَاللهِ إِنِّي لأَرَاهُ مُؤْمِنًا. فَقَالَ أَوْ مُسْلِمًا فَسَكَتُّ قَلِيلاً، ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُ لِمَقَالَتِي فَقُلْتُ مَا لَكَ عَنْ فُلاَنٍ فَوَاللهِ إِنِّي لأَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ أَوْ مُسْلِمًا ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُ لِمَقَالَتِي وَعَادَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا سَعْدُ، إِنِّي

لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ، خَشْيَةَ أَنْ يَكُبَّهُ اللهُ فِي النَّارِ.

(۱۴۲۸-۱۴۱۴-۱۴۲۴ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) او الخوف من القتل کا معطوف علیہ متعین کریں۔

(ج) اسی طرح اذا لم یکن الاسلام کی ایسی جزاء محذوف تحریر کریں کہ آیت شریفہ اور حدیث سے استدلال اور ان کو اس پر منطبق کرنا صحیح ہو سکے، نیز بتائیے کہ حضور ﷺ کے مؤمنا کہنے سے منع کرنے کے باوجود حضرت سعد مؤمنا کہتے ہیں اس کی ایسی توجیہ کریں جو حضرت سعد کی شان کے مطابق ہو۔

(د) اس ترجمۃ الباب کا مقصد متعین کریں۔

الجواب:

پورے سوال کا جواب سوال نمبر ۱۰ میں گزر چکا ہے۔

صرف قولِ سعد کی توجیہ باقی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ایک مسئلہ سمجھایا ہے کہ اُمورِ غیبیہ میں قطعی حکم نہیں لگانا چاہئے، کفر و ایمان غیبی اُمور ہیں پس کسی کو قطعی طور پر کافر یا مسلمان نہیں کہنا چاہئے۔

مگر سعد رضی اللہ عنہ کو اس کی ظاہری حالت کے شریعت کے مطابق ہونے کی وجہ سے جو حسنِ ظن تھا اس کی وجہ سے وہ ایک طرح معذور تھے اور حضور ﷺ کی بات کی طرف توجہ نہیں کر سکے۔

سوال: ۵۹، صفحہ: ۹

بَابُ كُفْرَانِ الْعَشِيرِ وَكُفْرٌ دُونَ كُفْرٍ اس باب کے تحت حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ يَكْفُرُونَ الْعَشِيرَ وَيَكْفُرُونَ الْإِحْسَانَ کو ذکر کیا ہے اس کے بعد بَابُ الْمَعَاصِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَلَا يُكَفَّرُ صَاحِبُهَا بِارْتِكَابِهَا إِلَّا

بِالشِّرْكِ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ. وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا.

(۱۴۲۵ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) کتاب الایمان میں ان دونوں بابوں کو ذکر کرنے کا مقصد تحریر کریں۔

(ج) انك امرأ فيك جاهلية میں خطاب کس کو ہے ولا يكفر صاحبها الخ میں دعویٰ کے ساتھ دلیل بھی مذکور ہے اس کی وضاحت کر کے دونوں تراجم کو ثابت کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: شوہر کی ناشکری اور کفر اور کفر برابر نہیں کا بیان اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا عورتیں شوہروں کا انکار کرتی ہیں اور احسانوں کا انکار کرتی ہیں، معاصی اُمورِ جاہلیت سے ہیں مگران کا مرتکب کافر نہیں مگر یہ کہ شرک کرے اس لئے کہ نبی ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابھی تمہارے اندر جاہلیت کی خصلت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بیشک اللہ تعالیٰ شرک کو تو معاف نہیں کریں گے اور اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہیں گے بخش دیں گے۔
اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔

(ب):

کتاب الایمان میں ان دونوں بابوں کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ابوابِ سابقہ میں اعمالِ صالحہ ایمان کے جزء ہونے اور ایمان کے مختلف درجات کو مثبت پہلو سے بیان فرمایا

اب یہاں سے ایمان کے مقابل اور ضد اعمال سیئہ کا ایمان کے منافی ہونے اور کفر کے مختلف درجات کو منفی پہلو سے بیان فرمائیں گے کیونکہ قاعدہ ہے وبضدھا تتبین الاشیاء.

(تحفۃ القاری ۱/۲۴۵)

(ج):

انك امرأ فيك جاهلية میں خطاب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ہے۔

باب المعاصی من أمور الجاهلية ولا يكفر صاحبها بارتكابها الا بالشرك

اس باب کے دو جزء ہیں اور دو جز دو دعوے ہیں۔

(۱) پہلا جز اور دعویٰ: المعاصی من أمور الجاهلية کہ معاصی جاہلیت کی باتیں ہیں اور وہ ایمان کے منافی ہیں۔

اس کی دلیل: آنحضور ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو آپ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو گالی دی اس سے کہا: او کالی کے، اِس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اس کی ماں کو گالی دی انك امرأ فيك جاهلية تم ایسے شخص ہو جس میں جاہلیت کی باتیں ہیں۔

اور ظاہر ہے جاہلیت کی بات ایمان کے منافی ہوتی ہے پس اس کی ضد ایمان سے ہم آہنگ ہوگی۔ (تحفۃ القاری ۱/۲۴۸)

(۲) دوسرا جزء اور دعویٰ: لا يكفر صاحبها بارتكابها الا بالشرك کہ مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج نہیں ہے۔

اس کی دو دلیل لائے: (۱) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ. بیشک اللہ تعالیٰ شرک کو تو معاف نہیں کریں گے اور اس کے جس گناہ کو چاہیں گے بخش دیں گے۔

معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ کی بھی بخشش ہوگی پس وہ کافر نہیں۔

(۲) وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا.

اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ مسلمانوں کا باہم جھگڑنا گناہِ کبیرہ ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دونوں جماعتوں کو مؤمنین جماعتیں کہا معلوم ہوا کہ مرتکبِ کبیرہ اسلام سے خارج نہیں ہے۔

سوال: ۶۰، صفحہ: ۹

بَابُ الْمَعَاصِيْ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَلَايُكَفَّرُ صَاحِبُهَا بِارْتِكَابِهَا إِلاَّ بِالشِّرْكِ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالیٰ: إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ. وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا. عَنِ الأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ ذَهَبْتُ لِأَنْصُرَ هٰذَا الرَّجُلَ، فَلَقِيَنِي أَبُوبَكْرَةَ فَقَالَ أَيْنَ تُرِيدُ قُلْتُ أَنْصُرُ هٰذَا الرَّجُلَ. قَالَ ارْجِعْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ قَالَ إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهٖ.

(۱۴۲۱-۱۴۲۷-۱۴۱۶-۱۴۱۹ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) اس باب کو کتاب الایمان میں ذکر کرنے کا مقصد تحریر کریں۔

(ج) هٰذا الرجل کا مشارٌ الیہ کون ہے؟ صحابہ کا باہمی قتال اس حدیث کے تحت آتا ہے یا نہیں اگر نہیں آتا تو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا اس موقع پر اس حدیث کو پڑھنے کا سبب کیا ہے؟

(د) اس عبارت میں دو دعوے مذکور ہیں، آپ ہر دعویٰ کو الگ الگ تحریر کریں نیز اس کی دلیل بھی اس دعویٰ کے ساتھ ذکر کریں۔

الجواب:

(الف):

عن الاحنف الخ سے پہلے تک عبارت کا ترجمہ سوال نمبر ۵۹ میں گزر چکا ہے۔

ترجمہ: احنف بن قیس فرماتے ہیں میں گھر سے نکلا تا کہ اس شخص کی مدد کروں راستہ میں میری حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے جواب دیا میں اس شخص کی مدد کے ارادہ سے نکلا ہوں، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا واپس لوٹ جاؤ اس لئے کہ میں نے رسول للہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان باہم بھڑیں اپنی تلواروں کے ساتھ تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم رسید ہوں گے، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! قاتل کا جہنم میں جانا تو سمجھ میں آیا مگر مقتول جہنم میں کیوں گیا یعنی وہ تو مظلوم ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس لئے کہ وہ اپنے بھائی کو مارنے کا پختہ ارادہ کر کے گھر سے نکلا تھا۔

(ب):

اس کا جواب سوال نمبر ۵۹ میں گزر چکا ہے۔

(ج):

ھٰذا الرجل کا مشار الیہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث کا مصداق ذاتی اور انفرادی جھگڑے ہیں اجتہادی خطا کی بنا پر ہونے والے جھگڑے حدیث کا مصداق نہیں، پس صحابہ کرام کا باہمی قتال اس حدیث کے تحت نہیں آتا ہے، کیونکہ وہ اجتہادی خطا کی بنا پر ہوا تھا۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا اس موقع پر اس حدیث کو پڑھنے کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو اپنے عموم پر حمل کیا، چنانچہ قال الحافظ فی فتح الباری

وحمل ابوبکرة الحدیث علیٰ عمومہٖ فی کل مسلمین التقیا بسیفیھما حسما للمادہ. یا ان کے نزدیک یہ بات ظاہر نہ ہو سکی کہ حق پر کون ہے چنانچہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ بالکل کنارہ کش اور الگ رہے۔

(د):

اس کا جواب سوال نمبر ۵۹ میں گزر چکا ہے۔

سوال:۶۱، صفحہ:۱۰

بَابُ عَلَامَةِ الْمُنَافِقِ. عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ.

(۱۴۰۸-۱۲-۱۴۱۲ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) بتلائیے کہ یہ باب امام بخاری نے کس کتاب میں منعقد کیا ہے؟ مقصد ترجمہ کیا ہے؟

(ج) نفاق سے مراد نفاق فی الایمان ہے یا نفاق فی العمل یا دونوں مراد ہو سکتے ہیں؟

(د) پھر یہ بتائیے کہ منافق سے کوئی خاص معین شخص مراد ہے یا تمام منافقین کا یہی حال ہوتا ہے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: منافق کی علامتیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں: (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے

(۲) جب وعدہ کرے خلاف کرے (۳) اور جب اس کو امانت سونپی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

(ب):

یہ باب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الایمان میں منعقد کیا ہے۔

اس باب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ کذب و فجور اور عہد شکنی وغیرہ جب ایمان کے منافی اعمال ہیں پس ان کی اضداد ایمان کا جزء ہوں گی۔

جیسے ایمان کے مختلف درجات ہیں اسی طرح کفر کی ایک نوع نفاق کے بھی مختلف مراتب اور درجات ہیں، چنانچہ اس کی علامت بتاتے ہیں کہ جس میں زیادہ علامات ہیں وہ پکا منافق ہے اور جس میں کم ہیں وہ ناقص ہے پس معلوم ہوا کہ نفاق کے بھی مختلف درجات ہیں۔

وقال الشیخ محی الدین مرادالبخاری بهذه الترجمة ان المعاصی تنقص الایمان کما ان الطاعة تزیده.

وقال الکرمانی مناسبة هذا الباب لکتاب الایمان ان النفاق علامة عدم الایمان اولیعلم منه ان بعض النفاق کفر دون بعض.

(فتح الباری ۱/۱۱۱)

(ج):

اکثر علماء کے نزدیک ان حدیثوں کا مصداق نفاقِ عملی ہے، کیونکہ نفاقِ اعتقادی نبی ﷺ کے زمانہ میں تھا، یعنی دورِ نبوت میں اس کا پتا چلتا تھا اب عام طور پر اس کا پتا نہیں چلتا پس ان دونوں روایتوں میں جو نشانیاں بیان کی گئی ہیں وہ عملی منافق کی ہیں۔

قال الشیخ العثیمین المقصود بالنفاق هنا النفاق العملی لیس النفاق الاعتقادی هکذا قال القرطبی ورجحه الحافظ ابن رجب والحافظ ابن حجر العسقلانی وهذا ارجح الاقوال. (شرح ریاض الصالحین)

اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ دونوں مراد ہو سکتے ہیں، اگر نفاق فی الایمان مراد ہو تو اشکال ہوگا کہ یہ علامتیں بعض مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں تو کیا انہیں بھی منافق قرار دیا جائے گا، حالانکہ جمہور علماء کے نزدیک ایسا شخص مؤمن مسلمان رہے گا، پھر حدیث شریف میں نفاق فی الایمان مراد لینا کیسے صحیح ہوگا۔

اس کے علماء نے چند جواب دیئے ہیں: (۱) حضور علیہ کا یہ ارشاد زجر و توبیخ کے لئے ہے تاکہ مسلمان بُری خصلتوں سے حتی الامکان پرہیز کریں۔

قیل المراد باطلاق النفاق الانذار والتحذیر عن ارتکاب ھٰذہ الخصال وان الظاھر غیر مراد وھٰذا ارتضاہ الخطابی.

(فلیراجع: شرح ریاض الصالحین وفتح الباری ۱/ ۱۱۳)

(۲) یہ بات تشبیہ کے قبیل سے ہے یعنی ایسی خصلتوں والا انسان منافق کے مشابہ ہے۔

قیل المقصود بالحدیث ھو تشبیہ المسلم المتصف بھٰذہ الاخلاق الذمیمة بالمنافق فالحدیث علی سبیل المجاز ولیس علی سبیل الحقیقة وھٰذا جواب النبوی. (فلیراجع للتفصیل: فتح الباری ۱/ ۱۱۳)

سوال: ۶۲، صفحہ: ۱۰

بَابُ الصَّلَاةُ مِنَ الإِيمَانِ. وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى: ﴿مَا كَانَ اللهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ يَعْنِي صَلَاتَكُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ.

عَنِ الْبَرَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَوَّلَ مَا قَدِمَ الْمَدِينَةَ نَزَلَ عَلَى أَجْدَادِهِ أَوْ قَالَ أَخْوَالِهِ مِنَ الأَنْصَارِ، وَأَنَّهُ صَلَّى قِبَلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا، أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا، وَكَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ تَكُونَ قِبْلَتُهُ قِبَلَ الْبَيْتِ، وَأَنَّهُ صَلَّى أَوَّلَ صَلَاةٍ صَلَّاهَا صَلَاةَ الْعَصْرِ، وَصَلَّى مَعَهُ قَوْمٌ. وَفِي حَدِيثِهِ هٰذَا أَنَّهُ مَاتَ عَلَى الْقِبْلَةِ قَبْلَ أَنْ تُحَوَّلَ

رِجَالٌ وَقُتِلُوا، فَلَمْ نَدْرِ مَا نَقُولُ فِيهِمْ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ.

(۱۴۲۶-۱۴۲۲ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) آنحضرت ﷺ کا ددھیال وننھیال قریش میں ہے نہ کہ انصار میں پھر انصار کو اجداد واخوال کہنے کا کیا مطلب ہے؟

(ج) الصلوۃ من الایمان کہنے کا مقصد، حدیث میں بیان کردہ واقعہ کی تفصیل، تحویلِ قبلہ کے بعد پہلی نماز کی تعیین مع دلیل تحریر کریں۔

(د) عند البیت سے کیا مراد ہے اس کی تشریح کریں اور مَا كَانَ اللهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ کو اس پر منطبق کریں۔

(ہ) اس آیتِ قرآنی کا شانِ نزول بیان کریں، صحابہ کرام کو کیوں اشکال پیدا ہوا اور آیت سے ان کا کس طرح جواب ہوا۔

(ز) ان حضرات کا اشکال بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے سلسلہ میں ہوا تھا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یعنی صلوتکم عند البیت کہنا کس طرح صحیح ہوا، آپ اس عبارت کا مطلب لکھیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: نماز ایمانی عمل ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد جو نمازیں تم نے بیت المقدس کی جانب پڑھی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ضائع نہیں کریں گے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو پہلے آپ ﷺ اپنے ننہیال میں اُترے اور آپ ﷺ نے سولہ یا سترہ مہینے

بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی اور آپ ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ آپ ﷺ کا قبلہ کعبہ شریف ہو اور پہلی نماز جو آپ ﷺ نے کعبہ شریف کی طرف پڑھی عصر کی نماز پڑھی اور آپ ﷺ کے ساتھ ایک جماعت نے نماز پڑھی۔

اور دوسری سند سے اس حدیث میں یہ اضافہ ہے تحویلِ قبلہ سے پہلے کچھ لوگ وفات پاگئے یا شہید ہوگئے، پس ہم نہ سمجھ سکے کہ اُن کے متعلق کیا کہیں؟ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری: اللہ ایسا نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کردے۔

(ب):

انصار کو اجداد اور اخوال کہنے کی وجہ:

اجداده: جاننا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کے پردادا ہاشم کا نکاح قبیلہ بنوالنجار کی ایک خاتون سلمٰی بنت عمرو سے ہوا تھا اور ماں جس خاندان کی ہوتی ہے وہ ننہیال کہلاتا ہے پس دادی کا خاندان بھی ننہیال ہوا اور ننہیال میں ماموں بھی ہوتا ہے اس لئے اخوالہ کہا اور ایک روایت میں نزل علی بنی النجار اخوال عبدالمطلب کا لفظ ہے۔ آپ ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کے ننہیال میں اُترے یہ حقیقی تعبیر ہے۔

(تحفۃ القاری ۱/۲۶۵)

(ج):

الصلوٰۃ من الایمان کہنے سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ اس بات کا اثبات ہے کہ اعمالِ صالحہ ایمان کا جزء ہیں اور ایمان کی ماہیت میں داخل ہیں اور انہوں نے اس پر آیتِ کریمہ سے استدلال فرمایا کہ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ میں ایمانکم سے صلوٰتکم مراد ہے یعنی جو نمازیں تم نے بیت المقدس کی جانب پڑھی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ضائع نہیں کریں گے، پس اس آیت میں نماز کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ اعمالِ صالحہ ایمان کا جزء ہے۔

حدیث میں بیان کردہ واقعہ کی تفصیل:

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آنحضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ اپنے ننھیال میں فروکش ہوئے، مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد آپ ﷺ نے سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، لیکن آپ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ بیت اللہ کو قبلہ قرار دیا جائے۔

آنحضور ﷺ کی بعثت ملتِ ابراہیمی، اسماعیلی پر ہوئی ہے، ابراہیمی، یعقوبی بنی اسرائیل کہلاتے ہیں اوران کا قبلہ بیت المقدس تھا اور عرب ابراہیمی، اسماعیلی ہیں اوران کا قبلہ بیت اللہ تھا اور مسجد اقصیٰ کو قبلہ مقرر کرنے میں ایک مصلحت یہ تھی کہ مدینہ منورہ کی بڑی آبادی یہودیوں کی تھی ان کو اسلام سے قریب لانے کے لئے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا عارضی حکم دیا گیا تھا، مگر یہ یہود بے بہود قریب تو کیا آتے اُلٹا انہوں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ محمد ﷺ آہستہ آہستہ دینِ یہود کی طرف آرہے ہیں وہ عنقریب مذہب یہود قبول کرلیں گے۔

غرض تحویلِ قبلہ کا یہ مقصد پورا نہ ہوا تو سولہ یا سترہ مہینے کے بعد دوبارہ تحویل ہوئی اس وقت آنحضور ﷺ بنوسلمہ کے ایک نوجوان صحابی بشیر بن براء کے جنازے میں شرکت کے لئے ان کے محلہ میں تشریف لے گئے تھے اور مسجد بنوسلمہ میں ظہر پڑھا رہے تھے، آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھائی تھیں کہ نماز میں وحی نازل ہوئی اور آپ ﷺ اور صحابہ شمال کی جانب سے جنوب کی جانب گھوم گئے اور باقی دو رکعتیں کعبہ کی طرف پڑھیں، مدینہ منورہ سے بیت المقدس شمال کی جانب ہے اور بیت اللہ جنوب کی جانب، اسی مسجد بنوسلمہ کو مسجد ذوالقبلتین کہتے ہیں پھر آپ ﷺ نے عصر کی نماز مسجد نبوی میں کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے پڑھائی۔ ایک صحابی یہاں سے عصر پڑھ کر بنو حارثہ کی مسجد کے پاس سے گزرے وہاں لوگ سابقہ قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے گواہی دی کہ قبلہ بدل گیا ہے، چنانچہ سب نماز کے اندر بیت اللہ کی طرف گھوم گئے، پھر اگلے دن ایک صحابی

مسجد نبوی میں فجر پڑھ کر قبا پہنچے تو وہاں لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے، جب انہوں نے تحویل کی خبر دی تو وہ سب بھی نماز ہی کے اندر کعبہ شریف کی طرف گھوم گئے۔ (تحفۃ القاری ۱ر ۲۶۳)

تحویلِ قبلہ کے بعد پہلی نماز کی تعیین مع دلیل:

جاننا چاہئے کہ تحویلِ قبلہ کے بعد سب سے پہلی نماز صلوٰۃ الظہر ہے جو مسجد بنوسلمہ میں پڑھی گئی جس کی تفصیل اوپر گزری ہے۔

دلیل: (۱) ذکر محمد بن سعد فی الطبقات قال یقال زار النبی ﷺ ام بشر بن براء بن معرور فی بنی سلمۃ فصنعت له طعاما وحانت الظهر فصلّی رسول الله ﷺ باصحابه رکعتین ثم امر فاستدار الی الکعبة واستقبل المیزاب فسمی مسجد القبلتین.

قال ابن سعد قال الواقدی هٰذا اثبت عندنا.

(۲) عن انس رضی الله عنه انصرف رسول الله ﷺ عن بیت المقدس وهو یصلی الظهر بوجهه الی الکعبة.

(فلیراجع للتفصیل: فتح الباری ۱ر ۵۹۹)

(د):

عندَ البیت سے مراد:

جاننا چاہئے کہ مکی دَور میں قبلہ کعبہ تھا یا بیت المقدس اس میں اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ ہے کہ بیت المقدس قبلہ تھا، پھر ہجرت کے بعد بھی سولہ سترہ مہینے تک بیت المقدس ہی قبلہ رہا، مگر آنحضور ﷺ مکی دَور میں اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ بیت اللہ اور بیت المقدس سامنے آجاتے تھے، مگر جمہور کی رائے یہ ہے کہ مکی دور میں قبلہ کعبہ شریف تھا، پھر ہجرت کے بعد مسجد اقصیٰ کو عارضی قبلہ مقرر کیا گیا تا کہ یہود جان لیں کہ دینِ یہود اور دینِ اسلام کا سرچشمہ ایک ہے مگر یہ مقصد حاصل نہ ہوا

تو دوبارہ تحویل ہوئی اور کعبہ شریف کو قبلہ قرار دیا گیا، پس امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عندالبیت کہہ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے کو ترجیح دی ہے اور وہ عندالبیت سے مراد کعبہ شریف ہے۔ اور مَا كَانَ اللهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ اس پر اس طرح منطبق ہے کہ یہاں مَا كَانَ اللهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ کے معنیٰ ہیں ما كان الله ليضيع ايمانكم اى صلوتكم عندالبيت الى بيت المقدس یعنی تم نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے پاس جو نمازیں مسجد اقصیٰ کی جانب منہ کر کے پڑھی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ضائع نہیں کریں گے۔ (تحفۃ القاری ۱/ ۲۶۴)

(۵):

آیتِ کریمہ کا شان نزول:

جاننا چاہئے کہ مسلمانوں کا اصل قبلہ بیت اللہ شریف تھا اور بیت المقدس اصل قبلہ نہ تھا اس کو صرف ایک مصلحت کے تحت عارضی طور پر قبلہ مقرر کیا گیا اب جب تحویلِ قبلہ ہوگئی تو مسلمانوں کو یہ شبہ ہوا کہ جن لوگوں نے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی اور اسی حالت میں مر گئے یا شہید ہو گئے اور انہوں نے کعبہ شریف کی طرف ایک بھی نماز نہیں پڑھی ان کی نمازوں کا کیا حال ہوگا، چنانچہ انہوں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

صحابہ کرام کو یہ اشکال اس لئے پیش آیا کہ کعبہ افضل ہے اور افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی طرف پڑھی گئی نماز میں ضرور ثواب و درجہ میں کمی ہوگی۔ نیز جب مسلمانوں کا اصلی قبلہ کعبہ شریف ہی ہے اور بیت المقدس کو ایک مصلحت کے تحت قبلہ قرار دیا گیا تو صرف جن لوگوں نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی ان کی نمازوں کا کیا حال ہوگا؟ کیونکہ انہوں نے اصل کعبہ کی طرف نماز ہی نہیں پڑھی۔

(۱) آیتِ کریمہ سے ان کا جواب اس طرح دیا گیا کہ مَا كَانَ اللهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ میں ایمان سے صلوٰۃ مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں تمہاری نماز میں کسی

قسم کی کمی نہیں ہوگی، کیونکہ بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں کی طرف نماز پڑھنے حکمِ الٰہی سے ہوا ہے، اور ضیاع اور عدمِ ضیاع کا تعلق بھی حکمِ الٰہی سے ہے، پس جب نماز پڑھنا حکمِ الٰہی سے ہوا ہے بیت المقدس کی طرف تو وہ ضائع نہیں ہوگی۔

(۲) وہ لوگ جو تحویلِ قبلہ سے پہلے مر گئے وہ مؤمن بندے تھے وہ بامراد ہوں گے، اور جنت میں جائیں گے، اس لئے کہ جنت درحقیقت ایمان کا صلہ ہے، اس کے لئے اعمال ضروری نہیں اس کی دلیل قبیلہ بنی عبدالاشہل کے عمرو بن ثابت نامی ایک شخص جنگِ اُحد کے دن اسلام لائے اور فوراً تلوار لے کر میدانِ کارزار میں اُتر گئے اور شہید ہو گئے، آپ ﷺ نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی، معلوم ہوا کہ جنت میں جانے کے لئے اعمال ضروری نہیں، اعمال کا موقع ملے تو اعمال ضروری ہے جب ان صحابہ کو کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا مگر وہ مؤمن تھے پس وہ جنت میں جائیں گے۔

(ز):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا عند البیت کہنا اس طرح صحیح ہے کہ البیت سے مراد کعبہ شریف ہے۔ پس تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ما کان الله ليضيع ايمانكم اى صلاتكم التى صليتموها عند البيت الى بيت المقدس یعنی بیت اللہ کے پاس رہتے ہوئے بیت المقدس کی جانب جو نمازیں پڑھی گئی اُن کو بھی اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کریں گے، تو جو نمازیں بیت **اللہ** سے دُور رہ کر یعنی مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے پڑھی گئیں ان کو بطریق اولیٰ ضائع نہیں فرمائیں گے۔ اور صحابہ کا اشکال بھی ان نمازوں کے بارے میں ہی تھا، لہٰذا امام بخاری کا صلاتكم عند البيت کہنا صحیح ہے۔ (فلیراجع للتفصیل: فتح الباری ۱/۱۱۹)

سوال: ۶۳، صفحہ: ۱۲

بَابُ سُؤَالِ جِبْرِيلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الإِيمَانِ وَالإِسْلَامِ وَالإِحْسَانِ وَعِلْمِ السَّاعَةِ. وَبَيَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ ثُمَّ قَالَ جَاءَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ فَجَعَلَ ذٰلِكَ كُلَّهُ دِينًا. وَمَا بَيَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِوَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ مِنَ الإِيمَانِ، وَقَوْلِهِ تَعَالَىٰ: وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ایمان کے بسیط اور مرکب ہونے کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کو مدلل و مفصل تحریر فرمائیے۔

(ج) باب کا مقصد لکھیں اور اس میں جو احادیث مذکور ہیں ان کی شرح کریں۔

(د) ایمان اور اعمال میں کیا ارتباط ہے؟ اس مسئلہ میں اسلامی فرقوں کا اختلاف مدلل و مفصل لکھ کر بتائیے اہلِ حق کا اختلاف حقیقی ہے یا لفظی جو بھی ہو دلیل کے ساتھ لکھیں، نیز بتائیے اس مسئلہ میں امام بخاری کی کیا رائے ہے اور قولِ فیصل کیا ہے؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک مرتبہ صحابہ کی موجودگی میں غیر معروف صورت میں آکر آنحضور ﷺ سے ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے بارے میں پوچھا تھا، آنحضور ﷺ نے اُن کو جوابات دیئے، پھر ان کے چلے جانے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا، جبرئیل اس لئے آئے تھے کہ تمہیں دین سکھائیں، آنحضور

ﷺ نے ان چاروں سوالوں کے مجموعہ کو دین کہا ہے علاوہ ازیں وفد عبدالقیس کے لئے ایمان کی تشریح کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اعمال کو ایمان میں شامل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد اگر کوئی شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

(ب):

اس کا جواب سوال نمبر ۵ میں گزر چکا ہے۔

(ج): باب کا مقصد:

باب کا مقصد اسلام، دین اور ایمان کا ترادف ثابت کرنا ہے، اس طرح کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جو چار باتیں پوچھی ہیں حضور ﷺ نے ان کو دین کہا ہے اور دین و ایمان ایک ہیں پس وہ چار باتیں ایمان کا جزء ہوئیں اور وفد عبدالقیس کی روایت میں آپ ﷺ نے ایمان کی شرح میں اعمال کو لیا ہے پس اعمال ایمان کا جزء ہوئے اور قرآن نے فرمایا اگر کوئی شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، معلوم ہوا کہ اسلام اور دین ایک ہیں، پس ثابت ہوا کہ اسلام دین اور ایمان مترادف ہیں۔ (تحفۃ القاری ۱/۲۸۶)

پہلی حدیث کی شرح:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مجمع میں تشریف فرما تھے اچانک ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، فرشتوں پر، اللہ سے ملاقات کرنے پر اور اس کے رسول پر یقین کرو اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا یقین کرو۔ اس نے دوسرا سوال کیا: اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نماز کا اہتمام کرو، فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اس نے

پھر سوال کیا احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اس طرح عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو بلاشبہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے سوال کیا قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں، ہاں میں قیامت کی نشانیاں بتاتا ہوں: (۱) جب باندی اپنی مالکہ کو جنے (۲) اور جب سیاہ اونٹوں کے چرواہے عمارتوں میں تفاخر کریں، قیامت کا علم ان پانچ باتوں میں سے ایک ہے جن کو کوئی نہیں جانتا۔

دوسری حدیث کی شرح:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب وفد عبدالقیس آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کس قبیلہ کے لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا ربیعہ کے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: آپ لوگوں کا آنا مبارک نہ رُسوائی ہے نہ پشیمانی، انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہماری مضر قبائل سے ہمیشہ جنگ رہتی ہے، ہم ہر وقت مدینہ منورہ میں نہیں آسکتے صرف محترم مہینوں میں آسکتے ہیں اس لئے آپ ہمیں جامع احکام بتائیں تاکہ ہم ان پر عمل کر کے جنت میں جائیں اور پیچھے والوں کو بھی بتائیں تاکہ وہ بھی ان پر عمل کریں اور جنت حاصل کریں، آپ ﷺ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور شراب کے چار برتنوں سے منع کیا سب سے پہلے ایک اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا، پھر اس کی وضاحت فرمائی کہ ایک اللہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ اس بات کی گواہی دی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بھیجو اور چار برتنوں سے منع فرمایا: روغنی گھڑے سے، تونبی سے، لکڑی کھود کر بنائے ہوئے برتن سے اور تارکول پھیرے ہوئے گھڑے سے۔

(تحفۃ القاری ۱/۲۸۶)

(د):

اس کا جواب سوال نمبر ۵ میں گزر چکا ہے۔

سوال: ۶۴، صفحہ: ۱۳

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ وَقَوْلُه تَعَالٰى: إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ. الآية

(۱۴۲۰-۱۴۰۴-۱۴۱۱ھ)

(الف) نصیحت کے لغوی وشرعی معنیٰ لکھ کر ترجمۃ الباب کا مقصد واضح کریں۔

(ب) نیز بتایئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اسی طرح رسولِ پاک ﷺ اور ائمہ مسلمین اور عام مسلمانوں کے لئے نصیحت کا کیا مطلب ہے؟ اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

(ج) اور بتایئے کہ اس باب کا کتاب الایمان کے ساتھ اور آیتِ کریمہ کا باب کے ساتھ کیا ربط اور تعلق ہے؟

الجواب:

(الف):

نصیحت کے لغوی اور شرعی معنیٰ:

لغوی معنیٰ: (۱) نصیحت مشتق ہے نصحت العمل سے اس کے معنیٰ ہیں صاف کرنا، خالص کرنا۔ کما یقال نصح الشیئ اذا خلص، نصح له القول اذا اخلصه له.

(۲) یا نصیحت مشتق ہے نصح سے اس کے معنیٰ ہیں کپڑا وغیرہ سوئی سے سی دینا۔ یقال نصحت الثوب بالمنصحة.

اور علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نصیحت ایک جامع کلمہ ہے جس کے معنیٰ ہیں منصوص لہٗ کے پورے حق کو ادا کرنا اور کلامِ عرب میں کوئی کلمہ ایسا نہیں ہے جو اس کے پورے معنیٰ کو ادا کر سکے۔

شرعی معنیٰ: اصطلاحِ شرع میں نصیحت اس چیز کا نام ہے کہ اللہ اور رسول کے ساتھ

اور ائمۃ المسلمین اور عامۃ المسلمین کے ساتھ انسان کے قلب میں ایسا اخلاص ہو کہ اس میں نہ کھوٹ ہو اور نہ شگاف ہر ایک کے ساتھ اس کے شایانِ شان معاملہ ہو۔

ترجمة الباب کا مقصد: اس باب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ایمان کے ذواجزاء اور ایمان میں زیادتی وکمی کا اثبات ہے اس طرح کہ اس حدیث میں دین پر نصیحت کا اطلاق کیا گیا اور پہلے گزر چکا ہے کہ دین وایمان متحد ہے لہٰذا ایمان النصحۃ ہوا اور نصیحت جو ایک عملِ حسنہ ہے وہ ایمان کا جزء ہوا اور نیز نصیحت کے مختلف مراتب ہوتے ہیں، پس ایمان کا بھی ذواجزاء اور مختلف مراتب کا ہونا ثابت ہو گیا۔

(ب):

اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی: اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان لانا ہے یعنی اللہ کا وجود تسلیم کرنا، ان کی صفات کو ٹھیک ماننا، ان میں الحاد وکجروی اختیار نہ کرنا، ان کے رب ہونے کو ماننا اور صرف ان ہی کی بندگی کرنا، بندگی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور ان کے احکام کی اطاعت کرنا۔

اللہ کے رسول کی خیر خواہی: ان پر ایمان لانا، ان کی تعظیم کرنا، ان سے بے حد محبت کرنا، مگر ان کی شان میں غلو نہ کرنا اور ان کے دین کو چار دانگ عالم میں پھیلانے کی محنت کرنا۔

ائمہ دو طرح کے ہیں: (۱) ائمہ علم وہدیٰ (۲) امراء وسلاطین۔

ائمہ علم وہدیٰ کی خیر خواہی: ان کے علوم سے استفادہ کرتے رہیں اور اس کی اشاعت کرتے رہیں، ان کی عزت وتوقیر کریں اگر ان کے مقلد نہ ہوں تو بھی ان کی شان میں کسی قسم کی بے ادبی نہ کریں، اس لئے کہ ان کی شان میں گستاخی کا انجام خطرناک ہوتا ہے۔

امراء کی خیر خواہی: ان کے احکام کو سننا اور ان کی تعمیل کرنا جب تک معصیت کا حکم نہ دیں اور ان کا بہی خواہ رہنا اور شدید مجبوری کے بغیر ان سے بغاوت نہ کرنا۔

عام مسلمانوں کی خیر خواہی: ان کے فائدے کو سوچنا، ان کو بھلائی پہنچانے کی نیت رکھنا، لوگوں کو دین سکھانا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔

نوٹ: یہ صورتیں خیر خواہی کی بطور مثال بیان کی گئی ہیں ان کے علاوہ خیر خواہی کی اور صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں کیونکہ جب ہر چیز اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے کی جائے گی تو وہ نہایت اعتدال کے ساتھ وجود میں آئے گی۔ (تحفۃ القاری ۱/ ۳۰۶)

(ج):

اس باب کا کتاب الایمان سے ربط و تعلق یہ ہے کہ ماقبل میں مختلف ابواب کے ذریعہ فرقِ باطلہ کی تردید کی گئی، تاکہ مسلمان گمراہی کو پہچانے اور اس سے دور رہے، اور گمراہ لوگ بھی صحیح راستہ پر آجائیں اور اس باب کا مقصد مسلمانوں کو نصیحت کرنا کہ وہ خیر خواہی کے راستہ پر چلیں اور اس کے لئے اخلاص ضروری ہے۔ اور معاملہ میں کسی قسم کا غش اور کھوٹ کی آمیزش نہ ہونی چاہئے اور یہ خیر خواہی صفتِ حسنہ اُمورِ ایمانیہ میں سے ہے پس باب کا کتاب الایمان کے ساتھ تعلق اور ربط واضح ہو گیا ہے۔

باب کی دونوں حدیثوں میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی و بھلائی کا برتاؤ کرنا اسلام و دین میں داخل ہے اور اس آیت میں بھی یہی ہدایت دی گئی ہے کہ لوگوں کو چاہئے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دل صاف رکھیں یہ ان کے شایانِ شان اور خیر خواہی ہے، لہٰذا جب آیتِ کریمہ میں خیر خواہی کا ذکر ہے تو مطابقت مافی الباب ظاہر ہے۔

سوال: ۶۵، صفحہ: ۱۴

عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ يَوْمَ مَاتَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ قَامَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَقَالَ عَلَيْكُمْ بِاتِّقَاءِ اللهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَالْوَقَارِ وَالسَّكِينَةِ حَتَّى يَأْتِيَكُمْ أَمِيرٌ، فَإِنَّمَا يَأْتِيكُمُ الْآنَ، ثُمَّ قَالَ اسْتَعْفُوا لِأَمِيرِكُمْ، فَإِنَّهُ كَانَ يُحِبُّ الْعَفْوَ. ثُمَّ

قَالَ أَمَّا بَعْدُ. فَإِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ أُبَايِعُكَ عَلَى الإِسْلاَمِ. فَشَرَطَ عَلَيَّ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. فَبَايَعْتُهُ عَلَى هٰذَا، وَرَبِّ هٰذَا الْمَسْجِدِ إِنِّي لَنَاصِحٌ لَكُمْ. ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَنَزَلَ.

(۱۴۱۰ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) آپ یہ تحریر کریں اس روایت کو کتاب الایمان کے آخر میں ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے، جبکہ اس کے فوراً بعد کتاب العلم شروع ہو رہا ہے، علم سے اس کا کیا ربط ہے؟

(ج) امام نے اس پر کیا ترجمہ منعقد فرمایا ہے، نیز بتایئے کہ خداوند تعالیٰ رسولِ خدا اور عام مؤمنین کے ساتھ نصیحت کا کیا مفہوم ہے؟

(د) یہ بھی تحریر فرمایئے کہ حضرت جریر بن عبداللہ کا آخر میں ورب ھٰذا المسجد انی لناصح لکم فرمانے کا کیا مقصد ہے؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت زیاد بن علاقہ کہتے ہیں میں نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا جس دن حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو کوفہ کے گورنر تھے انتقال ہوا تو حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ لوگوں میں تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے سب سے پہلے اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا لوگوں ایک اللہ سے ڈرنے کو لازم پکڑو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور باوقار اور سنجیدہ رہو، یہاں تک کہ اگلا امیر آجائے، اگلا امیر تمہارے پاس بہت جلد آنے والا ہے، پھر فرمایا اپنے امیر کے لئے دعاء مغفرت کرو اس لئے کہ وہ عفو و درگزر کو پسند کرتے تھے، پھر فرمایا امابعد میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں اسلام پر بیعت

کرنا چاہتا ہوں (پس آپ ﷺ نے مجھ سے شہادتین کے علاوہ کچھ اور باتوں پر بیعت لی) ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنا پس میں نے ان باتوں پر بیعت کی اور اس مسجد کے رب کی قسم میں نے ابھی جو بات کہی ہے کہ نئے امیر کے آنے تک باوقار اور سنجیدہ رہو، فساد نہ مچاؤ) یہ بات تمہاری خیر خواہی میں کہی ہے اس کے بعد حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعاءِ مغفرت کی اور منبر سے اُتر آئے۔

(ب):

اس روایت کو کتاب الایمان کے آخر میں ذکر کرنے کی وجہ:

(۱) جاننا چاہئے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اُصول میں سے یہ بھی ہے کہ ہر کتاب کے خاتمہ پر ایسی روایت لاتے ہیں جس سے ختم کتاب کی طرف اشارہ ہو، چنانچہ اس مقام پر بھی ثم استغفروا ونزل سے براعۃ اختتام کی جانب اشارہ کرنے کے لئے اس روایت کو آخر میں بیان کیا ہے۔

(۲) حضرت شیخ الحدیث زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو آخر میں لاکر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک خاتمہ ضرور ہے جیسا کہ انسان کا خاتمہ اُس کی موت ہے۔

اس روایت کا کتاب العلم سے ربط:

اس روایت کا کتاب الایمان کے اختتام کرنے کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب العلم اس لئے لائے کہ حدیث النصیحت کا جو مقتضا ہے اس کا غالب واکثر تعلیم وتعلم ہی سے حاصل ہوگا۔

كما قال الحافظ فى الفتح ثم عقبه بكتاب العلم لما دل عليه حديث النصيحة ان معظمها يقع بالتعلم والتعليم.

(فتح الباری ۱/۱۶۱ المكتبة السلفية القاهرة)

اور کتاب الایمان سے کتاب العلم کا ربط یہ ہے کہ تمام اعمال کی اصل، بنیاد اور اَساس ایمان ہے اور ایمان لانے کے معنیٰ ہیں اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی اطاعت لازم کرنا، اور اطاعت کے معنیٰ ہیں مطاع یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو اپنانا اور غیر مرضیات کو چھوڑنا ظاہر ہے کہ یہ علم کے ذریعہ ہی سے حاصل ہوتا ہے اس لئے کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم کو لائے۔

(ج):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ باب قول النبی ﷺ الدین النصیحۃ للہ ورسولہ ولأئمۃ المسلمین وعامتہم کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے۔
باقی تفصیل سوال نمبر ۶۴ میں گزر چکی ہے۔

(د)

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کا آخر میں ورب ھٰذا المسجد انی لناصح لکم فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر کی ہوئی بیعت کو پورا کیا اور ان کا کلام ہر کسی قسم کی غرض سے پاک وخالص ہے یعنی کسی کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ امیر بننے کے لئے اپنا راستہ ہموار کررہے ہیں ورنہ دوسرے بڑے لوگوں کی موجودگی میں نصیحت کرنے کی کیا ضرورت ہے، تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اِس وہم کو دُور کرنے کے لئے فرمایا کہ حضور ﷺ سے مجھے عہد تھا کہ عامۃ المسلمین کے لئے مصیبت کے وقت نصیحت کروں میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہ مصیبت کا وقت ہے اس لئے میرا مقصد نبی ﷺ کے حکم کی تعمیل ہے دوسرا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔

سوال:۶۶، صفحہ:۱۶:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي

الدِّيۡنِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعۡطِي، وَلَنۡ تَزَالَ هٰذِهِ الأُمَّةُ قَائِمَةً عَلٰى أَمۡرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمۡ مَنۡ خَالَفَهُمۡ حَتّٰى يَأۡتِيَ أَمۡرُ اللّٰهِ.

(۱۴۳۲ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) تینوں ٹکڑوں کی تشفی بخش تشریح کریں۔

(ج) تینوں کا باہمی ربط بیان کریں، نیز بتائیں اس حدیث سے آپ نے کیا سبق لیا؟

الجواب:

پورے سوال کا جواب سوال نمبر ۱۹ میں گزر چکا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے ہمیں یہ سبق ملا کہ ہمیں خوب محنت کے ساتھ پڑھنا ہے، ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب بھی متوجہ رہنا ہے، کیونکہ اُس کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا ہے۔

سوال: ۶۷، صفحہ: ۱۷

بَابُ الۡاِغۡتِبَاطِ فِي الۡعِلۡمِ وَالۡحِكۡمَةِ. وَقَالَ عُمَرُ تَفَقَّهُوا قَبۡلَ أَنۡ تُسَوَّدُوا وَقَالَ اَبُوۡعَبۡدِ اللّٰهِ وَبَعۡدَ اَنۡ تُسَوَّدُوۡا وَقَدۡ تَعَلَّمَ اَصۡحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ بَعۡدَ كِبَرِ سِنِّهِمۡ لَاحَسَدَ اِلَّا فِي اثۡنَتَيۡنِ.

(۱۴۳۶ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ابوعبداللہ کون ہیں؟ ان کے قول کی وضاحت کریں۔

(ج) تین حدیثوں کے اشارے دیئے ہوئے ہیں ان کو مفصل لکھیں۔ اور ان کی باب سے مناسبت بیان کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: علم وحکمت میں رشک کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سردار بنائے جانے سے پہلے دین کی سمجھ حاصل کرلو۔ ابوعبداللہ فرماتے ہیں اور سردار بنائے جانے کے بعد بھی علم حاصل کرو، کیونکہ صحابہ کرام نے بڑی عمروں میں علم حاصل کیا تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حسد جائز نہیں مگر دو باتوں میں۔

(ب):

ابوعبداللہ کی تعیین اور ان کے قول کی وضاحت:

ابوعبداللہ سے مراد امام بخاری ہیں اور ابوعبداللہ امام بخاری کا لقب ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور سردار بنائے جانے کے بعد بھی علم حاصل کرو، کیونکہ صحابہ کرام نے بڑی عمروں میں علم حاصل کیا تھا یعنی امام بخاری اس عبارت سے اوپر جو عمر رضی اللہ عنہ کا قول لائے ''سردار بنائے جانے سے پہلے علم حاصل کرو'' اس کا محمل بتارہے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اختیار اولیٰ پر محمول ہے ان کے ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ذمہ داریاں سر پر آجانے کے بعد کوئی علم حاصل نہیں کرسکتا کیونکہ صحابہ نے تمام ذمہ داریوں کے ساتھ علم حاصل کیا ہے۔

(ج):

(۱) اثر عمر رضی اللہ عنہ: عن محمد بن سیرین عن الاحنف بن قیس قال قال عمر رضی اللہ عنہ تفقھوا قبل ان تسودا۔

مطلب: (۱) ذمہ داری آنے سے پہلے علم حاصل کرلو، جب ذمہ داری آپڑتی ہے شادی ہوجاتی ہے، بچے ہوجاتے ہیں، کسی عہدے پر فائز ہوجاتے ہیں یا کاروبار شروع

کر دیتے ہیں تو علم حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ حکومت کے عہدے بہر حال تقسیم ہوں گے، پس سرکاری عہدہ وہی شخص قبول کرے جو دین کی سمجھ حاصل کر چکا ہے، اگر ابھی دین کی سمجھ حاصل نہیں تو عہدہ قبول کرنے سے پہلے فقاہت کے زیور سے آراستہ ہو جاؤ۔

اس کی نظیر ترمذی شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: لایبیع فی سوقنا من لم یتفقه فی الدین جس نے دین کی سمجھ حاصل نہیں کی وہ ہمارے بازار میں کاروبار نہ کرے یعنی بازار میں دوکان اسی وقت کھولنی چاہئے، جب بیع وشراء کے ضروری مسائل سے واقف ہو جائے۔

(۲) تعلم اصحاب النبی ﷺ بعد کبر سنهم.

اس کی تفصیل: یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے قول کی تائید میں لائے ہیں یعنی انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا جو مطلب ومحمل بیان کیا ہے کہ سردار بنائے جانے کے بعد بھی علم حاصل کرو، اس کی دلیل کے طور پر یہ حدیث لائے ہیں، کہ جب صحابہ کرام نے بڑی عمروں اور ذمہ داریوں کے ساتھ علم حاصل کیا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا یہ مطلب نہیں کہ ذمہ داریوں کے سر پر آجانے کے بعد علم حاصل نہیں کیا جا سکتا، بلکہ عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ فراغت کا زمانہ مسابقت اور رشک کرنے کے لئے اولیٰ ہے، کیونکہ فارغ البال آدمی پڑھنے میں جتنا ریس کر سکتا ہے مشغولیت کے ساتھ اتنا مقابلہ اور مسابقہ ممکن نہیں ہے۔

نوٹ: حدیثوں کے مفصل لکھنے کا مطلب میں نے یہی سمجھا، کیونکہ اس کے علاوہ جو میں نے لکھا مجھے کہیں تفصیل نہیں ملی۔

باب سے عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی مناسبت: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا ہے: باب الاغتباط فی العلم والحکمة اور عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں علم کو سیادت کا ثمرہ بنایا اور طالب علم کو زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی

وصیت کی اور سیادت ایسی چیز ہے جس کو پانے کے لئے ہر شخص رَشک اور مقابلہ کرتا ہے، پس علم جو سیادت کا سبب وذریعہ ہے اس میں زیادہ رَشک اور مقابلہ کرنا چاہئے۔

صحابہ کرام نے بڑی عمروں میں علم حاصل کیا ہے کیونکہ علم نہایت قیمتی شئ ہے پس اس میں رَشک اور مسابقہ کرنا چاہئے۔

(۳) عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال النبی ﷺ لاحسد الا فی اثنین رجل اتاہ اللہ مالاً فسلط علیٰ ھلکتہ فی الحق ورجل اتاہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بھا ویعلمھا.

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حسد جائز نہیں مگر دو باتوں میں ایک وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے پھر اس کو راہِ خدا میں مال اُڑانے پر مسلط کیا ہے پس وہ دونوں ہاتھوں سے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے اس پر رشک کرنا چاہئے یعنی یہ تمنا کرے کہ کاش میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی اسی طرح اللہ کی راہ میں خرچ کرتا پس اسے حسنِ نیت کا ثواب مل جائے گا۔

دوسرا وہ بندہ جس کو اللہ نے دین کی سمجھ عطا فرمائی ہے پس وہ اس کے ذریعہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے اور ان کو تعلیم دیتا ہے، اس پر بھی رَشک کرنا چاہئے یعنی اس جیسا بننے کی کوشش کرنی چاہئے، اور یہی مسابقت ہے۔

باب سے مناسبت: رجل اتاہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بھا ویعلمھا یہی جملہ باب کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ حدیث میں کہا گیا ایسے شخص پر رَشک کرنا چاہئے اور باب بھی یہی ہے پس مناسبت ظاہر ہے۔

سوال: ۶۸، صفحہ: ۱۷

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ مِنَ الْهُدٰى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ

الْمَاءَ، فَأَنْبَتَتِ الْكَلأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ، فَنَفَعَ اللهُ بِهَا النَّاسَ، فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا، وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرَى، إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لاَ تُمْسِكُ مَاءً، وَلاَ تُنْبِتُ كَلأً، فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقِهَ فِي دِينِ اللهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ، فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا، وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ.

(۱۴۳۷ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) حدیث کس باب کے تحت ہے اس کی نشاندہی کر کے حدیث کا مطلب لکھیں۔

(ج) اجمال میں زمین کی تین قسمیں ہیں اور تطبیق میں دو ایسا کیوں ہے؟ سوچ کر لکھیں۔

(د) آپ کس قسم میں شامل ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس ہدایت اور علم کی مثال جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے موسلا دھار بارش جیسی ہے جو کسی زمین پر برسی اس زمین کا ایک حصہ زرخیز تھا اس نے پانی پیا پس اس نے سبز و خشک گھاس اور بہت زیادہ ہری گھاس اُگائی اور دوسرا حصہ بنجر تھا اس نے پانی روک لیا پس اللہ نے اس کے ذریعہ لوگوں کو نفع پہنچایا، انہوں نے پیا، پلایا اور کھیتوں کو سیراب کیا اور اس زمین کا ایک حصہ چٹیل میدان تھا نہ اس نے پانی روکا اور نہ گھاس اُگائی پس یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کی اور اللہ نے اس کو نفع پہنچایا اس علم و ہدایت سے جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے پس اس نے دین سیکھا اور دوسروں کو سکھلایا اور یہ مثال

ہے اس شخص کی جس نے سرنہیں اُٹھایا اس دین کی طرف اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہیں کیا جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں۔

(ب):

یہ حدیث باب فضل من علم وعمل کے تحت ہے۔

مطلب: جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں تمثیل ہے آنحضور ﷺ جو رشد و ہدایت لے کر آئے ہیں اس کی مثال موسلا دھار بارش جیسی ہے جب وہ برستی ہے تو زمین کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں: (۱) زرخیز زمین جو پانی جذب کرتی ہے اور کلا اور بہت عشب اُگاتی ہے (۲) بنجر مگر نشیب والی زمین وہ پانی نہیں پیتی نہ گھاس اُگاتی ہے، مگر پانی روکتی ہے جس سے دنیا فائدہ اُٹھاتی ہے (۳) چٹیل سپاٹ زمین جس پر سے پانی بہہ جاتا ہے۔

تطبیق: جو بندے ایمان لائے اور انہوں نے دین وشریعت کا علم حاصل کیا پھر خود بھی اس پر عمل کیا اور دوسروں کو بھی وہ علم پہنچایا تو وہ پہلی قسم کی زمین کی طرح ہیں اور کلا کا مصداق وہ علماء ہیں جن سے لوگ ان کی حیات میں بھی فائدہ اُٹھاتے ہیں اور ان کی وفات کے بعد بھی، ان کے تلامذہ تصنیفات اور دیگر علمی کاموں سے دیر تک اُمت فیضیاب ہوتی ہے۔

اور وہ علماء جن کا فیض ان کی زندگی تک رہتا ہے، وفات کے بعد منقطع ہو جاتا ہے اور امت کے صلحاء عشب کا مصداق ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے اس لئے اس کی صفت کثیر لائے ہیں۔

اور وہ بندے جو ایمان لائے اور دین کا فہم حاصل کیا پھر دوسروں تک دین پہنچایا مگر خود اس پر عمل نہیں کیا وہ اجادب بنجر، مگر نشیب والی زمین جیسے ہیں آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں اس قسم کے مسلمان نہیں تھے، اس لئے آپ ﷺ نے ان کا تذکرہ چھوڑ دیا ہے۔

اور وہ بندے جنہوں نے ایمان ہی قبول نہیں کیا وہ چٹیل سپاٹ زمین کی طرح ہیں کہ بارش برسی مگر انہیں کچھ حاصل نہ ہوا، نہ خود فیضیاب ہوئے، نہ دوسروں تک فیض پہنچایا۔

(تحفۃ القاری ۱/۳۵۶)

(ج):

اجمال میں زمین کی تین قسمیں اور تطبیق میں دو قسمیں ذکر کرنے کی وجہ:

جاننا چاہئے کہ آنحضور ﷺ نے اجمال میں زمین کی تین قسمیں اور تطبیق میں دو قسمیں یعنی صرف پہلی اور تیسری قسم کو بیان کیا اور بیچ والی قسم کو چھوڑ دیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے مسلمان آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں نہیں تھے، نیز اس لئے ان کا تذکرہ چھوڑ دیا کہ ان کے عمل کا استحسان و پسندیدگی ثابت نہ ہو، کیونکہ اگر ان کا تذکرہ بھی کر دیتے تو ان کے عمل کا استحسان و پسندیدگی ثابت ہو جاتی، حالانکہ شریعت کی نظر میں ان کا عمل قابلِ ستائش نہیں ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے جب یہود پر سنیچر کے دن مچھلی پکڑنے کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو انہوں نے حیلہ کیا کہ سمندر کے قریب کھڈے کھود لیتے اور ان تک پانی کا راستہ بنا لیتے پھر جب سمندر میں جوار بھاٹا آتا تو نالی کے راستے سے پانی کھڈّوں میں بھر جاتا اور ساتھ ہی مچھلیاں بھی آ جاتیں پھر اتوار کے دن ان کو پکڑ لیتے، جب بعض یہود نے یہ حیلہ شروع کیا تو لوگ تین حصوں میں منقسم ہو گئے: (۱) حیلہ کرنے والے (۲) نصیحت کرنے والے (۳) خاموش رہنے والے۔ پھر جب عذاب آیا تو حیلہ کرنے والوں کو ذلیل بندر بنا دیا گیا اور ناصحین عذاب سے بچ گئے اور خاموش رہنے والوں کا تذکرہ چھوڑ دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ بھی عذاب سے محفوظ رہے اور قرآن نے ان کا تذکرہ اس لئے چھوڑ دیا کہ ان کے عمل کا استحسان پسندیدگی ثابت نہ ہو اسی طرح اس حدیث میں بھی دوسری قسم کا تذکرہ اس لئے چھوڑ دیا گیا تا کہ ان کے عمل کا استحسان ثابت نہ ہو۔ (تحفۃ القاری ۱/۳۵۸)

(د):

اور میں پہلے قسم میں شامل ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں، اور اس میں بھی کلاء کا مصداق جو علماء ہے ان کی جماعت میں شامل ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں، اللہ قبول کریں، آمین یارب العالمین۔

سوال:۶۹، صفحہ:۱۸

بَابُ فَضْلِ الْعِلْمِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ. فَشَرِبْتُ حَتَّى إِنِّي لأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِي أَظْفَارِي، ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَارَسُولَ اللهِ قَالَ الْعِلْمَ.

(۱۴۰۹-۱۴۱۶ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) اس باب کا مقصد بیان کر کے حدیثِ مذکورہ سے اس کو ثابت کریں۔

(ج) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ترجمۃ الباب کو مکرر لانے کی نہیں ہے مگر بعینہٖ یہی باب کتاب العلم کے شروع میں لا چکے ہیں تو کیا یہ ترجمہ مکرر ہے اگر مکرر نہیں تو دونوں کا فرق بیان کریں۔

الجواب:

اِس سوال کا جواب، سوال نمبر ۲۳ میں گزر چکا ہے۔

سوال:۷۰، صفحہ:۱۸

بَابُ الْفُتْيَا وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى الدَّابَّةِ وَغَيْرِهَا. أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمِنًى لِلنَّاسِ يَسْأَلُونَهُ. فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ. فَقَالَ اذْبَحْ وَلاَ حَرَجَ. فَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ، فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ. قَالَ ارْمِ وَلاَ حَرَجَ. فَمَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلاَ أُخِّرَ إِلاَّ قَالَ افْعَلْ وَلاَ حَرَجَ.

(۱۴۱۵ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ترجمۃ الباب کا مقصد تحریر کریں۔ حدیث میں وقوف علیٰ ظہر الدابہ کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا ترجمۃ الباب کا یہ جزء کیسے ثابت ہوگا؟

(ج) جن مناسک میں تقدیم و تاخیر کا ذکر روایت میں ہے ان میں احناف کا مسلک کیا ہے؟ اگر احناف تقدیم و تاخیر کی صورت میں وجوبِ دم کے قائل ہیں تو ان کا مستدل کیا ہے؟ اس حدیث کا کیا جواب دیتے ہیں بوضاحت بیان کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: سواری وغیرہ کی پیٹھ سے فتویٰ دینا (سواری کی حالت میں فتویٰ دینا) کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ منیٰ میں لوگوں کے لئے کھڑے ہوئے تاکہ لوگ آپ ﷺ سے مسائل پوچھیں، چنانچہ آپ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا مجھے خیال نہیں رہا اور میں نے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اب قربانی کرلو کوئی حرج نہیں۔ دوسرا شخص آیا اس نے کہا مجھے خیال نہیں رہا اور میں نے رمی سے پہلے قربانی کرلی آپ ﷺ نے فرمایا اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں اس دن نبی ﷺ سے جس نے بھی تقدیم و تاخیر کے بارے میں پوچھا آپ ﷺ نے یہی جواب دیا کہ جو کام رہ گیا ہے وہ کرلو کوئی حرج نہیں۔

(ب):

ترجمۃ الباب کا مقصد: اس ترجمہ سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ مسئلہ بتاتے وقت سائل اور مسئول کا ایک لیول پر ہونا ضروری نہیں، اگر سائل زمین پر ہو اور مفتی اونٹ وغیرہ پر، تو اس میں کوئی حرج نہیں یا سائل بلند جگہ ہو اور مفتی نیچے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ (تحفۃ القاری ۱/ ۳۶۳ مکتبہ حجاز دیوبند)

اس روایت میں اگرچہ وقوف علیٰ ظہر الدابۃ کا ذکر نہیں ہے لیکن اس حدیث کے دوسرے طریق جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب الحج میں لائے ہیں اس میں وقوف علیٰ ظہر الدابۃ کا ذکر ہے اس روایت پر اعتماد کر کے امام بخاری نے وقوف علیٰ ظہر الدابۃ کا ذکر ترجمۃ الباب میں کر دیا۔

(ج):

جن مناسک میں تقدیم وتاخیر کا ذکر روایت میں ہے یعنی رمی، ذبح، حلق اور طوافِ زیارت۔ احناف کے نزدیک ان میں سے پہلے تین یعنی رمی ذبح اور حلق میں قارن اور متمتع کے لئے ترتیب واجب ہے اور تقدیم و تاخیر کی صورت میں دم واجب ہوگا اور طواف زیارت میں ترتیب واجب نہیں البتہ مسنون ہے کہ مناسک ثلاثہ کے بعد طواف زیارت کریں۔

اور مفرد پر چونکہ قربانی واجب نہیں اس لئے اس پر صرف رمی اور حلق میں ترتیب واجب ہے۔

احناف کی دلیل:

(۱) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى مِنًى فَأَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ أَتَى مَنْزِلَهُ بِمِنًى وَنَحَرَ ثُمَّ قَالَ لِلْحَلَّاقِ خُذْ وَأَشَارَ إِلَى جَانِبِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ الْأَيْسَرِ.

(۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ مَنْ رَمَى الْجَمْرَةَ بِسَبْعِ حَصِيَاتٍ الْجَمْرَةَ الَّتِي عِنْدَ الْعَقَبَةِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَحَرَ هَدْيَهُ ثُمَّ حَلَقَ فَقَدْ حَلَّ مَاحَرَّمَ عَلَيْهِ مِنْ شَأْنِ الْحَجِّ. (اعلاء السنن ۱۰/۱۵۷، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی)

وجہ الاستدلال: هذان الحديثان يدلان على ان الترتيب واجب بين الافعال الثلاثة.

حدیث الباب کا جواب:

(۱) اگر حدیث مذکورہ میں دونوں سائل مفرِد تھے تو اس صورت میں کوئی اشکال نہیں ہے، کیونکہ مفرد پر قربانی واجب نہیں، پس ان کے لئے رمی سے پہلے قربانی اور قربانی سے پہلے حلق جائز تھا۔

(۲) اگر حدیث مذکورہ میں دونوں سائل قارن یا متمتع ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے پھر بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے: من قدم شيئا من حجة او اخر فليهرق لذالك دما. جو مناسک میں تقدیم و تاخیر کر دے اس کو چاہئے کہ دم دے، لہٰذا اب لاحرج والی روایت میں تاویل ضروری ہوگی اس لئے کہ راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتا۔

اور حدیث کی تاویل یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں تشریع کے وقت کی ترخیص ہے یعنی جب کوئی نیا مسئلہ بتایا جاتا ہے تو فوری طور پر جو اُلجھن پیش آتی ہے اس میں شریعت سہولت دیتی ہے اسی طرح اس حدیث میں بھی دیا ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/ ۳۶۴)

سوال: ۱۷، صفحہ: ۲۰

بَابُ تَعْلِيمِ الرَّجُلِ أَمَتَهُ وَأَهْلَهُ. قَالَ عَامِرٌ الشَّعْبِيُّ حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ، وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوكُ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ، وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَةٌ يَطَؤُهَا فَأَدَّبَهَا، فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا، وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا، ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا، فَلَهُ أَجْرَانِ ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ أَعْطَيْنَا كَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ، قَدْ كَانَ يُرْكَبُ فِيمَا دُونَهَا إِلَى الْمَدِينَةِ.

(۱۴۱۹ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب لکھیں۔

(ب) ثم قال عامر اعطینا کھا الخ کی وضاحت کریں۔

(ج) حدیث میں اہل کا تذکرہ نہیں ہے ترجمۃ الباب اور حدیث میں بظاہر مطابقت نہیں ہوری ہے آپ مطابقت بیان کریں۔

(د) ترجمۃ الباب میں پہلے اہل کا ذکر کرنا چاہئے تھا بعد میں امۃ کو مگر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے برعکس ذکر کیا اس کی کیا وجہ ہے تحریر کریں۔

(ہ) حدیثِ مذکورہ میں تینوں طرح کے لوگوں کو کیا ان کے ہر ہر عمل پر دو اجر ملیں گے یا خاص انہیں دونوں مذکورہ عمل پر دو ثواب ملیں گے یا ان کے ان دونوں مذکورہ عمل میں سے ہر ایک عمل پر دو اجر ملیں گے اس کو متعین کریں نیز دو اجر ملنے کی وجہ تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: باندی اور بیوی کو تعلیم دینا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین شخصوں کو دوہرا ثواب ملتا ہے ایک وہ اہلِ کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لائے اور محمد ﷺ پر بھی ایمان لائے، دوسرا وہ غلام جو اللہ کا بھی حق ادا کرتا ہے اور اپنے آقاؤں کا بھی، تیسرا وہ شخص جس کے پاس کوئی باندی ہے جس سے وہ صحبت کرتا ہے پس اس نے اس کی تربیت کی اور اچھی تربیت کی اور اس کو تعلیم دی اور اچھی تعلیم دی پھر اس کو آزاد کیا اور اس سے نکاح کر لیا تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔ عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے تجھے یہ حدیث بغیر کسی عوض کے دیدی پہلے اس سے معمولی بات کے لئے سفر کر کے مدینہ منورہ جانا پڑتا تھا۔

مطلب: سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ حدیث کا مقصود ترغیب دینا ہے اہلِ کتاب

یہود ونصاریٰ کو نبی علیہ السلام پر ایمان لانے کی، غلام کو اللہ کا حق ادا کرنے کی اور باندی کے مالک کو باندی کو آزاد کر کے نکاح کرنے کی اس عمل کا ان کو دوہرا ثواب ملے گا، کیونکہ یہ کام بہت بھاری ہیں، اس لئے اجر بقدر مشقت کے ضابطہ سے ان کا ثواب بڑھ جاتا ہے، مشرک کے لئے ایمان لانا اتنا بھاری نہیں جتنا اہلِ کتاب کے لئے ایمان لانا بھاری ہے، اس کا اپنے نبی پر اور اس کی کتاب پر ایمان ہوتا ہے، اس کے ساتھ اعتقادی وابستگی ہوتی ہے اس کو چھوڑ کر خاتم النبیین علیہ السلام پر ایمان لانا بہت مشکل ہے اور غلام آقا کا حق ادا کرنے پر تو مجبور ہے اس کے حق کی ادائیگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرنا مشکل کام ہے اسی طرح جس کے پاس باندی ہے اور وہ اس کو بیوی کے طور پر استعمال کرتا ہے اسے کیا پڑی ہے کہ اس کو دینی تعلیم دے اور اسلامی تربیت کرے، پھر آزاد کر کے **اس** سے نکاح کرے؟ یہ مشکل امر ہے اس لئے ان تینوں کو ان کے عمل کا دوہرا ثواب ملتا ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/۳۸۳)

(ب) قولِ عامر کی وضاحت:

حضرت عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بیان کر کے طالبِ علم سے فرمایا میں نے تجھے یہ حدیث بغیر کسی عوض کے دیدی، پہلے اس سے معمولی بات کے لئے سفر کر کے مدینہ منورہ جانا پڑتا تھا، تجھے کوفہ میں بیٹھے ہوئے یہ حدیث مل گئی حضرت عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں دعابہیی دل لگی تھی پس ہوسکتا ہے حضرت نے طالبِ علم کی چٹکی لی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کو تنبیہ کی ہو کہ حدیث یاد رکھنا بے مشقت ملی ہے اس لئے بھول نہ جانا۔ (تحفۃ القاری ۱/۳۸۵)

(ج):

حدیث کی باب سے مطابقت: جاننا چاہئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا باب تعلیم الرجل امتہ واھلہ اور باب کے تحت جو حدیث لائے اس میں امۃ کا تذکرہ تو ہے لیکن اھل کا تذکرہ نہیں اس کے باوجود باب میں اہل کا جو تذکرہ امام

نے کیا وہ دلالتِ اولیٰ کے طور پر کیا ہے، یعنی جب باندی ثانوی درجہ کی بیوی ہونے کے باوجود اس کی تعلیم کا تذکرہ حدیث میں آیا تو آزاد عورت جو اوّل درجہ کی بیوی ہے اس کی تعلیم کا حکم بطریقِ اولیٰ حدیث باب سے ثابت ہوگا کیونکہ دراصل ان کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ جاہل ماں کی گود میں اور پڑھی ہوئی ماں کی گود میں پلنے والی اولاد میں آسمان وزمین کا فرق ہوتا ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/۳۸۳)

(۲) شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انسان اپنی لونڈیوں اور بیویوں کی تعلیم پر مامور ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته والرجل راع في اهله وهو مسئول عن رعيته. اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی وجہ سے ترجمۃ الباب امتہ واھلہ قائم کیا تا کہ لونڈی اور حرہ دونوں کو عام ہو جائے۔

(د):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امتہ کو مقدم اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کیا ہے کیونکہ باندی ثانوی درجہ کی بیوی ہوتی ہے اور آزاد عورت اوّل درجہ کی اس لئے بیوی کا ذکر پہلے آنا چاہئے تھا مگر قرآن وحدیث میں اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کبھی تقدیم وتاخیر کرتے ہیں، بیوی کی طرف تو آدمی شاید توجہ کرے، مگر باندی کی طرف کون توجہ کرتا ہے وہ تو گھر کی نوکرانی ہے اس لئے اسکو مقدم کیا تا کہ اس کی تعلیم کی اہمیت ظاہر ہو۔ (تحفۃ القاری ۱/۳۸۳)

(ہ) تینوں کو دوہرا اجر کس عمل پر ملے گا؟

اس میں چار احتمال ہیں:

(۱) دونوں عمل کے مجموعہ پر دو ثواب ملے گا مگر یہ احتمال صحیح نہیں کیونکہ جب عمل دو ہیں تو اجر بھی دو ہوں گے اس میں نئی بات کیا ہوئی؟

(۲) دونوں عملوں میں سے ہر عمل کا دوہرا ثواب ملے گا، یہ احتمال بھی صحیح نہیں، کیونکہ

عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے یہودیت منسوخ ہوگئی اور نبی ﷺ کی بعثت سے عیسائیت منسوخ ہوگئی، پھر ان پر ایمان لانے کا اجر کیسے ملے گا؟ علاوہ ازیں اس صورت میں چار اجر ہوجائیں گے جبکہ حدیث میں دو اجر کی صراحت ہے۔

(۳) ان تینوں شخصوں کو زندگی بھر ہر عمل کا دوہرا ثواب ملے گا۔ یہ احتمال بھی بداہۃً باطل ہے، ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو تو حسنات پر ایک ایک ثواب ملے گا اور اہلِ کتاب صحابہ کو دوہرا ثواب یہ بات عقل کے خلاف ہے۔

(۴) ان تینوں کو صرف دوسرے عمل پر دوہرا ثواب ملے گا، یہی احتمال صحیح ہے یعنی اہلِ کتاب کو نبی ﷺ پر ایمان لانے کا دوہرا اجر ملے گا اسی طرح غلام کو حق العبد ادا کرنے پر اور مالک کو باندی سے نکاح کرنے پر دو اجر ملیں گے۔

دوہرا اجر ملنے کی وجہ:

ان لوگوں کو اس لئے دوہرا اجر ملے گا کہ یہ کام ان کے لئے بہت بھاری ہے اس لئے کہ مشرک کے لئے ایمان لانا اتنا بھاری نہیں جتنا اہلِ کتاب کے لئے ایمان لانا بھاری ہے اس کا اپنے نبی پر اور اس کی کتاب پر ایمان ہوتا ہے پھر اس کو چھوڑ کر آنحضور ﷺ پر ایمان لانا بہت بھاری چیز ہے، اور غلام کو مولیٰ کے حق کے ساتھ حق اللہ ادا کرنا مشکل کام ہے اسی طرح مالک کا اپنے باندی سے شادی کرنا مشکل کام ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے اُجورکم علیٰ قدر نصبکم. فلہٰذا ان کو ان کی مشقت کی سبب دوہرا اجر ملے گا۔

(تحفۃ القاری ۱/ ۳۸۴)

سوال: ۲۷، صفحہ: ۲۲

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ قَالَ ائْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ قَالَ عُمَرُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللهِ حَسْبُنَا

فَاخْتَلَفُوا وَكَثُرَ اللَّغَطُ. قَالَ قُومُوا عَنِّي، وَلاَ يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ كِتَابِهِ.

(۱۴۰۷-۱۴۳۱ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) یہ حدیث باب کتابت العلم کی ہے حدیث کی باب سے مطابقت بیان کریں۔

(ج) مرضِ وفات میں آپ ﷺ کیا تحریر لکھوانا چاہتے تھے اور اس کی کیا دلیل ہے، حاضرین میں اختلاف کس بات میں ہوا تھا اور کیوں ہوا تھا؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا مطلب لکھیں۔

(د) رسول اللہ ﷺ کے طلبِ کتابت پر جب صحابہ نے اختلاف کیا تو آپ ﷺ نے رَد نہیں کیا اور نہ اس کے بعد لکھوایا تو ترجمۃ الباب کی مطابقت کس طرح ہوگی۔

(ہ) صیغۂ امر وجوب کے لئے ہے مزید براں لا تضلّوا بعدہ ان کا قرینہ بھی موجود ہے پھر صحابہ نے کیوں خلاف کیا، خاص طور سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔

(ز) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول ان الرزیّۃ کل الرزیّۃ کا مقصد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ نامزد کئے جانے پر اظہارِ افسوس ہے یا کسی اور چیز پر افسوس۔ علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دیگر صحابہ نے اظہارِ افسوس کیوں نہیں کیا؟

(و) آپ ﷺ کے ارشاد لا تضلّوا بعدہ سے آحاد امت کے ضلال کو روکنا ہے یا مجموعۂ امت کے ضلال کو سوچ کر لکھیں، نیز بتائیے اگر اس کتابت سے امت کی ضلالت کو روکنا ہوتا تو ضروری تھا کہ کسی کے اختلاف کی حضرت پرواہ نہ کرتے اور مصلحتِ عامّہ پر عمل کرتے جیسا کہ عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ اور صلح حدیبیہ کی شروط میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی پرواہ نہ کی تھی۔

الجواب:

''الف'' اور ''ب'' کا جواب سوال نمبر ۲۵ میں گزر چکا ہے۔

(ج):

حضور ﷺ مرض وفات میں کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ اس سلسلہ میں قیاس آرائیوں سے کوئی فائدہ نہیں، جب آپ ﷺ نے نہ لکھوایا نہ بتلایا تو اب کوئی یہ بات کیسے جان سکتا ہے۔ البتہ ایک ظاہری احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی صراحت کرنا چاہتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی فرمایا تھا، چنانچہ بخاری شریف کے کتاب الاحکام باب الاستخلاف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیماری کی حالت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میرا ارادہ ہوتا ہے کہ ابوبکر اور ان کے فرزند عبدالرحمٰن کو بلاؤں اور ان کو وصیت کروں اور ان کو ولی عہد بناؤں تاکہ کہنے والا کچھ نہ کہے اور تمنا کرنے والا تمنا نہ کرے، پھر میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر کے علاوہ کسی اور کی خلافت پر راضی نہ ہوں گے اور مسلمان بھی سوائے ابوبکر کے کسی اور کی خلافت قبول نہ کریں گے، لقد هممت ان ارسل الیٰ ابی بکر وابنه فاعهد ان یقول القائلون او یتمنی المتمنون ثم قلت یأبی الله ویدفع المؤمنون.

(۲) یا اپنے بعد ہونے والے خلفاء کو ترتیب وار لکھوانا چاہتے تھے۔

(۳) یا ایسی تحریر لکھوانا چاہتے تھے جس میں مہمات احکام کو بیان کردیں تاکہ منصوص علیہ احکام پر اتفاق قائم ہو جائے۔

(عمدۃ القاری ۲/۱۳۱۔ فتح الباری ۲/۲۵۲۔ تحفۃ القاری ۱/۴۰۸)

حاضرین میں اختلاف اس بات میں ہوا کہ تحریر لکھوائی جائے یا نہیں، اس بیماری کے زمانہ میں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ اب بیماری

کے زمانہ میں تحریر لکھوانے کی مشقت میں آپ کو ڈالنے کی ضرورت نہیں جبکہ ہمارے پاس کتاب اللہ ہے اور کتاب جمیع احکام کا معدن ہے اور دوسرے فریق کہہ رہے کہ تحریر لکھوائی جائے۔

اختلاف کی وجہ:

جولوگ تحریر لکھوانا چاہتے تھے انہوں نے "إئتونی" صیغہ امر کو وجوب کے لئے سمجھا نیز انہوں نے یہ سمجھا کہ آپ ﷺ ایسی تحریر لکھ دیں گے جس سے جمیع امت کو ہدایت مل جائے گی۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم خیال لوگوں نے صیغہ امر کو اباحت کے لئے سمجھا اور یہ سوچا کہ بر بناء شفقت امت کچھ لکھوانا چاہتے ہیں۔

یا آپ ﷺ صحابہ کا امتحان لینا چاہتے ہیں جس کی تفصیل سوال نمبر ۲۵ میں گزر چکی ہے۔

(د):

مناسبت بالباب: حدیث کا باب سے ربط واضح ہے۔ آپ ﷺ نے آخر حیات میں کچھ لکھوانا چاہا یہی کتابتِ علم ہے مگر باہمی اختلاف مانع بنا اس لئے تحریر وجود میں نہیں آئی مگر ارادہ کرنا استدلال کے لئے کافی ہے۔

(ز):

اس کا جواب نمبر ۲۵ میں گزر چکا ہے۔

(ہ):

حضرت ابن عباس کا افسوس کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ نامزد کئے جانے پر نہیں، بلکہ افسوس اس پر ہے کہ صحابہ کرام نے حسبنا کہہ دیا اگر یہ نہ کہتے تو آپ ﷺ خلفاء

کو ترتیب وار لکھوا دیتے تو شیعہ جو پروپیگنڈہ کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ یہی لکھوانا چاہتے تھے جس کو عمر رضی اللہ عنہ نے لکھوانے نہیں دیا یہ پروپیگنڈہ ختم ہو جاتا۔

(اور پہلے جزء ''ج'' میں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا مطلب گزر گیا نیز اس جزء میں بھی اس کا جواب سوال نمبر ۲۴ جزء ''ہ'' میں گزر چکا ہے)۔

دیگر صحابہ کے اظہار افسوس نہ کرنے کی وجہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر صحابہ نے اظہارِ افسوس اس لئے نہیں کیا کہ وہ سارے حضرات نبی کریم ﷺ کے حکم دینے کے مقصد کو سمجھ گئے تھے، کہ مقصود اس سے قرآن میں بیان کردہ احکام کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کا حکم دینا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا مقصد اس کے علاوہ ہوتا تو اس کے بعد آپ ﷺ اس کا حکم ضرور دیتے اس لئے کہ اس واقعہ کے بعد بھی آپ ﷺ چند ایام بقید حیات رہے ہیں اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ حضور ﷺ مرض الوفات میں کوئی نیا حکم دینا نہیں چاہ رہے تھے۔

(تحفۃ القاری ۱/۴۰۹)

(و):

لاتضلّوا بعده سے مجموعہ اُمت کو ضلالت سے روکنا مقصود ہے نہ کہ یہ مطلب ہے کہ امت کا ہر فرد گمراہی سے محفوظ ہو جائے گا، کیونکہ قرآن کریم اور حدیث شریف میں بیان کیا جا چکا ہے کہ پوری امت گمراہ ہو جائے، ایسا نہیں ہو سکتا ہے پس اس بات کا یہ مطلب ہوا کہ مجموعی طور پر امت گمراہی سے محفوظ رہے گی۔

نیز یہ کتابت آپ ﷺ پر ضروری نہیں تھی اگر ضروری ہوتی تو آپ ﷺ ضرور اختلاف کی پرواہ نہ کرتے جیسا کہ عبداللہ بن اُبی کی نمازِ جنازہ اور صلح حدیبیہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی پرواہ نہ کی بلکہ یہ حکم از قبیل شفقت تھا۔

سوال: ۳۷، صفحہ: ۲۳

عَنْ جَرِيرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ اسْتَنْصِتِ النَّاسَ فَقَالَ لاَ تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.

(۱۴۰۳ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) جریر کون ہے؟ آپ ﷺ کے حج کا نام حجۃ الوداع کیوں ہے؟

(ج) حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل مؤمن متعمداً کفر ہے اور آیت میں وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءُهُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ہے اس کی تائید ہوتی ہے اور اہلِ حق متفق ہیں کہ کوئی امر موجبِ خلود فی النار نہیں پس آپ حدیث اور آیت کی ایسی توجیہ کریں کہ اہلِ حق کے اجماعی عقیدے سے تعارض باقی نہ رہے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی پاک ﷺ نے ان سے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا لوگوں کو خاموش کرو (حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خاموش کیا جب سب لوگ خاموش ہو گئے) تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے بعد کافر مت ہو جانا کہ بعض بعض کی گردنیں مارنے لگو۔

(ب) حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا تعارف:

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ ۹ ہجری میں مسلمان ہوئے ہیں، آپ رضی

اللہ عنہ بڑے حسین وجمیل تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کو اس اُمت کا یوسف کہتے تھے، آنحضور ﷺ جب بھی آپ کو دیکھتے مسکراتے یہ مسکرانا اکرام وانبساط کے لئے تھا جب وہ پہلی مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو آپ ﷺ نے ان کے لئے اپنی چادر بچھائی ہے اور ذوالخلصہ کا مندر نبی ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ منہدم کرایا تھا۔ جنگِ قادسیہ میں قبیلۂ بجیلہ کا تکملہ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا، مگر بعد میں آپ رضی اللہ عنہ فتنوں سے الگ ہو گئے اور ۵۱ ہجری میں وفات پائی۔

(اور آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو مشہور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ وفاتِ نبوی سے پچاس دن پہلے مسلمان ہوئے ہیں یہ بات شاید صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع میں شریک تھے)۔ (تحفۃ القاری ۱/۲۱۸)

حجۃ الوداع کی وجہ تسمیہ:

الوداع بفتح الواوَ کے معنیٰ ہے رخصت کے اور ودّع (تفعیل) القومُ المسافر کے معنیٰ ہے رخصت کرنے کے لئے جانا اور تودع (تفعّل) القومُ کے معنیٰ ہیں ایک دوسرے کو رخصت کرنا۔

چونکہ اس سفر میں نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو رخصت فرمادیا تھا، اور دین واسلام اور اہلِ اسلام کو خدائے عزوجل کا حوالہ کردیا تھا، اور اس طرح خود اپنی رخصت کی طرف بھی اشارہ فرمادیا تھا اس لئے اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

(ج):

آیتِ کریمہ اور حدیث شریف میں جو قتل مؤمن متعمدا کو کفر اور موجبِ خلود فی النار کہا گیا، یہ اس شخص کے حق میں ہے جو کسی مسلمان کو بغیر حق اس کے دم کو مباح سمجھتے ہوئے قتل کرے اس کے لئے یہ سزا ہے۔

(۲) حدیث میں کفر سے کفر عملی مراد ہے، نہ کہ حقیقی کفر مراد ہے۔

(۳) حدیث میں کافر ہونے سے مراد کفر کے قریب ہو جانا اور تشبہ بالکفار مراد ہے یعنی یہ کام کفر کے قریب اور ان کے مشابہ کر دیتا ہے۔

(۴) حدیث اور آیتِ کریمہ میں شرط محذوف ہے إن جازاہ یعنی اگر ان کو ان کے اس عمل کی سزا دی جاتی تو ان کی سزا یہی تھی اور یہ لوگ اس سزا کے مستحق تھے اور شرط کے محذوف ہونے پر بہت سی آیاتِ قرآنی و احادیث متواترہ دال ہیں، لہٰذا یہ جملہ شرطیہ کے حکم میں ہوا لیکن استحقاق سے فعل کا وقوع لازم نہیں آتا ہے، کیونکہ شفاعت کی احادیث اور دیگر احادیث مشہورہ جو ایمان والوں کے جہنم سے نکلنے کے متعلق موجود ہیں ان سے معلوم ہوا کہ وقوع نہیں ہوگا۔

(۵) خلود کا لفظ مکثِ طویل کے لئے بولا جاتا ہے خلد الله ملكه. لا اكلمك ابدا لا ابدين اور یہاں مکثِ طویل مراد ہے آیتِ کریمہ میں۔

(۶) خلود اس عذاب سے متصف ہونے کی صفت ہے دخولِ جہنم کی صفت نہیں ہے یعنی جب تک جہنم میں رہے اس عذاب سے متصف رہے گا۔

(ملخص از نعمت المنعم شرح صحیح مسلم)

سوال: ۴۷، صفحہ: ۲۴

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ. فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ تَعْنِي وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ اَوَ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ قَالَ نَعَمْ تَرِبَتْ يَمِينُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا.

(۱۴۰۳، ۱۴۱۳ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) بظاہر تو وہ اس سلسلہ میں حیاء کے ترک کرنے کو مستحسن قرار دے رہے ہیں جبکہ حیاء کے بارے میں اَلحیاءُ خیرٌ کلّہ بھی منقول ہے۔

(ج) روایت میں ذکر کردہ مسئلہ کی وضاحت کریں اور لکھیں کہ احتلام میں رأت الماء کی قید صرف عورتوں کے لئے ہے یا مردوں کا بھی یہی حکم ہے؟

(د) امام بخاری اس روایت پر یہ عنوان قائم کیا ہے بابُ الحیاء فی العلم وقالَ مجاھدٌ لایتعلّم العلم مستحی ولامستکبر وقالت عائشۃ نعم النساء نساء الانصار لم یمنعھن الحیاء ان یتفقھن فی الدین آپ تحریر کریں کہ امام بخاری کا مقصد کیا ہے؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اُمِّ سُلیم رضی اللہ عنہا حضور اقدس کے پاس آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ حق بات بیان کرنے میں شرماتے نہیں (پس حق بات پوچھنے میں کیا شرمانا یہ تمہید قائم کر کے سوال کیا) کیا عورت پر بھی غسل ہے جب وہ پانی دیکھے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں اس پر بھی غسل واجب ہے جب وہ پانی دیکھے یعنی کپڑے پر منی کا اثر دیکھے اُمِّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے شرم سے اپنا چہرہ چھپالیا اور کسی دوسرے وقت عرض کیا یا رسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو، بچہ عورت کے مشابہ کیسے ہوتا ہے۔

(ب):

روایات میں جس حیاء کے ترک کو مستحسن قرار دیا گیا ہے دراصل وہ حیاء نہیں بلکہ وہ کمزوری اور بزدلی ہے جو کہ محروم علم کا سبب بنتی ہے۔

(ج):

اگر کوئی شخص خواب دیکھے کہ وہ صحبت کر رہا ہے اور انزال ہو گیا مگر بیدار ہونے کے بعد کپڑے پر منی کے اثرات نہ پائے تو اس پر غسل واجب نہیں ہے اور اگر کپڑے پر تری دیکھے اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔

اس مسئلہ کی کل چودہ صورتیں ہیں:

(۱) تری کے منی ہونے کا یقین ہو (۲) مذی ہونے کا یقین ہو (۳) وَدی ہونے کا یقین ہو (۴) اوّلین میں شک ہو (۵) آخرین میں شک ہو (۶) طرفین میں شک ہو (۷) تینوں میں شک ہو۔

پھر ان میں سے ہر ایک صورت میں احتلام یاد ہوگا یا نہیں ہوگا اس طرح کل چودہ صورتیں بنتی ہیں۔

ان میں مندرجۂ ذیل سات ۷ صورت میں بالاتفاق علماء احناف غسل واجب ہوگا (۱) منی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو (۲) منی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو (۳) مذی ہونے کا یقین ہو خواب یاد ہو (۴) اوّلین میں شک ہو اور خواب یاد ہو (۵) آخرین میں شک ہو اور خواب یاد ہو (۶) طرفین میں شک ہو اور خواب یاد ہو (۷) تینوں میں شک ہو خواب یاد ہو۔

اور مندرجۂ ذیل چار صورتوں میں غسل واجب نہیں ہے بالاتفاق۔

(۱) وَدی ہونے کا یقین ہو خواب یاد ہو (۲) وَدی ہونے کا یقین ہو خواب یاد نہ ہو (۳) مذی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو (۴) مذی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

مندرجۂ ذیل تین صورتوں میں اختلاف ہے:

(۱) مذی اور منی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

(۲) منی اور وَدی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

(۳) تینوں میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

ان صورتوں میں طرفین کے نزدیک احتیاطاً غسل واجب ہے اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غسل واجب نہیں ہے۔

اذا رأت الماء کی قید مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے۔

بچہ والدین کی مشابہ ہونے کی وضاحت: جاننا چاہئے کہ مردوں کی جس طرح منی ہوتی ہے اسی طرح عورتوں کو بھی منی ہوتی ہے، البتہ عورتوں کو احتلام کی نوبت کم آتی ہے، کیونکہ ان کا مزاج مرطوب ہے اور ان کا نظام تولید اندر ہے اس لئے تحریک کم ہوتی ہے اور مرد کا مزاج گرم خشک اور نظامِ تولید باہر ہے اور عضو کپڑا وغیرہ کے ساتھ لگتا ہے اس لئے احتلام کی نوبت زیادہ آتی ہے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوال کے جواب میں فرمایا اگر عورت کا پانی نہ ہوتا تو پھر بچہ میں ننہیال کی مشابہت کہاں سے آتی ہے بچہ کبھی ددھیال کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ننھیال کے، معلوم ہوا مرد کی طرح عورت کا بھی پانی ہوتا ہے۔

(درسِ ترمذی: ۱/ ۳۷۳۔ السحج المحمود ۲/ ۴۴)

(د):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ان احادیث اور اثر سے کہ انسان کو طلبِ علم میں حیاء نہیں کرنی چاہئے پس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اور اثر مجاہد لاکر بس اتنا استدلال کرنا ہے کہ دینی معاملہ میں شرم محمود نہیں اگرچہ وہ ایمان کی ایک اہم شاخ ہے حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کو ایک مسئلہ معلوم کرنا تھا اور وہ شرم کا مسئلہ تھا مگر انہوں نے شرم نہیں کی بلکہ مسئلہ دریافت کرلیا پس دینی بات پوچھنے میں شرم نہیں کرنی چاہئے کیونکہ شرم علم کی راہ میں رُکاوٹ ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/ ۴۳۹)

سوال: ۵۷، صفحہ: ۲۵

بَابُ مَنْ أَجَابَ السَّائِلَ بِأَكْثَرَ مِمَّا سَأله. عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلاً سَأَلَهُ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ فَقَالَ لاَ يَلْبَسِ الْقَمِيصَ وَلاَ الْعِمَامَةَ وَلاَ السَّرَاوِيلَ وَلاَ الْبُرْنُسَ وَلاَ ثَوْبًا مَسَّهُ الْوَرْسُ أَوِ الزَّعْفَرَانُ، فَإِنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُونَا تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ.

(۱۴۲۵ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) حج میں محرم کس طرح کا لباس استعمال کرے، اس کا سوال اور آپ ﷺ کے جواب میں مطابقت نہیں ہے۔ ترجمۃ الباب من اجاب السائل باکثر مماسأله ہے اس سے امام بخاری کی کیا غرض ہے تحریر کریں۔

(ج) سوال کا مضمون جواب میں داخل ہونا ضروری ہے یہاں پر کس طرح داخل ہے؟

(د) محرم کے لئے نعلین کی عدمِ موجودگی میں خفین کو جوتا نما بنانے کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: سوال سے زیادہ جواب دینا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے پوچھا محرم کیا کیا کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا محرم کرتا نہ پہنے، پگڑی نہ باندھے، پائجامہ نہ پہنے، ٹوپی نہ اوڑھے اور نہ کوئی ایسا کپڑا پہنے جس کو

وَرَس یا زعفران نے چھویا ہے یعنی ان میں رَنگا گیا ہے اور محرم اگر چپل نہ پائے تو چاہئے کہ خفین پہنے اور چاہئے کہ ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے۔

(ب):

سائل کے سوال کے مطابق آپ ﷺ کا جواب ہے بایں طور کہ سائل نے احرام میں مباح الاستعمال لباس کے بارے میں سوال کیا جو کہ غیر محدود ہے لیکن آپ ﷺ نے مقتضائے حال کے مطابق ممنوع الاستعمال کپڑوں کی ممانعت سے صراحۃً جواب دیا جو کہ محدود ہے سائل کی آسانی کے لئے جس سے مباح الاستعمال کا جواب بھی لزوماً ثابت ہو گیا، کیونکہ سائل کو جب ممنوع الاستعمال کپڑا معلوم ہو گیا تو لازماً وہ سمجھ لے گا کہ اس کے علاوہ تمام کپڑے مباح الاستعمال ہیں، لہٰذا سوال و جواب میں مطابقت موجود ہے۔

اس باب سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ مفتی اگر مناسب سمجھے تو سائل کے سوال سے زیادہ افادہ کرسکتا ہے یعنی سوال کا جواب دے کر کوئی اور ضروری بات بتانا چاہے تو بتاسکتا ہے چند ابواب پہلے یہ بات گزری ہے کہ اگر عالم کچھ خاص باتیں عوام کے سامنے بیان نہ کرے تو اس کی گنجائش ہے یہ اس کا مقابل باب ہے کہ اگر عالم ازخود کوئی بات بیان کرنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

(تحفۃ القاری ۱/۴۴۱)

(ج):

سوال کا مضمون جواب میں اس طرح داخل ہے کہ سائل نے مثبت پہلو سے سوال کیا تھا مگر آپ ﷺ نے منفی پہلو سے جواب دیا ہے اس لئے کہ محرم جو کپڑے پہن سکتا ہے وہ غیر محدود ہیں اور جو نہیں پہن سکتا وہ محدود ہیں، اس لئے آپ ﷺ نے منفی پہلو سے جواب دیا کہ ان کپڑوں کے علاوہ ہر کپڑا پہن سکتا ہے پس سوال مباح الاستعمال کپڑا جواب میں داخل ہو گیا۔ (تحفۃ القاری ۱/۴۴۲)

(د):

نعلین کی عدمِ موجودگی میں خفین کو جوتا نما بنانے میں اختلاف ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موزہ کو جوتا نما بنانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جوتا کی عدمِ موجودگی میں موزہ کو بغیر کاٹے بھی پہن سکتا ہے۔

دلیل: قوله عليه الصلوٰة والسلام اذا لم يجد النعلين فليلبس الخفين.

اور جمہور کے نزدیک جوتے کی عدمِ موجودگی میں موزہ کو کاٹ کے جوتا نما بنا کر پھر استعمال کرے اس سے پہلے استعمال کی اجازت نہیں۔

دلیل: (۱) حديث ابن عمر هٰذا قال فيه فان لم يجد النعلين فليلبس الخفين وليقطعهما حتى يكونا تحت الكعبين.

(۲) ولا تلبس القميص .... ولا الخفاف الا ان يكون احد ليست له نعلان فليلبس الخفين وليقطعهما ما اسفل من الكعبين. (درسِ ترمذی ۱)

سوال: ۶، ۷، صفحہ: ۳۴

بَابٌ مِنَ الْكَبَائِرِ اَنْ لَا يَسْتَتِرَ مِنْ بَوْلِهِ. عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ أَوْ مَكَّةَ. فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ ثُمَّ قَالَ بَلَى، كَانَ أَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ.

(۱۴۱۷ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مقصدِ ترجمہ متعین کریں اس ترجمہ کو کتاب الوضوء میں منعقد کرنے کی وجہ لکھئے۔

(ج) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ میں الکبائر کہہ رہے ہیں اور حدیث میں

ومایعذبان فی کبیر فرمایا گیا ہے اس تعارض کو رفع کیجئے۔

(د) نیمہ، غیبت اور نصیحت تینوں کا باہمی فرق بیان کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: اپنے پیشاب سے احتراز نہ کرنا کبیرہ گناہ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں نبی ﷺ مکہ یا مدینہ کے باغوں میں سے ایک باغ سے گزرے آپ ﷺ نے دوانسانوں کی آواز سنی جو اپنی قبروں میں عذاب دیئے جارہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ دونوں قبروالے عذاب دیئے جارہے ہیں اور کسی اہم معاملے میں عذاب نہیں دیئے جارہے بلکہ معمولی بات میں عذاب دیئے جارہے ہیں پھر فرمایا کیوں نہیں (اہم معاملہ میں عذاب دیئے جارہے ہیں) ان میں سے ایک اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلیاں کھاتا تھا۔

(ب):

اس کا جواب سوال نمبر ۳۰ میں گزر چکا ہے۔

(ج) تعارض کا حل:

اس تعارض کو دفع کرنے کے لئے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں:

(۱) نفی ان دونوں کے اعتقاد کے اعتبار سے ہے یعنی ان کے خیال میں یہ گناہِ کبیرہ نہیں تھا اگرچہ فی الواقع وہ کبیرہ گناہ ہے۔

(۲) جس گناہ کبیرہ کی نفی کی جارہی ہے وہ اکبرالکبائر ہے اور جس کو ثابت کیا جارہا ہے وہ مطلق گناہِ کبیرہ ہے۔

(۳) آپ ﷺ نے یہ خیال کیا ہو کہ یہ گناہِ کبیرہ نہیں ہیں، مگر اللہ کی طرف سے فوراً

وحی آ گئی ہو کہ نہیں یہ تو گناہِ کبیرہ ہے لہٰذا آپ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمادی۔

(۴) نفی اس اعتبار سے کیجارہی ہے کہ یہ دونوں گناہ ایسے ہیں کہ ان سے بچنا کوئی مشکل کام نہیں پیشاب سے بچنا کیا مشکل ہے؟ اور چغل خوری کا کیا فائدہ ہے مگر نتائج کے اعتبار سے یہ دونوں باتیں سنگین ہیں اگر پیشاب سے نہیں بچے گا تو ساری نمازیں برباد ہوں گی اور لگائی بجھائی کرنا مونڈنے والی خصلت ہے دین مونڈ دیتی ہے یعنی یہ فسادِ ذات البین کا سبب ہے۔ (السمح المحمود ۱/ ۹۸)

(د):

(۱) النمیمة: ھی نقل کلام الغیر علی وجه الفساد والاضرار.

دوسرے کی بات کو فساد اور ضرر پہنچانے کی نیت سے نقل کرنا۔

(۲) الغیبة: ھی ان یذکر احد اخاہ بما یکرہ فی الغیبة بشرط ان یکون موجودا فیه.

اپنے بھائی کی پیٹھ پیچھے ایسے برائی کرنا جس کو وہ ناپسند کرے بشرطیکہ وہ برائی اس میں موجود ہو۔

(۳) النصیحة: ھی ارادۃ الخیر للمنصوح له.

منصوح لہٗ کے لئے بھلائی کا ارادہ کرنا۔

سوال: ۷۷، صفحہ: ۴۳

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ سَأَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قُلْتُ أَرَأَيْتَ إِذَا جَامَعَ فَلَمْ يُمْنِ قَالَ عُثْمَانُ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ. قَالَ عُثْمَانُ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ عَلِيًّا، وَالزُّبَيْرَ، وَطَلْحَةَ، وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ فَأَمَرُوهُ بِذٰلِكَ. وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِذَا جَامَعَ

الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فَلَمْ يُنْزِلْ قَالَ يَغْسِلُ مَا مَسَّ الْمَرْأَةَ مِنْهُ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْغَسْلُ أَحْوَطُ. وَذَاكَ الآخِرُ، وَإِنَّمَا بَيَّنَّا لِاخْتِلَافِهِمْ وَالْمَاءُ أَنْقَى.

(۱۴۲۶ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) الغسل احوط کہنے کا کیا مطلب ہے؟

(ج) انما بیناہ لاختلافھم سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی نہیں ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے اجماع ہونے نہ ہونے کو تفصیل سے تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کی رائے کیا ہے جب آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرے اور منی نہ نکلے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا وضو کرے جیسا نماز کے لئے وضو کرتا ہے اور اپنی شرم گاہ کو دھوئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے یہ بات نبی ﷺ سے سنی ہے (حضرت زید کہتے ہیں) پھر میں نے یہ بات حضرات علی، طلحہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے پوچھی انہوں نے بھی اسی کا حکم دیا۔ حضرت اُبی بن کعب رض اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب آدمی عورت سے صحبت کرے اور انزال نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا عورت کی شرم گاہ سے جو رطوبت پہنچی ہے اس کو دھو ڈالے پھر وضو کرے اور نماز پڑھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں غسل کرنا احتیاط کی بات ہے یہ دوسری حدیث ہے (جس کا اوپر تذکرہ آیا ہے) ہم نے اس کو صرف اس لئے بیان کیا ہے کہ اس مسئلہ میں صحابہ میں اختلاف تھا اور پانی میں زیادہ صفائی ہے۔

(ب):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہاں پر الغسل احوط کہنے کی وجہ سے ان کے سر یہ الزام لگا ہے وہ اب بھی اکسال میں عدمِ غسل کے قائل ہیں حالانکہ یہ الزام سراسر غلط ہے یہ اجماع کا انکار ہے اور اجماع کا منکر اہلِ حق میں نہیں رہتا پس امام بخاری اجماع کا انکار کیسے کر سکتے ہیں۔

اور حضرت پر یہ الزام دو وجہ سے لگا ہے جس کی تفصیل ہم سوال نمبر ۳۶ کے جزء ''ب'' میں بیان کر چکے ہیں۔

پس الغسل احوط، الغسل یجب کے معنیٰ میں لیا جائے گا تا کہ اجماع کے خلاف لازم نہ آئے۔ (واللہ اعلم) (تحفۃ القاری ۲/ ۷۴)

(ج):

انما بیناہ لاختلافھم سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی نہیں ہے حالانکہ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس پر اجماع ہو چکا ہے اور اجماع لاحق سے اختلاف سابق رفع ہو جاتا ہے، اس کے باوجود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کے اختلاف کو اپنی کتاب میں ذکر کیا جس کی وجہ سے ان کے سر یہ الزام بھی لگا ہے کہ وہ اب بھی اکسال کی صورت میں غسل واجب ہونے کے قائل نہیں ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ اجماع کا منکر اہلِ حق میں نہیں رہتا ہے پس امام بخاری کیسے اجماع کا انکار کر سکتے ہیں۔

اجماع کی تفصیل:

یہ مسئلہ دورِ صحابہ میں اختلافی تھا اکثر انصار الماء من الماء کا فتویٰ دیتے تھے یعنی انزال کے بعد غسل واجب ہوگا اکسال کی صورت میں غسل واجب نہیں ہوگا، صرف وضو واجب ہوگا اکثر مہاجر غسل کو واجب کہتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں

اختلاف ختم ہوگیا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں اپنی رائے سے فتویٰ دے رہے ہیں کہ اکسال میں غسل واجب نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا زید کو بلا کر لاؤ اور خود بھی آؤ، تاکہ گواہ رہو وہ آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے پوچھا کیا آپ اکسال کے مسئلہ میں لوگوں کو اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہیں؟ انہوں نے کہا: میں نے یہ بات اپنے چچاؤں سے سنی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کونسے چچاؤں سے؟ انہوں نے کہا: ابوایوب انصاری، ابی بن کعب اور رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہم سے، اتفاق سے حضرت رفاعہ وہاں موجود تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا یہ نوجوان کیا کہتا ہے؟ انہوں نے کہا ٹھیک کہتا ہے، ہم نبی ﷺ کے زمانہ میں بیویوں سے صحبت کرتے تھے اور انزال نہ ہونے کی صورت میں غسل نہیں کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا آپ لوگوں نے یہ مسئلہ نبی ﷺ سے پوچھا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے کہ آپ حضرات کیا کہتے ہیں؟ ان کے درمیان اختلاف ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کے بندو! اگر آپ لوگ اس میں اختلاف کرو گے تو بعد کے لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ یہ مسئلہ ازواج مطہرات سے پوچھا جائے، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تو انہوں نے لاعلمی ظاہر کی اور کہا میرے ساتھ ایسا واقعہ پیش نہیں آیا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آدمی بھیجا تو انہوں نے کہا میرے اور نبی ﷺ کے درمیان ایسی صورت پیش آئی ہے اور ہم دونوں نے غسل کیا ہے۔ جب نبی ﷺ کا عمل معلوم ہوگیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا آج کے بعد اگر کوئی شخص ایسا کرے گا اور غسل نہیں کرے گا تو میں اس کو سخت سزا دوں گا اس دن سے تمام صحابہ کا اجماع ہوگیا کہ اکسال کی صورت میں غسل واجب ہے اب مسئلہ میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہا۔ (تحفۃ القاری ۲/۷۳)

سوال: ۸۷، صفحہ: ۴۸

(۱۴۱۴ھ،۱۴۲۰ھ)

(الف) باب اذا لم یجد ماء ولا ترابًا کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ کا ہار گم ہونے والی روایت ذکر فرمائی ہے اسی روایت سے ترجمۃ الباب ثابت نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ جس مقام پر یہ واقعہ پیش آیا وہ جنگل تھا وہاں مٹی ہی مٹی تھی تو ترجمۃ الباب کا دوسرا جزء ولا ترابا اس روایت سے کیسے ثابت ہوگا آپ اس کا جواب تحریر کریں۔

(ب) فاقد الطهورین نماز پڑھے یا نہ پڑھے اس میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل بیان کیجئے۔

الجواب:

(الف):

باب اذا لم یجد ماء ولا ترابا ترجمۃ الباب کا دوسرا جزء اس روایت سے اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جن حضرات کو ہار تلاش کرنے کے لئے بھیجا تھا ان کے پاس پانی نہیں تھا اور تیمم کا ان کو علم نہیں تھا، پس مٹی بھی ان کے حق میں حکماً معدوم ہوگئی، جیسا کہ پانی حقیقتاً معدوم ہے اور وہ لوگ فاقد الطهورین ہوگئے، پس ترجمۃ الباب کا دوسرا جزء لاترابا کہنا بھی صحیح ہوا، مٹی کا ان کے حق میں عدم علم تیمم کی وجہ سے معدوم ہونے کی وجہ سے۔ (تحفۃ القاری ۲/ ۱۴۵)

(ب):

اگر کسی کے پاس اسبابِ طہارت پانی اور مٹی نہ ہوں تو کیا کرے یہ مسئلہ منصوص نہیں بلکہ اجتہادی ہے اس سلسلہ میں علماء کے درمیان شدید اختلاف ہے۔

اس میں پانچ مذاہب ہیں:

(۱) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لایصلی ویقضی نماز نہ پڑھے بعد میں قضا کرے۔

دلیل: لاتقبل صلوٰۃ بغیر طھور. اس حدیث میں کہا گیا پاکی کے بغیر کوئی نماز قبول نہیں ہوگی، پس جب آلۂ تطہیر پانی یا مٹی موجود نہیں تو فی الحال نماز نہیں پڑھے گا جب پانی یا مٹی پر قادر ہوگا تب وضو یا تیمم کر کے نماز پڑھے گا۔

(۲) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فی الحال نماز پڑھے بعد میں قضا نہ کرے۔

دلیل: قولہ تعالیٰ: لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا.

وجہِ استدلال: انسان کو اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ حکم نہیں دیتے اور یہ شخص اسبابِ طہارت پر قادر نہیں، پس پاکی حاصل کرنے کا مکلف بھی نہیں اور نماز پڑھنے پر قادر ہے اس لئے طہارت کے بغیر ہی نماز پڑھے اور قضاء کی حاجت نہیں اور یہی امام بخاری کا مسلک ہے۔

(۳) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہ فی الحال نماز پڑھے اور نہ قضا کرے۔

دلیل: فی الحال اس لئے نماز نہیں پڑھے گا کہ حدیث ہے: لاتقبل صلوٰۃ بغیر طھور اور قضاء اس لئے نہیں کرے گا کہ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا جب وہ شرط یعنی پاکی کے ساتھ نماز ادا کرنے پر قادر نہیں تو وہ مکلف بھی نہیں، جیسے حائضہ اور نفاس والی عورت پاکی کے ساتھ نماز پڑھنے پر قادر نہیں تو ان کے حق میں نماز معاف ہے فاقد الطہورین بھی ان ہی کی طرح ہے پس اس کے حق میں بھی نماز کا حکم ساقط ہو جائے گا۔

(۴) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فی الحال بھی نماز پڑھے گا اور بعد میں بھی قضا کرے گا۔

دلیل: فی الحال تو اس لئے نماز پڑھے گا کہ نماز کا وقت داخل ہوتے ہی حکم خداوندی

أَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ متوجہ ہوتا ہے پس اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور چونکہ یہ نماز پاکی کے بغیر پڑھی گئی اس لئے صحیح نہیں ہوئی اس لئے قضا بھی کرے۔

(۵) امام صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک فی الحال نماز نہیں پڑھے گا البتہ تشبہ بالمصلّین یعنی نماز کی شکل بنائے گا۔

دلیل: اس کے نظائر ہیں یعنی جیسے بچہ اگر رمضان کے دن میں بالغ ہوجائے یا کافر مسلمان ہوجائے یا حائضہ پاک ہوتو ان کو باقی دن میں امساک کا حکم دیا گیا جو تشبہ بالصائمین ہے۔

اسی طرح اگر کسی کا حج فاسد ہوجائے تو اس کو حکم دیا گیا، کہ باقی مناسک حج میں دوسرے حجاج کے مانند عمل کرے جو تشبہ بالحجاج ہے اور ان دونوں صورتوں میں حج اور روزہ کی قضا بھی لازم ہے اسی طرح فاقد الطہورین بھی تشبہ بالمصلین کرے گا اور بعد میں قضاء بھی کرے گا۔ (درسِ ترمذی)

سوال: ۹۷، صفحہ: ۴۹

وَأَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ وَهُوَ مُتَيَمِّمٌ. وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ لاَ بَأْسَ بِالصَّلاَةِ عَلَى السَّبَخَةِ وَالتَّيَمُّمِ بِهَا.

(۱۴۲۷ھ)

(الف) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الصعید الطیب وضوء المسلم کے ذریعہ کس مسئلہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

(ب) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے عمل سے کیا ثابت ہوتا ہے۔

(ج) اس باب کے تحت جو حدیث ذکر کی ہے اس میں آپ نے ایک جنبی کو پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کا حکم دیا اور جب پانی ملا تو غسل کا حکم دیا اس میں ائمہ کا اختلاف نیز ان کا استدلال واضح طور پر لکھیں۔

(د) التیمم علی السبخۃ کے ذریعہ کیا مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں وضاحت کے ساتھ تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

اِس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ ہے یا طہارتِ ضروریہ؟ طہارتِ مطلقہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک تیمم سے جب تک حدث پیش نہ آئے ہر عبادت کر سکتے ہیں جیسے وضو طہارتِ مطلقہ ہے اور ایک وضو سے جب تک حدیث پیش نہ آئے ہر عبادت کر سکتے ہیں اور طہارتِ ضروریہ کا مطلب یہ ہے کہ جس عبادت کے لئے تیمم کیا ہے وہی عبادت کر سکتے ہیں دوسری عبادت نہیں کر سکتے دوسری عبادت کے لئے دوسرا تیمم کرنا ضروری ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیمم طہارتِ مطلقہ ہے جس طرح وضو طہارتِ مطلقہ ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طہارتِ ضروریہ ہے، لہٰذا اگر کوئی جنازہ کے لئے تیمم کرے تو اس تیمم سے قرآن نہیں پڑھ سکتے اس کے لئے الگ تیمم کرنا ضروری ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/۱۵۲)

(ب):

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ متیمم متوضیٔ کی امامت کرسکتا ہے اور یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے اگر چہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متیمم متوضی کی امامت نہیں کرسکتا ہے نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ تیمم طہارتِ مطلقہ کاملہ ہے اگر طہارتِ ضروریہ ہوتا تو متیمم کا متوضئین کی امامت درست نہ ہوتی۔

(ج):

اس مسئلہ میں اختلاف یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک جب پانی نہ پائے تو تیمم جائز ہے

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیمم اس وقت جائز ہے جبکہ پانی دو میل کی دُوری پر ہو اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیمم اس وقت جائز ہے جبکہ ایسی صورت ہو کہ اگر وہ وہاں تک پانی لینے کے لئے جائے تو قافلہ چھوٹ جائے گا یا نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔

ائمہ اربعہ کا استدلال حدیث الباب سے اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے عدمِ وجدانِ ماء کی صورت میں مطلقاً فرمایا: علیك بالصعید پس معلوم ہوا پانی کی عدمِ موجودگی میں تیمم کرسکتا ہے۔

(د):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قاضی المدینہ جلیل القدر تابعی یحییٰ بن سعید کے قول: لابأس بالصلاۃ علی السبخۃ والتیمم بہا کے ذریعہ ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی مٹی پر تیمم جائز ہے جس میں اُگانے کی صلاحیت ہو غیر منبت مٹی پر تیمم جائز نہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ منبت اور غیر منبت کا فرق نہیں کرتے ان کے نزدیک ہر اس چیز سے جو زمین کی جنس سے ہو خواہ اس میں اُگانے کی صلاحیت ہو یا نہ ہو اس سے تیمم جائز ہے اور یہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی رائے ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/۱۵۳)

سوال: ۸۰، صفحہ: ۵۳

بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الْفَخِذِ. وَيُرْوَى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَرْهَدٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَخِذُ عَوْرَةٌ. قَالَ أَنَسٌ حَسَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَخِذِهِ. وَحَدِيثُ أَنَسٍ أَسْنَدُ، وَحَدِيثُ جَرْهَدٍ أَحْوَطُ حَتَّى يُخْرَجَ مِنِ اخْتِلَافِهِمْ.

(۱۴۰۹ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ ومطلب لکھیں۔

(ب) فخذ کے عورت ہونے وعدمِ عورت ہونے میں ائمہ کرام کا جو اختلاف ہے مع دلائل لکھیں۔

(ج) قال ابوعبداللہ سے من اختلافھم تک عبارت کی تشریح فرما کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے رجحان کے بارے میں بھی وضاحت فرمائیے۔

الجواب:

اس سوال کا پورا جواب سوال نمبر ۱۴ میں گزر چکا ہے۔

سوال: ۸۱، صفحہ: ۵۳

بَابُ قِبْلَةِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَأَهْلِ الشَّامِ وَالْمَشْرِقِ. لَيْسَ فِي الْمَشْرِقِ وَلاَفِي الْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ. لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا.

پھر اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ایک روایت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی ذکر فرمائی ہے روایت یہ ہے کہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَاتَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَاتَسْتَدْبِرُوْهَا وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا. اِس روایت میں تو اہلِ مدینہ کا قبلہ مذکور ہے نہ اہلِ شام نہ اہل مشرق کا اور نہ اہلِ مغرب کا لہٰذا ترجمۃ الباب۔ کے تمام اجزاء کے ثبوت کی کیا تقریر ہوگی واضح طریقہ سے بیان کریں۔

(۱۴۰۹ھ)

الجواب:

ترجمۃ الباب کے تمام اجزاء کا ثبوت اس طور پر ہوگا کہ حدیث مذکور کے اندر شرّقوا اور غرّبوا کا مخاطب اہلِ مدینہ اور شام ہیں، کیونکہ مدینہ اور شام سے قبلہ جانبِ جنوب میں

واقع ہے اور مدینہ والوں کے لئے جنوب میں قبلہ ہونا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے اس طور پر کہ یہاں احد المتقابلین کے طور پر شرقوا اور غربوا پر اکتفاء کیا گیا ہے لہٰذا جو ان کے مقابل میں ہوں گے وہ اہلِ مدینہ اور شام والوں کا قبلہ ہے۔

ترجمۃ الباب کے تیسرے جزء والمشرق سے کوئی مناسبت معلوم نہیں ہے اس لئے کہ اہلِ مدینہ اور اہلِ شام کا قبلہ تو جنوب میں ہے مگر اہلِ مشرق کا قبلہ جانبِ مغرب میں ہوگا نہ کہ جانبِ جنوب میں جو اہلِ مدینہ واہلِ شام کا قبلہ ہے جب ان کا قبلہ جانبِ مغرب میں ہے تو حدیث سے کوئی جوڑ نہیں ہے اس لئے یہاں ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، لیکن محققین نے فرمایا یہاں مشرق کا قاف مجرور ہے اور مراد عام اہلِ مشرق نہیں ہے بلکہ خاص لوگ مراد ہیں جو مدینہ سے ٹھیک مشرق یا مغرب میں رہتے ہیں ان کا حکم یہ ہے: لیس فی المشرق ولا فی المغرب قبلۃ لہٰذا جو مدینہ اور شام والوں کا قبلہ ہے وہی اہلِ مشرق خاص یعنی اہلِ بخاریٰ ومرو وغیرہ کا قبلہ ہے اب ترجمۃ الباب کے تینوں اجزاء کا ثبوت ہو گیا۔ (تحفۃ القاری ۲/۲۲۹)

سوال: ۸۲، صفحہ: ۵۸

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِبْلَةِ وَمَنْ لَا يَرَى الإِعَادَةَ عَلَى مَنْ سَهَا فَصَلَّى إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ. وَقَدْ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَكْعَتَيِ الظُّهْرِ، وَأَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ، ثُمَّ أَتَمَّ مَا بَقِيَ. عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ وَافَقْتُ رَبِّي فِي ثَلَاثٍ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ لَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى فَنَزَلَتْ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَآيَةُ الْحِجَابِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ، لَوْ أَمَرْتَ نِسَاءَكَ أَنْ يَحْتَجِبْنَ. فَإِنَّهُ يُكَلِّمُهُنَّ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ.

(۱۴۰۳ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ترجمہ کا مقصد متعین کریں اگر مقصد یہ ہے کہ غیر قبلہ کی طرف سہواً نماز پڑھ لی جائے تو کیا اعادہ کی ضرورت ہے؟ اگر ہے تو بتائیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کیسے منطبق ہوگی؟

(ج) پھر یہ بھی تحریر فرمائیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے وحی کی موافقت جن تین اُمور میں ہے ان میں تیسرا کیا ہے؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ: استقبالِ قبلہ کی روایات۔ جو لوگ بھول کر غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والے کے لئے اعادہ ضروری نہیں سمجھتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ظہر کی رکعتوں پر سلام پھیر دیا پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے (جب صحابہ نے غلطی بتلائی) تو آپ ﷺ کعبہ کی طرف پھرے اور باقی نماز پڑھائی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مین نے اپنے پروردگار کی تین باتوں میں موافقت کی: (۱) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کاش ہم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناتے (۲) اور آیتِ حجاب میں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کاش آپ ﷺ اپنی ازواج کو پردہ کرنے کا حکم دیتے اس لئے کہ ان سے نیک اور بد سب ہم کلام ہوتے ہیں۔

(ب):

اس باب کے دو جزء ہیں: پہلا جزء باب ما جاء فی القبلۃ اس کا کوئی خصوصی مقصد نہیں ہے بلکہ یہ عمومی باب ہے اس باب پر استقبالِ قبلہ کے ابواب پورے ہو جائیں گے اس لئے استقبالِ کعبہ کے سلسلے میں جتنی روایات حضرت کی شرط کے موافق ہیں سب کو اس میں جمع کر دیا۔

ترجمۃ الباب کے دوسرے جزء کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی ناسیاً غیر قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام بخاری کے نزدیک اس کی نماز ہو جائے گی اعادہ کی ضرورت نہیں، اور امام شافعی کے نزدیک اعادہ واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک عین کعبہ کا استقبال ضروری ہے ار امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو نماز تحری کر کے پڑھی گئی پھر خطا ظاہر ہوئی تو وقت کے اندر اعادہ واجب ہے اور وقت کے بعد اعادہ مستحب ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو نماز تحری کے پڑھی گئی خطاء ظاہر ہونے پر اس کا اعادہ نہ واجب ہے اور نہ مستحب ہے نہ وقت کے اندر اور نہ وقت کے بعد، کیونکہ ان کے نزدیک جہت کعبہ کا استقبال کافی ہے، لیکن جہل، نسیان اور سہو وغیرہ حنفیہ کے نزدیک عذر نہیں ان صورتوں میں بھی نماز کا اعادہ واجب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ترجمۃ الباب کے پہلے جزء پر منطبق ہوتی ہے اس لئے کہ روایت میں ہے: وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى تو جنہوں نے مقامِ ابراہیم کی تفسیر کعبہ سے کی ہے اس اعتبار سے تو مناسبت ظاہر ہے کہ ترجمہ میں القبلہ کا ذکر ہے اور خانہ کعبہ ہی مسلمانوں کا قبلہ ہے اور جنہوں نے اس کی تفسیر تمام حرم مکہ سے کی ہے تو اس صورت میں مناسبت بایں طور کہ من تبعیض کے لئے ہے مطلب یہ ہوگا کہ تمام حرم مکہ سے بعض کو قبلہ بناؤ اور بعض خانۂ کعبہ ہے اس تفسیر کی صورت میں ترجمۃ الباب یوں ہوگا باب ماجاء فی القبلۃ ومایتعلق بہا.

(ج):

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے وحی کی موافقت کی تیسری بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ تمام ازواج نفقہ میں زیادتی کا مطالبہ لے کر آپ ﷺ کے پاس جمع ہوئیں جس کی وجہ سے آپ ﷺ ازواج مطہرات سے ناراض ہو گئے اور ان سے قطع کلامی کر لی، اس واقعہ کی خبر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ازواج مطہرات سے کہا تم کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو، آنحضور ﷺ اگر تم کو طلاق دیدیں تو

اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے لئے تم سے اچھی بیویاں مہیا کردیں گے تو سورۃ تحریم کی یہ آیت نازل ہوئی: عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ الخ
(تحفۃ القاری ۲/۲۴۱)

سوال: ۸۳، صفحہ: ۵۹

بَابُ هَلْ يُقَالُ مَسْجِدُ بَنِيْ فُلَانٍ. عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي أُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ، وَأَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ. وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلٰى مَسْجِدِ بَنِيْ زُرَيْقٍ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مقصد ترجمہ متعین کریں، روایت باب سے معین کردہ ترجمہ پر استدلال قائم کریں۔

(ج) کیا گھوڑوں کی دوڑ علی الاطلاق جائز ہے۔

(د) گھوڑوں کی تضمیر کا کیا طریقہ ہے اور اس کا کیا فائدہ ہے کیا کسی قوم یا فرد کی ملکیت برقرار رہتے ہوئے مسجد شرعی کا تحقق ممکن ہے۔

(ہ) حفیاء سے ثنیۃ الوداع کا اور ثنیہ سے مسجد بنی رزیق کا فاصلہ کتنا ہے برابر تھا یا کم وبیش تھا یہ فرق کس حکمت پر مبنی تھا۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: کیا فلاں قبیلہ کی مسجد کہنا جائز ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تضمیر شدہ گھوڑوں کی ریس کرائی حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک اور غیر تضمیر شدہ گھوڑوں کی ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی رزیق تک۔

(ب):

اس ترجمہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد مساجد کو کسی آدمی کی طرف یا کسی قبیلہ یا محلہ کی طرف نسبت کر کے مسجد بلال، مسجد بنو ہاشم، مسجد قبا وغیرہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ پس حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اس کو مکروہ کہتے تھے اور ان کی دلیل یہ آیت ہے: اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا مسجدیں اللہ کی ملکیت ہیں پس اللہ کے ساتھ تم کسی کو مت پکارو یعنی مسجد کی کسی کی طرف نسبت مت کرو۔

مگر امام بخاری جواز ثابت کر رہے ہیں، کیونکہ اضافت معمولی تعلق کی وجہ سے بھی ہوتی ہے کبھی بانی کی طرف کبھی متولی کی طرف، کبھی مسجد کے پاس جو قوم آباد ہوتی ہے اس کی طرف نسبت کرتے ہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں میں صرف اللہ کی بندگی کی جائے ان میں اعمال شرکیہ نہ کئے جائیں پس زیر بحث مسئلہ سے آیت کا کچھ تعلق نہیں اس لئے نسبت کے جواز پر اُمت کا اجماع ہے۔

روایت میں مسجد کی نسبت بنی رزیق کی طرف کی گئ ہے پس ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ ترجمۃ الباب کا مقصد مساجد کی نسبت کسی قوم یا قبیلہ یا آدمی کی طرف کرنے کا جواز ثابت کرنا ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/۲۵۲)

(ج):

گھوڑوں کی دوڑ علی الاطلاق جائز نہیں ہے بلکہ دوڑ اگر بغیر عوض ہو تو اس کے جواز پر جمہور کا اتفاق ہے۔

اور اگر بالعوض ہو تو اس کی چار صورتیں ہیں: (۱) عوض امام یا امیر وغیرہ کی طرف سے ہو مسابقہ میں شریک ہونے والے کی طرف سے نہ ہو تو یہ بالاتفاق جائز ہے خواہ انعام صرف سبقت لے جانے والے کے لئے ہو یا دونوں کے لئے ہو کیونکہ آپ ﷺ نے ایسا کیا ہے کہ ان کے پاس ایک مرتبہ یمن سے کچھ زیورات آئے تھے تو آپ ﷺ نے

سبقت لے جانے والے کو تین تین زیورات آئے تھے تو آپ ﷺ نے سبقت لے جانے والے کو تین زیور دیے اور دوسرے کو دو اور تیسرے اور چوتھے کو ایک ایک دینار دیا پھر فرمایا اللہ برکت عطا فرمائے۔

ایک قول امام مالک کا عدمِ جواز کا ہے، لیکن مشہور قول اوّل ہے۔

(۲) یہ مال ایک جانب سے ہو یہ بھی مطلقاً جائز ہے لیکن امام مالک کی ایک روایت کے مطابق جائز نہیں۔

(۳) عوض جانبین سے ہو یہ بالاتفاق حرام ہے کیونکہ ایسا کرنا جوا ہے۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ دو آدمی کے پاس مال ہو اور تیسرے کے پاس مال نہ ہو یہ دونوں آدمی تیسرے سے کہتے ہیں کہ اگر تم ہم پر سبقت لے جاؤ گے تو یہ مال تمہارے لئے ہے اور اگر ہم جیت گئے تو ہم لوگوں کے لئے کوئی چیز نہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر جیتنے کا یقین ہے تو عندالاحناف ناجائز ہے ورنہ جائز ہے۔ جمہور جواز کی صورتوں پر استدلال اس روایت سے کرتے ہیں:

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من ادخل فرسا بين فرسين يعنی هولايؤمن ان يسبق فليس بقمار.

(د):

تضمیر کے لغوی معنیٰ ہیں دُبلا کرنا اور تضمیر کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے گھوڑے کو خوب کھلاتے پلاتے ہیں جب وہ موٹا تازہ ہو جاتا ہے تو اس کو اندھیرے اور گرم کمرے میں رکھتے ہیں اور اس کی خوراک کم کرتے ہیں یہاں تک کہ معمولی خوراک پر لے آتے ہیں جس سے اس کا بدن چھریرا ہو جاتا ہے اور خوب طاقت آجاتی ہے اور اس کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے۔

کسی قوم یا فرد کی ملکیت برقرار رہتے ہوئے مسجد شرعی کا تحقق ممکن نہیں بلکہ مسجد شرعی کے تحقق کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں: (۱) وقف کرنا (۲) اذنِ عام اگر یہ دو شرطیں مفقود

ہوں تو اس پر مسجد شرعی کا اطلاق نہیں ہوگا اور نہ ہی ایسی مسجد میں نماز ادا کرنے سے صاحب مسجد کو ثواب ملے گا، البتہ نماز ہو جائے گی اور جماعت کا ثواب بھی مل جائے گا۔

(تحفۃ القاری ۲/ ۲۵۳)

(ہ):

حفیاء اور ثنیۃ الوداع کے درمیان چھ میل تقریباً دس کلومیٹر کا فاصلہ ہے ثنیۃ الوداع اور مسجد بنی رزیق کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے ان دونوں کے درمیان کم وبیش اس لئے تھا تاکہ تضمیر شدہ اور غیر شدہ گھوڑوں کو پہچانا جا سکے۔

نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تضمیر شدہ گھوڑے زیادہ قوی ہوتے ہیں غیر تضمیر شدہ گھوڑوں سے اس لئے دونوں کے درمیان فرق کیا ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/ ۲۵۳ وایضاً فی الحاشیۃ)

سوال: ۸۴، صفحہ: ۷۳

عَنْ عَائِشَةَ ذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ فَقَالَتْ شَبَّهْتُمُونَا بِالْحُمُرِ وَالْكِلَابِ. وَاللهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي، وَإِنِّي عَلَى السَّرِيرِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ مُضْطَجِعَةً فَتَبْدُو لِي الْحَاجَةُ. فَأَكْرَهُ أَنْ أَجْلِسَ فَأُوذِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْسَلُّ مِنْ عِنْدِ رِجْلَيْهِ.

(۱۴۱۰ھ)

(الف) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بالا پر قریب قریب دو ترجمے دیئے ہیں (۱) باب استقبال الرجل الرجل وھو یصلی دوسرا باب من لایقطع الصلوٰۃ شیئ آپ ان دونوں ترجموں کی مراد معین کرے روایت سے مراد متعین کو ثابت کریں۔

(ب) پھر بتلایئے پہلے ترجمہ میں استقبال الرجل المرأۃ کا ذکر ہے۔ اس

طرح دوسرے ترجمہ میں لایقطع الصلوۃ شیئ بالکل عام ہے جبکہ روایت ذیل زیادہ سے زیادہ یہ بتلارہی ہے کہ عورت کا سامنے ہونا قاطع صلوٰۃ نہیں ہے۔

(ا) کلب حمار اور مرأۃ سے قطعِ صلوٰۃ کے قائلین کی دلیل کیا ہے؟ اگر ان کے پاس نقلی دلیل ہے تو پھر صدیقہ رضی اللہ عنہا ان لوگوں سے شدید ناگواری کیوں ظاہر فرمارہی ہے۔

الجواب:

(الف):

پہلے ترجمہ کی مراد یہ ہے کہ ایسے شخص کی طرف متوجہ ہوکر نماز پڑھنا جو مصلی کی طرف منھ کئے ہوئے ہو فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں وہم ہوتا ہے کہ مصلی اس کو سجدہ کررہا ہے اور اس کی طرف توجہ چلی جاتی ہے اور خشوع وخضوع باقی نہیں رہتا ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب کو قائم کرکے یہ کہہ رہے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو اور اس کا ذہن اس شخص کی طرف نہ جائے کیونکہ روایت باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے کراہت ہے حضور ﷺ کی طرف سے کوئی کراہت معلوم نہیں ہوئی، کیونکہ آپ ﷺ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔

دوسرے ترجمہ کی مراد یہ ہے کہ عورت نماز کو قطع کرنے والی نہیں ہے یعنی عورت کا مصلی کے سامنے ہونا یا عورت کا سترہ بنانا یا مرور مفسد صلوٰۃ نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور میں آپ ﷺ کے سامنے جنازہ کی طرح لیٹی ہوتی تھی۔

(ب):

روایت میں استقبال الرجل المرأۃ کا ذکر ہے جبکہ باب میں استقبال الرجل الرجل کا

ترجمہ ہے وجہ یہ ہے کہ عورت اور مرد کا حکم سترہ یا مرور کے سلسلہ میں ایک ہے جب روایت سے ایک کا حکم ثابت ہو گیا تو دوسرے کا حکم خود بخود ثابت ہو جائے گا۔

دوسرے باب میں لایقطع الصلوٰۃ شیئ بالکل عام ہے جب کہ روایت میں صرف عورت کا ذکر ہے وجہ یہ ہے کہ روایت میں صرف ایک ایسی علّت کی طرف اشارہ کیا جو عام ہے کیونکہ عورت کے بارے میں کہا گیا: النساء حبائل الشیطان اور یہ شیطانی اثرات کلب اسود اور حمار کے اندر بھی پایا جاتا ہے لہٰذا علت عام ہونے کی وجہ سے باب سے مناسبت ظاہر ہے۔

(ج):

قطع صلوٰۃ کے قائلین یعنی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اہل ظواہر کی دلیل: قال رسول اللہ ﷺ اذا صلی الرجل ولیس بین یدیه کاخرۃ الرحل او کواسطۃ الرحل قطع صلاته الکلب الاسود والمرأۃ والحمار.

حضرت صدیقہ کا ان لوگوں سے شدید ناگواری ظاہر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ (۱) عورت کو حمار اور کلب اسود کے ساتھ برائی میں تشبیہ دینا نہ کہ مطلق عدمِ قطع صلوٰۃ کے حکم میں۔

(۲) ہوسکتا ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک صرف حمار اور کلب اسود سے نماز فاسد ہوتی ہو اس لئے مرأۃ کو ان دونوں کے ساتھ بیان کرنے سے ناگواری ظاہر فرمائی۔

سوال: ۸۵، صفحہ: ۷۷

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بِالْمَدِیْنَةِ سَبْعًا وَّثَمَانِیًا اَلظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ. فَقَالَ اَیُّوْبُ لَعَلَّهٗ فِیْ لَیْلَةٍ مُطِیْرَةٍ قَالَ عَسٰی.

(۱۴۳۳ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) ظہرین اور عشائین کو جمع کرنے کے سلسلہ میں اختلافِ ائمہ مدلل لکھیں اور بتائیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے؟
(ج) حنفیہ مذکورہ حدیث کی کیا تاویل کرتے ہیں اور حدیث کے آخر میں جو تاویل مذکور ہے کیا وہ ان کے نزدیک قابلِ قبول ہے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ منورہ میں سات اور آٹھ رکعتیں یعنی ظہر وعصر اور مغرب وعشاء ایک ساتھ پڑھیں (یہ لف ونشر مشوش ہے ظہرین میں آٹھ رکعتیں ہیں اور عشائین میں سات)۔
ایوب سختیانی کہتے ہیں میں نے جابر بن زید سے کہا شاید بارانی رات میں یہ عمل کیا ہوگا جابر بن زید نے کہا شاید۔

(ب):

ظہرین اور عشائین کو جمع کرنے کے سلسلہ میں اختلاف ائمہ اس میں دو مذہب ہیں:
(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جمع بین الصلاتین حقیقتاً جائز ہے جمع تقدیم بھی جمع تاخیر بھی اعذار کی وجہ سے۔
پھر اعذار کی تفصیل میں ان کے درمیان اختلاف ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بارش، سفر اور مرض تینوں عذر میں سے ہیں۔
اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفر اور بارش عذر ہیں مرض عذر نہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف سفر عذر ہے۔

ان کے دلائل:

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ جمع بین الصلوۃ فی سفرہ سافرھا فی غزوۃ تبوك فجمع بين الصلوتين في السفر. (رواہ مسلم)

(۲) عن عامر بن واصلة ان معاذ بن جبل اخبرهم انهم خرجوا مع رسول الله ﷺ في غزوة تبوك فكان رسول الله ﷺ يجمع بين الظهر والعصر والمغرب والعشاء فاخر الصلوة يوما ثم خرج فصلى الظهر والعصر جميعاً ثم دخل ثم خرج فصلى المغرب والعشاء جميعاً. (رواہ ابوداؤد)

(۲) اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمع بین الصلوۃ تین حقیقی صرف عرفات اور مزدلفہ میں جائز ہے اس کے علاوہ کہیں بھی جائز نہیں البتہ جمع صوری کی اجازت ہے بایں طور کہ ظہر کی نماز بالکل آخر وقت میں اور عصر کی نماز بالکل شروع وقت میں ادا کی جائے اس طرح دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ہوں گی صرف صورتاً جمع ہوگی۔

دلائل:

(۱) إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا.

(۲) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال ما رأيت النبي ﷺ صلى صلاة لغير ميقاتها الا صلوتين جمع بين المغرب والعشاء وصلى الفجر قبل ميقاتها. (المعتاد)

(۳) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال رأيت النبي ﷺ اذا اعجله السير في السفر يؤخر صلوة المغرب حتّٰى يجمع بينهما وبين العشاء قال سالم وكان عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ يفعله اذا اعجله السير يقيم المغرب فيصليها ثلاثاً ثم يسلم ثم قلما يلبث حتى يقيم العشاء الخ.

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں احناف کے ساتھ ہیں اس لئے حضرت نے

باب باندھا ہے: ''ظہر کو عصر تک مؤخر کرنے کا بیان'' یعنی مجبوری میں ظہر کو عصر تک مؤخر کر کے ایک ساتھ دونوں نمازیں ان کے وقتوں میں پڑھ سکتے ہیں اور اسی کو جمع صوری کہتے ہیں۔ (درسِ ترمذی)

(ج):

حنفیہ حدیث مذکور کی دو تاویل کرتے ہیں:

(۱) یہ حدیث جمع صوری پر محمول ہے یعنی ظہر کی نماز بالکل آخری وقت میں اور عصر کی نماز بالکل شروع وقت میں اسی طرح مغرب کی نماز کو بالکل آخری وقت میں اور عشاء کی نماز بالکل شروع وقت میں ادا کی جائے اس طرح دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ہوں گی صرف صورتاً جمع ہوں گی نہ کہ حقیقتاً۔

(۲) یہ حدیث بیانِ جواز پر محمول ہے یعنی شریعت کا منشأ تو یہ ہے کہ ہر نماز الگ الگ وقت میں پڑھی جائے تا کہ دنیا کی مشغولیت اللہ سے غافل نہ کرے اور جمع صوری اگرچہ شریعت کے منشأ کے خلاف ہے مگر اس کی گنجائش ہے یہ مسئلہ واضح کرنے کے لئے آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایسا عمل کیا اور اس کی دلیل ترمذی اور ابوداؤد کی روایت کے آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ان لا تحرج امته تا کہ آپ ﷺ کی امت تنگی میں نہ پڑے۔

سوال: ۸۶، صفحہ: ۷۸

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بَابُ إِثْمِ مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصْرُ. کے تحت حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الَّذِيْ تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ. وَقَالَ اَبُوْعَبْدِ اللهِ يَتِرُكُمْ وَتَرْتُ الرَّجُلَ إِذَا قَتَلْتُ لَهُ قَتِيْلًا اَوْ اَخَذْتُ لَهُ مَالًا اور بَابُ مَنْ تَرَكَ

العصر کے تحت حدیث بریدة رضی اللہ عنہ مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ کو نقل کیا ہے۔

(۱۴۱۹ھ)

(الف) آپ دونوں ترجمۃ الباب کے فرق کو واضح کریں۔

(ب) حبط عمل کا مطلب بیان کریں اسی طرح وتر اھلہ ومالہ کے مفہوم کو واضح کریں۔

(ج) قال ابو عبداللہ سے امام بخاری کیا بتانا چاہتے ہیں اس کی وضاحت کریں۔

الجواب:

(الف):

دونوں ترجمۃ الباب کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے باب یعنی باب اثم من فاتتہ العصر میں غیر اختیاری طور پر نماز چھوڑے جانے کا حکم بیان کیا گیا ہے، مثلاً کسی شخص کو وقت کا خیال نہ رہا اور عصر قضاء ہوگئی یہ فوت ہونا ہے اور دوسرے باب یعنی باب من ترك العصر میں اختیاری طور پر نماز قضاء کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے مثلاً جان بوجھ کر بالقصد عصر کی نماز قضاء کردی ہے تو یہ ترک ہوا ہے۔

(ب):

حبطِ عمل ایک شدید عذاب ہے اور عذاب کفر وشرک کی وجہ سے ہوتا ہے الا یہ یہاں حبط عمل سے مراد (۱) اس کا عمل اکارت اور حبط کے قریب پہنچ گیا۔

(۲) اس کا عمل اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیشگی کے وقت گھٹا دیا جاتا ہے۔

(۳) اس کا عمل فائدہ مند نہیں رہتا ہے یعنی عمل کا نفع باطل ہو جاتا ہے۔

(۴) یہ حدیث زجر وتوبیخ پر محمول ہے۔

(۵) یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب ترکِ صلوٰۃ علیٰ سبیل الانکار ہو یا علیٰ سبیل الاستہزاء ہو۔

وتر أهله وماله کا مفهوم: اسلامی حکومت میں جب کوئی آدمی قتل ہوجاتا ہے تو مقتول کے ورثاء کو قصاص و دیت میں سے کوئی ایک ضرور ملتا ہے، خون رائگاں نہیں جاتا پس اگر کوئی شخص مارا جائے اور مقتول کے ورثاء کو قصاص نہ ملے اور دیت بھی نہ ملے تو خون رائگاں گیا یہ جتنا بھاری نقصان ہے نمازِ عصر فوت ہونے کا گویا اتنا ہی بڑا نقصان ہے۔

ترکیب: (۱) وتر فعل مجہول ہے اور یہ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اور اهله وماله علیٰ سبیل البدلیت مفعول ثانی ہیں اور مفعول اوّل جو نائب فاعل ہے محذوف ہے اور وہ مقتول کا وارث ہے اور فاعل بھی محذوف ہے اور وہ قاتل ہے اس صورت میں وتر بمعنی اصیب (آفت ڈالا گیا) ہوگا یعنی مقتول کے وارث پر آفت ڈالی گئی اس کے مال یعنی دیت کی اور اس کے اہل یعنی مقتول کی نہ دیت ملی اور نہ قصاص۔

(۲) دوسری صورت اهله وماله وتر کا نائب فاعل ہے اور وتر بھی اُخذ ہے پس گویا اس کا آدمی یعنی مقتول اور اس کا مال یعنی دیت لے لیا گیا۔

(ترکیب اِس لئے کی گئی تاکہ مفہوم زیادہ واضح ہوجائے)۔ (تحفۃ القاری ۲/ ۴۱۳)

(ج):

قال ابو عبد الله سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد حدیث میں جو وتر لفظ آیا ہے اس کی ترکیب اور طریقِ استعمال بتانا ہے، چنانچہ فرمایا کہ یہ فعل کبھی متعدی بدو مفعول ہوتا ہے جیسے ارشادِ باری لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ میں "کم" پہلا مفعول اور اعمالکم دوسرا مفعول ہے۔

اور کبھی متعدی بیک مفعول ہوتا ہے جیسے جب کوئی کسی کا قتل کردے یا اس کا مال لے لے تو کہا جاتا ہے وترت الرجلَ میں نے فلاں کو مار دیا یا فلاں کا مال لے لیا اس محاورہ میں ایک ہی مفعول ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/ ۴۱۳)

سوال: ۸۷، صفحہ: ۷۹

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعًا جَمِيْعًا وَثَمَانِيًا جَمِيْعًا.

(۱۴۰۴، ۱۴۱۲ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ ومطلب لکھیں۔

(ب) پھر بتائیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مذکور کو باب وقت المغرب میں ذکر کیا ہے، حالانکہ اس حدیث میں وقت مغرب کا بالکل ذکر نہیں ہے آپ ترجمۃ الباب سے مطابقت کی وجہ ذکر کریں۔

(ج) حضور علیہ ﷺ نے اسی طرح کا عمل کیوں کیا جب کہ قرآن پاک میں اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا اور حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى موجود ہے نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ما رأيت النبی ﷺ صلّٰی صلاۃ بغير ميقاتها الخ دفع تعارض کا جو بہتر توجیہ ہو سکے تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے سات رکعتیں ایک ساتھ یعنی مغرب وعشاء اور آٹھ رکعتیں ایک ساتھ یعنی ظہر وعصر پڑھائیں۔

(ب):

مطابقت الحدیث للترجمہ: حدیث میں اگرچہ صراحتاً وقت مغرب کا ذکر نہیں لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی دلالت التزامی کے طور پر بھی ترجمۃ الباب ثابت کرتے ہیں اور وہ اس طور پر کہ مذکورہ حدیث میں سبعاً جمیعاً کا لفظ آیا ہے اور سبعاً سے مغرب اور عشاء

کی نماز کی سات رکعات مراد ہیں اور نماز حال ہے اور حال کے لئے محل لازم ہے بغیر محل کے حال کا تصور بے سود ہے لہٰذا التزاماً حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ثابت ہوگئی۔

(ج):

دفعِ تعارض: جولوگ جمع بین الصلاتین جائز کہتے ہیں وہ اس حدیث کو حالتِ عذر پر محمول کرتے ہیں اور جولوگ جمع بین الصلاتین حقیقی ایام حج کے علاوہ کو ناجائز کہتے ہیں وہ جمع بین الصلاتین کی روایات کو جمع صوری پر محمول کرتے ہیں اور یہ جمع صوری رسول ﷺ نے دووجہ سے کیا ہے:

(۱) بیان جمع کے لئے یعنی شریعت کا منشاء تو یہ ہے کہ ہر نماز الگ الگ وقت میں پڑھی جائے تاکہ دنیا کی مشغولیت اللہ سے غافل نہ کرے اور جمع صوری اگرچہ شریعت کے منشاء کے خلاف ہے مگر اس کی بھی گنجائش ہے یہ مسئلہ واضح کرنے کے لئے آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایسا عمل کیا۔

(۲) اس بات کی تعلیم دینے کے مقصد سے کہ ظہرین اور عشائین کے درمیان وقت مشترک اور وقت مہمل نہیں ایک نماز کا وقت ختم ہوتے ہی دوسری نماز کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/۴۰۶)

سوال: ۸۸، صفحہ: ۸۲

بَابُ مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً. عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الْعَصْرَ.

(۱۴۰۶ھ)

(الف) بتلائیے کہ جب روایت میں صراحت کے ساتھ فجر اور عصر کی دونوں

نمازوں میں ایک رکعت کے مدرک کو پوری نماز کا مدرک قرار دیا گیا ہے تو احناف نے فجر کے معاملہ میں اس حکم کو کیوں قبول نہیں کیا؟

(ب) کیا احناف نص کے مقابلہ میں قیاس کو جائز کہتے ہیں یا اس سلسلہ میں ان کے پاس کوئی دوسری نص ہے؟

(ج) کیا ادراک کے بھی متعدد معانی ہو سکتے ہیں؟

الجواب:

(الف):

اس جزء کے جواب سے پہلے دو تین باتیں سمجھنی ضروری ہیں، تا کہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے۔

(۱) ائمہ ثلاثہ مذکورہ حدیث کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اگر فجر کی نماز کے دوران سورج نکل آئے یا عصر کی نماز کے دوران سورج غروب ہو جائے تو نماز باطل نہیں ہوگی وہ نماز پڑھتا رہے اس کی نماز صحیح ہے یعنی ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث کو فجر اور عصر کے ساتھ خاص کیا ہے۔

اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث فجر اور عصر کے ساتھ خاص نہیں پانچوں نمازوں کے لئے یہی حکم ہے کیونکہ یہ حدیث فجر اور عصر کی تخصیص کے بغیر بھی آئی ہے: من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك الصلوة. (بخاری)

(۲) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس حدیث کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱) جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی اس نے نماز یعنی جماعت پائی۔

(۲) جو شخص کسی نماز کے وقت کے بالکل آخر میں نماز کا اہل بنا مثلاً نابالغ تھا بالغ ہوا، کافر تھا مسلمان ہو گیا، عورت کو حیض یا نفاس آرہا تھا وہ پاک ہو گئی اور اتنا وقت مل گیا جس میں طہارت حاصل کر کے ایک رکعت پڑھ سکے تو اس پر وہ نماز فرض ہو گئی۔

(۳) حدیث کا فجر اور عصر کے ساتھ خاص نہ ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ فجر میں ایک

رکعت کی تخصیص ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر معقول نظر آتی ہے، کیونکہ فجر کی دو ہی رکعتیں ہیں مگر عصر کی چار رکعتیں ہیں اس میں ایک رکعت کی تخصیص ائمہ ثلاثہ کی تفسیر پر غیر معقول ہے غروب سے پہلے خواہ ایک رکعت پائے یا دو یا تین رکعت پائے سب کا حکم ایک ہے۔

اور احناف نے جو مطلب بیان کیا وہ نہایت معقول ہے کیونکہ ہر نماز درحقیقت ایک رکعت ہے باقی رکعتیں اس کے ساتھ ملحق ہیں لہٰذا جب کسی نے ایک رکعت کے بقدر وقت پالیا تو نماز اس پر فرض ہوگئی اور ایک رکعت پانے والا جماعت پانے والا بھی ہوگا۔

حدیث میں فجر اور عصر کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہی دو وقت ایسے ہیں جن میں محسوس طور پر وقت نکلتا ہوا نظر آتا ہے ورنہ یہ حدیث عام ہے پانچوں نمازوں کا یہی حکم ہے۔

الغرض! احناف کے نزدیک حدیث کے یہی دو مطلب ہو سکتے ہیں اور فجر الیوم اور عصر الیوم کے مسئلہ سے اس حدیث کا کچھ تعلق نہیں وہ مسئلہ اجتہادی ہے پھر اجتہادی ہونے کے باوجود فجر اور عصر میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ اگر فجر کی نماز میں سورج نکل آئے تو فرض باطل ہو گیا کیونکہ نماز شروع کرنے سے پہلے جو متصل وقت ہے وہ وجوب اداء کا سبب ہے اور وہ وقت کامل ہے پس نماز کامل فرض ہوئی اس لئے کامل ہی پوری کرنی ضروری ہے پھر جب نماز کے دوران سورج نکل آیا تو جیسی واجب ہوئی تھی ویسی پوری نہیں کی بلکہ ناقص پوری کی اس لئے فرض باطل ہوگا اس کا اعادہ ضروری ہے اور عصر کی نماز میں سورج غروب ہو جائے تو عصر صحیح ہے کیونکہ یہاں وجوب اداء کا جو سبب ہے وہ ناقص ہے یعنی نماز شروع کرنے سے پہلے جو متصل جزء ہے وہ ناقص ہے پس نماز ناقص فرض ہوئی اور ناقص پوری کی اس لئے نماز ہوگئی۔ (تحفۃ القاری ۲/۴۳۸)

(ب):

اس سلسلہ میں انکے پاس دوسری نص موجود ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال شهد عندی رجال مرضیون وارضاهم عندی عمر ان النبی ﷺ نهى عن الصلاة بعد الصبح حتى تشرق الشمس وبعد العصر حتى تغرب. (رواہ البخاری)

(ج):

ادراک کے معانی: (۱) نماز کے وقت کو پانے والا (۲) جماعت کو پانے والا (۳) رکعت پانے والا (۴) نماز پانے والا (۵) نماز کے وقت ناقص کو پانے والا (۶) نماز کے کامل وقت کو پانے والا۔

سوال: ۸۹، صفحہ: ۸۵

كَانَ الْمُسْلِمُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَجْتَمِعُونَ فَيَتَحَيَّنُونَ الصَّلَاةَ، لَيْسَ يُنَادِى لَهَا. فَتَكَلَّمُوا يَوْمًا فِي ذٰلِكَ.....فَقَالَ عُمَرُ أَوَلاَ تَبْعَثُونَ رَجُلاً يُنَادِي بِالصَّلَاةِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ.....قَالَ اَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ يُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ اِلَّا الاقامة.

(۱۴۳۱ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) اذان کی تاریخ لکھیں اور بتائیں کہ فجر کی اذان میں اَلصّلاۃ خیرٌ مّن النّوم کب بڑھا اور کیوں بڑھا؟
(ج) کلماتِ اقامت میں اختلافِ ائمہ مدلل لکھیں نیز حدیث امر بلال الخ کا کیا مطلب ہے تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: جب مسلمان مدینہ منورہ میں آئے تو وہ مسجد نبوی میں نماز کے لئے جمع ہوا کرتے تھے، پس وہ نماز کے وقت کا اندازہ کیا کرتے تھے۔ پس صحابہ نے ایک دن اس

سلسلہ میں مشورہ کیا۔۔۔پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں بھیجتے تم کسی کو جو نماز کے لئے پکارا کرے، پس رسول ﷺ نے فرمایا: اے بلال! کھڑے ہوؤ اور نماز کے لئے پکارو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان دوہری کہیں اور اقامت اکہری۔ علاوہ قد قامت الصلوٰۃ کے۔

(ب):

اذان کی تاریخ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو آیتیں لکھی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کی ابتداء مدینہ طیبہ میں ہوئی اور نماز کی اطلاع دینے کی غرض سے ہوئی۔ مسجد نبوی مدینہ طیبہ کے باہر قبرستان کے قریب تھی اور اس کے آس پاس کوئی محلہ نہیں تھا تمام مسلمان نماز پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں آتے تھے۔ اس وقت مدینہ منورہ میں اور کوئی مسجد نہیں تھی لوگ نمازوں کے اوقات کا اندازہ کر کے آتے تھے پس کوئی جلدی آجاتا تو اسے انتظار کرنا پڑتا اور کوئی دیر سے آتا تو جماعت نکل جاتی، چنانچہ سن ایک ہجری میں حضرات صحابہ حضور ﷺ کے پاس جمع ہوئے اور یہ مسئلہ زیر غور آیا ہے کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے سب لوگ بروقت مسجد پہنچ جائیں اور کوئی جماعت سے محروم نہ رہے کسی نے مشورہ دیا کہ نمازوں کے اوقات میں نرسنگا بجایا جائے اور کسی نے ناقوس بجانے کی اور کسی نے آگ جلانے کی بلند جگہ میں، مگر یہ رائیں یہود، نصاریٰ اور مجوسیوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے پسند نہیں کی گئیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز رکھی کہ وقت ہونے پر کوئی آدمی بھیج دیا جائے جو گھوم کر الصلوٰۃ جامعۃ کا اعلان کرے آپ ﷺ نے یہ تجویز پسند فرمائی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس پر مامور کیا پھر اس پر عمل ہوا یا نہیں؟ روایات دونوں طرح کی ہیں مگر اس معاملہ میں نبی ﷺ کی غیر معمولی فکرمندی نے بہت سے صحابہ کو فکرمند کر دیا تھا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اذان سے متعلق خواب دیکھا مگر کسی وجہ سے آنحضور ﷺ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا عمر کے علاوہ بھی متعدد صحابہ نے خواب دیکھا، مگر انہوں نے بھی تذکرہ نہیں کیا، بیس دن کے بعد انصاری

صحابی عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ ایک شخص ان کے سامنے ناقوس لے کر گزر رہا ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا اللہ کے بندے ناقوس بیچتا ہے؟ اس نے کہا تم کیا کرو گے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم اس کو بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے اکٹھا کریں گے اس نے کہا میں تم کو اس سے بہتر طریقہ نہ بتاؤں؟ عبداللہ نے کہا بتاؤ، چنانچہ وہ قریب میں ایک ٹیلہ پر چڑھا اور وہاں سے اذان دی پھر تھوڑے وقفہ کے بعد اس نے کہا جب نماز شروع کرنی ہو تو اس طرح اقامت کہو اس کے بعد آنکھ کھل گئی عبداللہ اسی وقت خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور وہ تہجد کا وقت تھا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے یہ خواب دیکھا ہے آنحضور ﷺ نے فرمایا یہ خواب ان شاء اللہ سچا اور من جانب اللہ ہے جس زمانہ میں عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا تھا وہ بیمار تھے، نیز ان کی آواز بھی پست تھی اس لئے نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ کو حکم دیا کہ جب فجر کا وقت ہو تو بلال کے ساتھ کھڑے ہوؤ اور کلماتِ اذان بتلاؤ تاکہ وہ بلند آواز سے پکاریں، کیونکہ ان کی آواز بلند اور خوبصورت ہے، جب نمازِ فجر کا وقت ہوا تو آنحضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینی شروع کی رات کے سناٹے میں اور پہاڑوں کے جھرمٹ میں جب صوتِ بلالی گونجی تو عجیب سماں بندھ گیا اور حضرت عمر پر وجد طاری ہو گیا وہ چادر گھسیٹتے ہوئے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا عبداللہ نے دیکھا آپ ﷺ نے اللہ کی حمد کی اور پوچھا تم نے اس وقت جب عبداللہ نے خواب بیان کیا تھا اپنے خواب کا تذکرہ کیوں نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ عبداللہ نے یہ فضیلت حاصل کر لی اس لئے مجھے اس وقت تذکرہ کرتے ہوئے شرم آئی اور نمازِ فجر کے بعد اور بھی صحابہ نے ایسے ہی خواب بیان کئے نبی ﷺ نے فرمایا: انی لاری رؤیاکم تو اطئت علی ھذہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے خواب اس پر متفق ہیں اس دن سے اذان کا نظام قائم ہو گیا جو آج تک اسلام اور مسلمانوں کا شعار ہے۔

الصلاۃ خیر من النوم یہ کلمات شروع میں اذانِ فجر میں نہیں تھے ان کی مشروعیت اس طرح ہوئی کہ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کو صبح کی نماز کی اطلاع دینے کے لئے گئے آپ ﷺ سو رہے تھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دو دفعہ کہا: الصلاۃ خیر من النوم یا رسول اللہ آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی اور آپ ﷺ نے فرمایا ما احسن ھٰذا یا بلال اجعله فی اذانك. بلال یہ کیسے اچھے کلمات ہیں ان کو اپنی اذان میں شامل کرلیں، چنانچہ اس واقعہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ کلمات اذان میں بطورِ تثویب کہنے لگے۔ (تحفۃ القاری ۲/۴۶۵)

(ج) کلماتِ اقامت میں اختلاف ائمہ مع دلائل:

اس میں تین مذہب ہیں:

(۱) امام شافعی اور احمد رحمہا اللہ کے نزدیک اقامت گیارہ کلمات پر مشتمل ہے۔ جن میں شہادتین اور حیعلتین صرف ایک بار ہے اور قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ ہے۔

دلیل: عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ الا الاقامۃ.

(۲) اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقامت میں دس کلمات ہیں کیونکہ وہ قد قامت الصلوٰۃ کو بھی ایک بار کہنے کے قائل ہیں۔

دلیل: عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ الا الاقامۃ.

اس حدیث میں جو الا الاقامۃ ہے وہ راوی کا مدرج ہے حدیث کا جزء نہیں۔

(۳) حنفیہ کے نزدیک اقامت کے کل سترہ کلمات ہیں۔

دلیل: عن عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ قال کان اذان رسول اللہ ﷺ شفعا شفعا فی الاذان والاقامۃ.

(۲) عن ابی محذورۃ رضی اللہ عنہ قال علمنی رسول اللہ ﷺ الاقامۃ

سبع عشرۃ کلمۃ. (درسِ ترمذی۔تحفۃ القاری ۴۶۹/۲)

امر بلال کا مطلب: جب عبداللہ بن زید بن عبدربّہ رضی اللہ عنہ نے اپنا خواب آپ ﷺ کے سامنے بیان کیا تو آپ ﷺ نے عبداللہ کو حکم دیا کہ جب فجر کا وقت ہو تو بلال کے ساتھ کھڑے ہوؤ اور کلماتِ اذان بتلاؤ تاکہ وہ بلند آواز سے پکاریں، کیونکہ ان کی آواز بلند اور خوبصورت ہے اس کو راوی حدیث انس رضی اللہ عنہ نے امر بلال کے الفاظ سے تعبیر کیا، کیونکہ یہاں سراسر امر حضرت بلال کو نہیں بلکہ عبداللہ کو تھا اس لئے صیغہ مجہول سے تعبیر کیا ہے۔

سوال: ۹۰، صفحہ: ۸۷

بَابُ كَمْ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالإِقَامَةِ وَمَنْ يَنْتَظِرُ الإِقَامَةَ. عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ ثَلَاثًا لِمَنْ شَاءَ.

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ الْمُؤَذِّنُ إِذَا أَذَّنَ قَامَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْتَدِرُونَ السَّوَارِيَ حَتَّى يَخْرُجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ كَذٰلِكَ يُصَلُّونَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ، وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالإِقَامَةِ شَيْءٌ. قَالَ وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ جَبَلَةَ وَأَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا إِلَّا قَلِيلٌ.

(۱۴۳۴ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مغرب سے پہلے سنتیں ہیں یا نہیں احادیث مذکورہ سے کیا ثابت ہوتا ہے۔

(ج) اذان واقامت میں کتنا وقفہ ہونا چاہئے اور خاص مغرب کا کیا حکم ہے؟

(د) نیز پہلی حدیث میں لمن شاء کیوں بڑھایا ہے بوضاحت لکھیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمه: اذان واقامت کے درمیان کتنا فاصلہ رکھنا چاہئے، حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ جو نماز پڑھنا چاہے یعنی تیسری مرتبہ میں یہ اضافہ فرمایا۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں جب مؤذن اذان کہتا تھا مغرب کی نماز کی تو صحابہ ستونوں کی طرف لپکتے تھے اور مغرب سے پہلے جلدی جلدی دو نفلیں پڑھتے تھے اور اذان پوری ہونے پر نبی ﷺ حجرے سے نکلتے، غندر کہتے ہیں مغرب کی اذان واقامت کے درمیان کچھ فاصلہ نہیں ہوتا تھا اور عثمان بن جبلہ اور ابوداؤد نے بھی شعبہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا اذان واقامت کے درمیان تھوڑا فاصلہ ہوتا تھا۔

(ب):

امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مغرب سے پہلے دو نفلیں نہیں ہیں، اور امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ جواز کے قائل ہیں اور ایک قول امام شافعی کا استحباب کا بھی ہے۔
احادیثِ مذکورہ سے اگرچہ زیادہ سے زیادہ اِباحت ثابت ہوتا ہے کیونکہ آنحضور ﷺ سے ممانعت ثابت نہیں ہے۔ البتہ چونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے خلفاء راشدین نے اور اکابرِ صحابہ نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں نہیں پڑھیں نیز مغرب سے پہلے نفل نماز میں مشغول ہونے کی صورت میں منشاء شریعت جو تعجیل صلاۃ یعنی مغرب کی نماز کو جلدی پڑھنا ہے وہ فوت ہو جاتا ہے اس لئے مغرب سے پہلے نفل نہ پڑھنا چاہئے البتہ اگر کسی کو مغرب کی نماز سے پہلے نفل پڑھنے کا وقت مل جائے تو نفل پڑھ سکتا ہے مثلاً رمضان میں اذان کے دس منٹ بعد نماز کھڑی ہوتی ہے پس اگر کوئی کھجور سے افطار کر کے نفلیں پڑھے تو

پڑھے لیکن اگر سنت سمجھا جائے اور سال بھر دس منٹ کے بعد مغرب کی نماز کھڑی کیجائے تو یہ خلافِ سنت ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/ ۴۸۷)

(ج):

مغرب کی نماز اذان کے بعد جلدی پڑھ لینی چاہئے کیونکہ مغرب میں تعجیل مطلوب ہے اور اگر فصل رکھا جائے تو تھوڑا ہونا چاہئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ مغرب کی اذان کے بعد اتنی جلدی نماز شروع کر دیتے تھے کہ صحابہ بہ اطمینان دوگانہ بھی نہیں پڑھ پاتے۔

اور مغرب کے علاوہ نمازوں میں جتنا چاہیں فصل رکھیں مگر دو باتیں خیال رکھنی چاہئیں: (۱) اذان واقامت کے درمیان اتنا فصل ضرور ہونا چاہئے کہ کھانے والا کھا کر اور پینے والا پی کر اور جو قضاء حاجت کے لئے گیا ہے وہ فارغ ہو کر وضو کر کے مسجد میں آجائے نبی ﷺ کا ارشاد ہے اجعل بین اذانك واقامتك قدر مایفرغ الآکل من اکله والشارب من شربه والمعتصر اذا دخل لقضاء حاجته.

اذان واقامت کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ نہیں ہونا چاہئے کہ اذان بے معنیٰ ہو جائے۔ (تحفۃ القاری ۲/ ۴۸۷)

(د):

لمن شاء کی وجہ: راوی حدیث عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ نے خود لمن شاء کی قید کی وجہ کتاب التہجد میں بیان فرمائی کہ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ میں لمن شاء اس لئے بڑھایا کہ لوگ اس کو سنت نہ بنالیں کراھیۃ ان یتخذھا الناس سنۃ اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ لوگ اس نماز کو سنت بنالیں۔

سوال: ۹۱، صفحہ: ۸۹

بَابُ وُجُوْبِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ. وَقَالَ الْحَسَنُ إِنْ مَنَعَتْهُ أُمُّهُ عَنِ الْعِشَاءِ فِي

الْجَمَاعَةِ شَفَقَةً لَمْ يُطِعْهَا. عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبَ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلاً فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلٰى رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ.

(۱۴۳۰ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں، مطلب لکھیں۔

(ب) جماعت کے وجوب کے قائل کون ہیں؟ ان کے دلائل کیا ہیں؟ جمہور کی کیا رائے؟ اُن کے دلائل کیا ہیں اور امام بخاری کس طرف گئے ہیں؟

(ج) پختہ عزم کے باوجود بھی نبی علیہ السلام نے اپنے اِرادے کو عملی جامہ کیوں نہیں پہنایا سوچ کر جواب لکھیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: جماعت سے نماز پڑھنے کا وجوب۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کسی شخص کو اس کی ماں بر بناء شفقت عشاء کی نماز کے لئے مسجد جانے سے روکے تو ماں کی اطاعت ضروری نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے بالیقین ارادہ کیا تھا کہ میں سوختہ کے بارے میں حکم دوں کہ وہ جمع کیا جائے پھر نماز کا حکم دوں پس اس کے لئے اذان کہی جائے پھر میں ایک شخص کو حکم دوں جو لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں ایسے لوگوں کی

طرف جاؤں (جو جماعت میں حاضر نہیں ہوئے) پس میں ان پر ان کے گھروں کو جلادوں اور اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ان میں سے ایک جان لے کہ وہ گوشت سے بھری ہوئی ایک ہڈی یا دو اچھے کھر پائے گا تو وہ ضرور عشاء کی نماز میں آئے۔

مطلب: آنحضور ﷺ نے جماعت سے پیچھے رہنے والوں کو ان کے گھروں سمیت جلانے کا ارادہ فرمایا تھا۔ پھر آپ ﷺ کو عورتوں اور بچوں کا خیال آیا جب گھروں میں بند کر کے متخلفین کو جلائیں گے تو عورتیں اور بچے بھی جل جائیں گے جبکہ ان کا کوئی قصور نہیں اس لئے آپ ﷺ نے ارادہ ملتوی کر دیا، مسند احمد کی روایت میں اس کی صراحت ہے اور اگر عورتوں اور بچوں کو گھر سے نکلنے کا موقع دیا جائے تو متخلفین بھی نکل جائیں گے، بیوی کا برقع پہن کر نکل جائیں گے۔

(ب):

(۱) امام احمد اور داؤد ظاہری کے نزدیک جماعت فرض عین بھی ہے اور صحتِ صلوٰۃ کے لئے شرط بھی ہے اور غیر مقلدین کا بھی یہی مذہب ہے۔

دلائل: (۱) هٰذا الحديث الذی فی الباب.

(۲) سئل ابن عباس عن رجل يصوم النهار ويقوم الليل لايشهد جمعة ولاجماعة فقال هو فی النار.

وجہِ استدلال: اس قدر سخت سزا اور وعید فرائض کے تارک ہی کو دی جاسکتی ہے سنت و مستحب کے تارک کو نہیں دی جاسکتی معلوم ہوا جماعت سے نماز پڑھنا فرض ہے۔

(۳) قال الحسن ان منعته امه عن العشاء فی الجماعة شفقة لم يطعها.

وجہِ استدلال: والدین کی اطاعت ضروری ہے مگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بھی ضروری ہے کیونکہ لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق لهٰذا ماں کی بات مانی

ضروری نہیں اس بارے میں، پس ثابت ہوا کہ جماعت سے نماز پڑھنا فرض ہے۔

(۲) امام شافعی کے دو قول ہیں: (۱) جماعت فرض کفایہ (۲) سنتِ مؤکدہ۔

اور مالکیہ کے یہاں بھی مختار قول سنتِ مؤکدہ کا ہے۔

اور حنفیہ کے یہاں بھی مفتیٰ بہٖ قول سنتِ مؤکدہ کا ہے اگرچہ علامہ ابن ہمام کے نزدیک جماعت واجب ہے۔

جمہور کے دلائل مذکورہ احادیث ہیں البتہ انہوں نے ان احادیث کو تاکید پر محمول کیا ہے یعنی ان احادیث سے جماعت کی تاکید تو نکلتی ہے لیکن فرضیت یا وجوب نہیں ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس حدیث میں اگر جماعت کھڑی ہونے کے بعد آپ ﷺ لوگوں کو جلانے کے لئے جائیں گے پس آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خدام جماعت سے متخلف ہوں گے اور یہ بات کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خدام دوسری جماعت کرلیں گے متخلفین کے حق میں بھی متحقق ہے الغرض اس حدیث سے جماعت کی تاکید تو نکلتی ہے مگر اس کا فرض یا واجب ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے جمہور جماعت کے سنتِ مؤکدہ کے قائل ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جماعت فرضِ عین ہے مگر نماز کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/۵۰۶)

(ج):

آنحضور ﷺ نے جماعت سے پیچھے رہنے والوں کو ان کے گھروں سمیت جلانے کا ارادہ فرمایا تھا، پھر آپ ﷺ کو عورتوں اور بچوں کا خیال آیا جب گھروں کو بند کرکے متخلفین کو جلائیں گے تو عورتیں اور بچے بھی جل جائیں گے جبکہ ان کا کوئی قصور نہیں اس لئے آپ ﷺ نے ارادہ ملتوی کردیا مسند احمد میں اس کی صراحت ہے اور اگر عورتوں اور بچوں کو گھر سے نکلنے کا موقع دیا جائے گا تو متخلفین بھی نکل جائیں گے بیوی کا برقع پہن کر نکل جائیں گے۔ (تحفۃ القاری ۲/۵۰۷)

سوال: ۹۲، صفحہ: ۹۸

بَابُ إِذَا صَلّٰى ثُمَّ أَمَّ قَوْمًا. عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مَعَاذٌ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِيْ قَوْمَهٗ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ.

(۱۴۱۷ھ)

(الف) مقصدِ ترجمہ متعین کریں، روایت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقصد کو ثابت کریں۔

(ب) مسئلہ میں مذاہبِ ائمہ بیان کرنے کے بعد حنفیہ کی جانب سے اس کا جواب لکھیں۔

الجواب:

(الف):

مقصدِ ترجمہ: اگر کسی شخص نے نماز پہلے پڑھ لی اب اگر دوسری جگہ وہاں کے لوگوں کی امامت شروع کرے تو اس کا یہ عمل درست ہے یا نہیں یعنی اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے یا نہیں۔

روایت سے امام بخاری کا مقصد اقتداء المفترض خلف المتنفل کے جواز کو ثابت کرنا ہے لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب مبہم رکھا ہے شارحین فرماتے ہیں کہ اختلافی مسائل میں ان کی عادت یہی رہی ہے لہٰذا اذا کا جواب محذوف ہوگا باب اذا صلّٰی ثم ام قوما فیصح اور حدیث میں بھی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ عشاء پڑھ کر اپنے محلہ کی مسجد میں عشاء پڑھاتے تھے، ظاہر ہے کہ وہ نفل کی نیت سے عشاء پڑھاتے ہوں گے اس لئے کہ وہ فرض پڑھ چکے ہیں اور مقتدی فرض پڑھ رہے ہیں وہ فرض کی نیت سے اقتداء کریں گے معلوم ہوا کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء درست ہے۔

(ب):

امام شافعی اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے۔

دلائل: (۱) عن جابر رضی اللہ عنه قال کان معاذ یصلی مع النبی ﷺ ثم یأتی قومه فیصلی بهم.

وجہِ استدلال: ظاہر ہے کہ حضرت معاذ نفل کی نیت سے عشاء پڑھاتے ہوں گے اس لئے کہ وہ فرض پڑھ چکے ہیں اور مقتدی فرض پڑھ رہے ہیں وہ فرض کی نیت سے اقتداء کریں گے معلوم ہوا کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء درست ہے۔

(۲) حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے ان کی قوم نے ان کو امام بنایا تھا درآنحالیکہ وہ نابالغ تھے اور بچہ احکام کا مکلّف نہیں ہوتا پس وہ جو بھی نماز پڑھے گا وہ نفل ہوگی اور مقتدی فرض پڑھ رہے ہیں معلوم ہوا متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء درست ہے۔

(۲) اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز نہیں ہے۔

دلائل: (۱) قال رسول الله ﷺ انما جعل الامام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه.

وجہِ استدلال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی پر امام کا اتباع من کل وجہٍ ضروری ہے جس پر لفظ فلا تختلفوا دلالت کر رہی ہے اب اگر امام متنفل اور مقتدی مفترض ہو تو اگرچہ نفس صلوٰۃ میں اتباع ہوا لیکن صفتِ صلاۃ میں مخالفت لازم آئے گی جو فلا تختلفوا علیه کے تقاضے کے بالکل خلاف ہے۔

(۲) قال رسول الله ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن.

وجہِ استدلال: یعنی امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہے اور قاعدہ ہے ضامن متضمن سے اقویٰ ہوتا ہے پس اگر اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہو تو ادنیٰ کا اقویٰ کو ضمن میں لینا لازم آئے گا جو کہ قاعدہ کے خلاف ہے۔ (تحفۃ القاری ۲؍۴۷۵۔ درسِ ترمذی)

حدیثِ جابر کا جواب: (۱) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ علیہ السلام کے پیچھے مغرب

کی نماز پڑھتے تھے پھر اپنی قوم میں جا کر عشاء پڑھاتے تھے یہ حدیث ترمذی میں ہے اور اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث ہے اور دور اوّل میں مغرب کو عشاء اولیٰ کہتے تھے پھر راویوں نے لفظ اولیٰ چھوڑ دیا صرف عشاء کہہ دیا تو مسئلہ کھڑا ہو گیا۔

(۲) شروع اسلام میں فرض نماز دو مرتبہ پڑھنا جائز تھا یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پیچھے بھی فرض پڑھتے تھے اور قوم کو بھی فرض پڑھاتے تھے پھر بعد میں فرض کی تکرار کا جواز منسوخ ہو گیا تو یہ حدیث بھی منسوخ ہو گئی۔

(۳) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل نبی ﷺ کے علم میں نہیں آیا پھر جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو اس پر برقرار نہیں رکھا بلکہ حکم دیا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھو اور امامت چھوڑ دو یا امامت کرو اور نماز ہلکی پڑھاؤ یہ بات مجمع الزوائد میں ہے اگر آپ ﷺ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کے عمل پر برقرار رکھتے تو استدلال درست ہوتا مگر جب آپ ﷺ نے برقرار نہیں رکھا تو استدلال درست نہیں۔

دوسری دلیل کا جواب: دوسری دلیل کا بھی یہی جواب ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو امام نہیں بنایا بلکہ ان کے قبیلہ کو یہ حکم دیا تھا کہ تم میں جس کو قرآن زیادہ یاد ہو وہ امامت کرے، قوم نے دیکھا کہ سب سے زیادہ قرآن اس بچہ کو یاد ہے کیونکہ وہ آنے جانے والے قافلوں سے سن کر قرآن یاد کیا کرتا تھا اس لئے قبیلہ والوں نے اس کو امام بنایا اس بچہ کا امام ہونا حضور ﷺ کے علم میں نہیں آیا جب آپ ﷺ کے علم میں یہ بات نہیں آئی بلکہ یہ صحابہ کا عمل تھا جس کو تقریر نبوی حاصل نہیں ہوئی اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/۴۷۵)

سوال: ۹۳، صفحہ: ۱۰۰

بَابُ إِلْزَاقِ الْمَنْكِبِ بِالْمَنْكِبِ وَالْقَدَمِ بِالْقَدَمِ فِي الصَّفِّ. وَقَالَ النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ رَأَيْتُ الرَّجُلَ مِنَّا يُلْزِقُ كَعْبَهُ بِكَعْبِ صَاحِبِهِ.

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ. فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي وَكَانَ أَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ.
(۱۴۳۳ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(۲) نماز باجماعت کی صف میں کھڑے ہونے کا مسنون طریقہ کیا ہے، کچھ لوگ پیروں کی اُنگلیاں دوسرے کی اُنگلیوں سے ملاتے ہیں اور اس باب کے آثار سے استدلال کرتے ہیں کیا ان کا یہ استدلال درست ہے بوضاحت لکھیں۔

(ج) باب کا مقصد بیان کریں، اس باب میں ایک حدیث اور دو آثار ہیں، اُن کی وضاحت کریں حدیث شریف اور حضرت انس کے اثر میں کیا مناسبت ہے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: صف بندی میں مونڈھے کو مونڈھے سے اور پیر کو پیر سے چپکانا حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ایک اپنے ٹخنے اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ملاتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنی صفیں سیدھی کرو، کیونکہ میں تمہیں پیٹھ پیچھے دیکھتا ہوں اور انس فرماتے ہیں ہم میں سے ہر شخص اپنا مونڈھا اپنے ساتھی کے مونڈھے سے اور اپنا پیر اس کے پیر سے ملاتا تھا۔

(ب) صف میں کھڑے ہونے کا مسنون طریقہ:

آنحضور ﷺ نے حضرات صحابہ کو صف بندی کا یہ طریقہ بتلایا تھا کہ کندھے سے کندھا اچھی طرح لگایا جائے اور قدم سے قدم ملا کر دیکھا جائے یعنی لوگ اس طرح کھڑے ہوں کہ اگر ایک جانب سے ٹخنوں میں سوئی داخل کی جائے تو سب ٹخنوں میں ہو کر گزر جائے یعنی تمام لوگوں کے ٹخنے ایک سیدھ میں آجائیں۔

کچھ لوگ یعنی غیر مقلدین پیروں کی انگلیاں دوسرے کی انگلیوں سے ملاتے ہیں اور اس باب کے آثار سے استدلال کرتے ہیں لیکن ان کا یہ استدلال غلط ہے، کیونکہ حدیث میں قدم سے قدم ملانے کا ذکر ہے اور قدم ایڑی سے اُنگلیوں تک ہے نہ کہ صرف انگلیاں ہے۔

نیز وہ لوگ کہتے ہیں اس حدیث میں نماز میں کھڑے ہونے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں فی الصّف کی قید لگا کر اشارہ کیا ہے کہ یہ صف بندی کا طریقہ ہے قیام میں کھڑے ہونے کا طریقہ نہیں ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں: المراد بذالك المبالغة فی تعدیل الصف و سدخلله یعنی حدیث کی مراد صف صحیح کرنے میں مبالغہ کرنا ہے اور صف کے خلل کو بند کرنا ہے۔ (تحفۃ القاری ۲/ ۵۸۵)

(ج):

اس باب کا مقصد نماز با جماعت میں صف بندی کا طریقہ بتانا ہے چنانچہ نماز باجماعت میں صف بندی کا طریقہ یہ ہے کہ مونڈھے کو مونڈھے سے اور پیر کو پیر سے ملایا جائے۔

حدیث کی وضاحت: نبی علیہ السلام نے فرمایا اپنی صفیں سیدھی کرو، کیونکہ میں تمہیں پیٹھ پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

اس حدیث میں صف کو سیدھی کرنے کی اہمیت بیان کی گئی، نیز دوسرے ایک حدیث میں بھی ہے لتسونّ صفوفکم اولیخالفن اللہ بین قلوبکم یعنی یا تو تم صف سیدھی کرو گے یا تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ عداوت پیدا کردے گا۔

(۲) اثر انس رضی اللہ عنہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ اس حدیث مرفوع کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص اپنا مونڈھا اپنے ساتھی کے مونڈھے سے اور اپنا پیر اس کے پیر سے ملاتا تھا۔

صحابہ کا قدم قدم سے ملانا حدیث نہیں ہے، کیونکہ حدیث رسول علیہ السلام کے قول و فعل اور تائید و تقریر کو کہتے ہیں بلکہ یہ از قبیلِ آثار صحابہ ہے۔

حدیث اور اثر انس کے درمیان مناسبت: ظاہر ہے کہ مذکورہ حدیث مرفوع کے بعد

صحابہ کا یہ عمل اس ارشادِ نبوی کی تعمیل ہی میں ہوسکتا ہے پس دونوں میں مناسبت ظاہر ہے۔

(۳) اثر نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ایک اپنے ٹخنے اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ملاتا تھا یعنی صحابہ صف میں اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ تمام ٹخنے ایک سیدھ میں آجاتے تھے، یہ صحابہ کا صف بندی کا طریقہ تھا۔ (تحفۃ القاری ۲/۵۸۵)

سوال: ۹۴، صفحہ: ۱۲۳

بَابُ مِنْ أَيْنَ تُؤْتَى الْجُمُعَةُ وَعَلَى مَنْ تَجِبُ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ. وَقَالَ عَطَاءٌ إِذَا كُنْتَ فِي قَرْيَةٍ جَامِعَةٍ. فَنُودِيَ بِالصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ. فَحَقٌّ عَلَيْكَ أَنْ تَشْهَدَهَا. سَمِعْتَ النِّدَاءَ أَوْ لَمْ تَسْمَعْهُ. وَكَانَ أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي قَصْرِهِ أَحْيَانًا يُجَمِّعُ وَأَحْيَانًا لَا يُجَمِّعُ، وَهُوَ بِالزَّاوِيَةِ عَلَى فَرْسَخَيْنِ. عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِي الخ.

(۱۴۲۹، ۱۴۲۳ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ترجمۃ الباب کا مقصد بیان کریں۔

(ج) جمعہ کے لئے کتنے دُور سے اور کن لوگوں کے لئے آنا واجب ہے امام بخاری آیتِ قرآنی، قول عطاء اور فعل انس اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہما سے کیا ثابت کر رہے ہیں۔

(د) اس باب میں ائمہ کے مذاہب خاص طور سے احناف کا ظاہر مذہب کیا ہے اس کو بیان کریں۔

(ہ) جمعہ فی القریٰ میں کیا اختلاف ہے مذاہب ائمہ مدلل لکھیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: کتنی دُور سے جمعہ کے لئے آنا ضروری ہے؟ اور جمعہ کس پر واجب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف چل دو۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں جب تو قریہ جامعہ میں ہو پس جمعہ کی اذان ہوئی تو تجھ پر جمعہ کے لئے آنا فرض ہے خواہ تو نے اذان سنی ہے یا نہیں سنا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ سے دو فرسخ کے فاصلہ پر زاویہ نامی جگہ میں رہتے تھے پھر کبھی جمعہ پڑھنے کے لئے بصرہ میں آتے تھے اور کبھی جمعہ پڑھنے کے لئے نہیں آتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: لوگ اپنے گھروں اور عوالی سے باہر باری باری جمعہ پڑھنے کے لئے آتے تھے۔

(ب):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمہ سے اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ جامع مسجد کی اذان جس بستی تک سنائی دیتی ہے وہاں تک کے لوگوں پر جمعہ کے لئے آنا فرض ہے لیکن چونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی حکم نہیں لگایا، بلکہ لفظ استفہام این کے ذریعہ سے ذکر کیا، لیکن باب کے تحت جو آیت اور حدیث لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ کن لوگوں پر جمعہ واجب ہے۔

(ج):

جمعہ کے لئے کتنی دُور سے اور کن لوگوں کے لئے آنا واجب ہے اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آیتِ قرآنی سے یہ بات ثابت کی ہے: الجمعة علی من سمع النداء

استدلال اس طرح ہے کہ جس نے جمعہ کی اذان سنی اگر اس پر جمعہ کے لئے آنا ضروری نہ ہو تو اذان دینے سے کیا فائدہ معلوم ہوا کہ اذان کی آواز جہاں تک پہنچے وہاں تک کے لوگوں پر جمعہ کے لئے آنا ضروری ہے۔

(۲) حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قریہ جامعہ (بڑے شہر) کے باشندوں پر جمعہ کے لئے آنا فرض ہے خواہ اذان سنیں یا نہ سنیں یہ مسئلہ اجماعی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ سے دو فرسخ کے فاصلہ پر زاویہ نامی جگہ میں رہتے تھے ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل پونے دو کلومیٹر کا ہوتا ہے یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کا گھر بصرہ سے تقریباً آٹھ کلومیٹر دور تھا آٹھ کلومیٹر تک اذان کی آواز نہیں پہنچ سکتی اس لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کبھی بصرہ میں جمعہ پڑھنے کے لئے آتے تھے اور کبھی نہیں آتے تھے معلوم ہوا کہ جہاں تک اذان کی آواز نہ پہنچے ان لوگوں پر جمعہ فرض نہیں۔

(۴) صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں قبا اور عوالی کے سب باشندے ہر جمعہ مدینہ نہیں آتے تھے بلکہ باری باری آتے تھے، ایک گھر میں دو آدمی ہوں تو ایک، ایک ہفتہ آتا اور دوسرا، دوسرے ہفتے، کیونکہ مسجد نبوی کی اذان قبا اور عوالی کے گاؤں تک نہیں پہنچتی تھی معلوم ہوا جمعہ ان لوگوں پر واجب ہے جو اذان سنیں۔ (تحفۃ القاری ۳/ ۲۲۳)

(د):

جمعہ کے لئے کتنی دُور سے آنا واجب ہے اور کن لوگوں پر واجب ہے اس مسئلہ میں اختلاف یہ ہے کہ:

(۱) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جامع مسجد کی اذان جس بستی تک سنائی دیتی ہے وہاں تک کے لوگوں پر جمعہ کے لئے آنا فرض ہے اس قول کی تعبیر ہے: الجمعة علی من سمع النداء۔

دلیل: (۱) إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللهِ.

(۲) کان انس رضی اللہ عنہ فی قصرہ احیاناً یجمع واحیانا لا یجمع وھو بالزاویۃ علی فرسخیہ.

(۳) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان الناس ینتابون الجمعۃ من منازلھم والعوالی الخ.

وجہِ استدلال اوپر گزرا ہے۔

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو بستی سے اتنی دور ہے کہ شہر میں جمعہ پڑھ کر پیدل سورج غروب ہونے سے پہلے گھر پہنچ جائے اس بستی کے لوگوں پر جمعہ کے لئے شہر آنا ضروری ہے اس کی تعبیر ہے الجمعۃ علی من اواہ اللیل الی اھلہ.

دلیل: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الجمعۃ علی من اواہ اللیل الی أھلہ.

(۳) اور احناف کے نزدیک ظاہر مذہب، جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو شہر میں یا فناءِ شہر میں رہتا ہے فناء سے باہر رہنے والوں پر جمعہ کی شرکت واجب نہیں۔

دلیل: (۱) عن علی رضی اللہ عنہ قال لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع.

(۲) کسی نے حضرت عطاء سے قریہ جامعہ کے بارے میں دریافت کیا آپ نے فرمایا: ذات الجماعۃ والامیر والقاضی والدور المجتمعۃ الاخذۃ بعضھا ببعضہ مثل جُدّہ یعنی ایسی بستی جس میں چار باتیں پائی جاتی ہوں وہ قریہ جامعہ ہے (۱) وہاں بہت لوگ بستے ہوں (۲) وہاں امیر ہو (۳) قاضی ہو (۴) اور اکٹھا مکانات ہوں۔

اور مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ محل اقامت جمعہ میں رہنے والوں پر جمعہ فرض ہے۔

(۵):

جمعہ فی القریٰ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اس میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک جمعہ کے لئے مصر شرط نہیں بلکہ گاؤں میں بھی جمعہ ہو سکتا ہے۔

دلائل: (۱) قوله تعالیٰ: اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ.

وجہِ استدلال: فَاسْعَوْا عام ہے اس میں مصر اور غیر مصر کی کوئی تفصیل نہیں۔

(۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان اوّل جمعۃ جمعت فی الاسلام بعد جمعۃ جمعت فی مسجد رسول اللہ ﷺ بالمدینۃ لجمعۃ جمعت بجواثی قریۃ من قری البحرین قال عثمان شیخ ابی داؤد قری من قری عبدالقیس.

وجہِ استدلال: اس میں جواثی کو قریہ قرار دیا گیا ہے معلوم ہوا کہ قریہ میں بھی جمعہ ہوسکتا ہے۔

(۲) اور حنفیہ کے نزدیک صحت جمعہ کے لئے مصر یا قریہ کبیرہ شرط ہے اور دیہات وغیرہ میں جمعہ جائز نہیں۔

دلائل: صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر وقوفِ عرفات جمعہ کے دن ہوا تھا پھر اس پر بھی تمام روایات متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس روز عرفات میں جمعہ ادا نہیں فرمایا بلکہ ظہر کی نماز پڑھی اس کی وجہ بجز اس کے کوئی نہیں ہوسکتی کہ جمعہ کے لئے مصر شرط ہے۔

(۲) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان الناس ینتابون الجمعۃ من منازلھم والعوالی الخ

وجہِ استدلال: اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ عوالی باریاں مقرر کر کے جمعہ میں شریک ہونے کے لئے مدینہ طیبہ آیا کرتے تھے، اگر چھوٹی بستیوں میں جمعہ جائز ہوتا تو ان کو باریاں مقرر کر کے جمعہ کے لئے آنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ عوالی میں جمعہ قائم کر سکتے تھے۔

(۳) عن علی رضی اللہ عنہ قال لاجمعۃ ولاتشریق إلا فی مصر جامع.

(تحفۃ القاری ۳/۲۲۲۔تحفۃ الالمعی ۲/۳۶۶۔درسِ ترمذی)

سوال:۹۵،صفحہ:۱۲۹

اَبْوَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب منعقد کیا ہے: بَابُ صَلٰوةِ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوْبِ رَاكِبًا وَإِيْمَاءً اور اس کے تحت یہ روایت ذکر ہے: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنَا لَمَّا رَجَعَ مِنَ الْأَحْزَابِ لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ فَأَدْرَكَ بَعْضُهُمُ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا نُصَلِّي حَتّٰى نَأْتِيَهَا. وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ نُصَلِّي لَمْ يُرِدْ مِنَّا ذٰلِكَ. فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِنْهُمْ.

(۱۴۰۳ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) طالب، مطلوب کے معنیٰ متعین کرنے کے بعد مقصدِ ترجمہ تحریر کریں۔

(ج) بتلائیں کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں کہیں بھی راکباً وایماء نماز کا ذکر نہیں تو اس سے ترجمہ کیسے ثابت ہوگا۔

(د) اس کے بعد یہ تحریر کریں کہ جن حضرات نے نماز قضا کردی ان کو آنحضرت ﷺ نے تنبیہ کیوں نہیں فرمائی؟

(ہ) کیا آج بھی اجازت دی جائے گی کہ ظہر کے بعد بنوقریظہ کی جائے سکونت کی طرف جانے والے عصر کی نماز قضا کر کے مغرب کے وقت میں پڑھیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی ﷺ نے ہم سے فرمایا جب آپ ﷺ

غزوۂ احزاب سے لوٹے ہرگز کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنوقریظہ میں پس بعض نے راستہ میں عصر کا وقت پایا تو بعض نے کہا ہم عصر نہیں پڑھیں گے یہاں تک کہ ہم بنوقریظہ پہنچیں اور بعض نے کہا ہم نماز پڑھیں گے آپ ﷺ کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہم نماز قضا کریں گے پس یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی گئی تو آپ ﷺ نے ان میں سے کسی کو بھی ملامت نہیں کی۔

(ب):

طالب کا معنیٰ وہ مرد مجاہد ہے جو کسی دشمن کے تعاقب میں چل رہا ہو اور دشمن پر حملہ کرنے والا ہو۔

مطلوب: وہ شخص ہے جس کے تعاقب میں دشمن آرہا ہو جس پر حملہ کیا جائے۔

مقصد ترجمہ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس باب سے طالب اور مطلوب دونوں کے لئے سواری پر فرض نماز پڑھنے کا جواز ثابت کرنا ہے یعنی اگر کوئی دشمن کی وجہ سے سواری سے اُترنے سے عاجز ہو تو اس صورت میں بھی نماز ساقط نہیں ہوگی اور نہ ہی وقت مؤخر کرنے کی گنجائش ہے بلکہ جس جانب پر قدرت ہو اسی جانب متوجہ ہو کر نماز پڑھے۔

(۲) حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس باب کا مقصد وَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا کی جانب اشارہ کرنا ہے کہ قولِ خداوندی میں رِجَالًا سے مراد قیاماً ہے نہ کہ ماشیاً نیز ان حضرات کے قول کی تردید بھی مقصود ہے جو رجالاً کو ماشیاً پر اطلاق کرتے ہیں۔

(تحفۃ القاری ۳/۲۷۳)

(ج):

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت: بایں طور کہ حدیث کے اندر مذکور ہے کہ جب صحابہ بنوقریظہ پر حملے کے ارادہ سے نکلے تو بعض صحابہ نے راستہ میں وقت پر

نماز پڑھ لی اور بعض نے وقت کو فوت کر دیا جو کہ فرض ہے اور حضور ﷺ نے ان پر نکیر نہیں کی اسی طرح طالب کے لئے جائز ہوگا کہ وہ وقت میں نماز پڑھے اشارہ کر کے رکوع وسجدہ کو ترک کرتے ہوئے جو کہ فرض ہے یعنی دونوں میں فرضیت کے ترک میں برابری ہے اور جب طالب کے لئے جائز ہوگا تو مطلوب کے لئے بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگا کیونکہ اس کی حالت طالب سے بدتر ہے پس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح ہے۔

(د):

جن لوگوں نے نماز قضا کر دی ان لوگوں کو آپ ﷺ نے اس لئے تنبیہ نہیں فرمائی کہ ان لوگوں نے حضور ﷺ کے ظاہری حکم وامر کا امتثال کیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کے ظاہری حکم سے یہی بات مفہوم ہو رہی ہے۔

(ہ):

آج اجازت نہیں دی جائے گی کہ ظہر کے بعد بنو قریظہ کی جائے سکونت کی طرف جانے والے عصر کی نماز قضا کر کے مغرب کے وقت میں پڑھیں، کیونکہ وہ اجازت تشریع وقت کی ترخیص تھی لہٰذا اب اجازت نہیں دی جائے گی۔ (تحفۃ القاری ۳/ ۲۷۴)

سوال: ۹۶، صفحہ: ۱۳۰

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ هَذَا يَوْمٌ يُشْتَهَى فِيهِ اللَّحْمُ. وَذَكَرَ مِنْ جِيرَانِهِ فَكَانَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَّقَهُ. قَالَ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ. فَرَخَّصَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا أَدْرِي أَبَلَغَتِ الرُّخْصَةُ مَنْ سِوَاهُ أَمْ لَا.

(۱۴۱۱ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) اس حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا مسئلہ ثابت کیا ہے، نیز اس میں فلیعد کا حکم ہے ذبح شدہ کا اعادہ کس طرح کیا جائے؟

(ج) ذکر من جیرانہ کا کیا مطلب ہے حضور ﷺ نے کس چیز کی تصدیق کی ہے۔

(د) جذعہ کس کو کہتے ہیں اگر اس کی قربانی کی جائے تو حنفیہ کے نزدیک صحیح ہو جائے گی یا نہیں ہوگی، اگر نہیں ہوگی تو کیوں مع دلائل لکھیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کی تو چاہئے کہ وہ قربانی دوبارہ کرے پس ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ایسا دن ہے جس میں (شروع میں) گوشت رغبت سے کھایا جاتا ہے اور انہوں نے اپنے پڑوسیوں کا بھی تذکرہ کیا پس گویا نبی ﷺ نے ان کو سچا سمجھا انہوں نے عرض کیا میرے پاس ایک سال سے کم عمر کی بکری ہے جو مجھے گوشت کی دو بکریوں سے زیادہ پسند ہے پس نبی ﷺ نے ان کو اس کی قربانی کی اجازت دی (حضرت انس کہتے ہیں) پس میں نہیں جانتا کہ وہ اجازت اوروں کو پہنچی یا نہیں؟

(ب):

اس حدیث سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ مسئلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نمازِ عید الاضحیٰ سے پہلے کھانے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے ابو بردہ کو کھانے پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ قربانی کے متعلق ارشاد فرمایا کہ قربانی نہیں ہوئی پھر دوبارہ قربانی کرو۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاری جمہور علماء کے ساتھ ہیں یعنی نماز عید سے

پہلے کچھ نہ کھائے استدلال اس طرح ہے کہ نبی علیہ السلام نے عید کے بعد قربانی کرنے کا حکم دیا ہے اور قربانی کا گوشت اللہ تعالیٰ کی دعوت ہے پس عید کے دن سب سے پہلے اللہ کی دعوت کھانی چاہیئے اور اللہ کی دعوت قربانی کے بعد ہوگی اور قربانی نماز کے بعد ہوگی پس ثابت ہوا کہ عید الاضحیٰ میں نماز کے بعد کھانا چاہیئے۔

آپ علیہ السلام کے حکم فلیعد کا مطلب: فلیذبح مکانھا شاۃ اخریٰ یعنی اگر کسی نے نماز سے پہلے قربانی کر لی تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی جگہ نماز کے بعد دوسری قربانی کرے جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں صراحت ہے من ذبح قبل الصلوٰۃ فلیذبح شاۃ مکانھا.

(ج):

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے اپنے پڑوسیوں کے غریب اور محتاج ہونے کا اور ان میں قربانی کرنے کی استطاعت نہ ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ اور حضور علیہ السلام نے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے قول من جیرانہ کی تصدیق فرمائی یعنی ابو بردہ نے اپنے پڑوسیوں کے جو غربت اور احتیاج اور ان کو گوشت پہنچانے کی نیت سے جلدی قربانی کرنے کی بات کی ہے اس کی تصدیق فرمایا۔

(د):

جذبہ اس جانور کو کہا جاتا ہے جس کی عمر چھ ماہ ہو۔

حنفیہ کے نزدیک جذعہ من المعز یعنی بکری کی چھ مہینہ کی بچہ سے قربانی جائز نہیں ہے اور جذعہ من الضأن یعنی دُنبہ کی چھ مہینہ کی بچہ سے قربانی جائز ہے۔

دلیل: (۱) لا تذبحوا الا مسنۃ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسنہ کے علاوہ کی قربانی درست نہیں ہے البتہ جزعۃ من الضأن کی قربانی اس حدیث عن ابی کباش قال جلبت غنما جذعا الی المدینۃ فکسدت علی فلقیت اباھریرۃ رضی اللہ عنہ

فسالته فقال سمعت رسول اللهﷺ یقول نعم اونعمت الاضحیة الجذع من الضأن قال فانتهبه الناس کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔

سوال:۹۷، صفحہ:۱۴۶

عَنْ عَبْدِ اللهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ سُوْرَةَ النَّجْمِ فَسَجَدَ بِهَا فَمَابَقِیَ أَحَدٌ مِنَ الْقَوْمِ إِلاَّ سَجَدَ. فَأَخَذَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ كَفًّا مِنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ. فَرَفَعَهُ إِلَى وَجْهِهِ وَقَالَ یَكْفِینِی هٰذَا. فَلَقَدْ رَأَیْتُهُ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا

(۱۴۲۴ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) مسلمان و کافر سب کے سجدہ کرنے کی وجہ میں کچھ لوگ تلك الغرانیق العلیٰ والا، قصہ نقل کرتے ہیں اس قصہ کے اصل اور بے اصل ہونے کے متعلق تحریر کریں۔
(ج) سجدہ کرنے کی صحیح وجہ بیان کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سورۃ نجم کی تلاوت کی ہے پس آپ ﷺ نے اس میں سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ جتنے لوگ تھے، سب نے سجدہ کیا ایک شخص ان میں سے یعنی امیہ بن خلف نے ایک مٹھی کنکری یا مٹی لے کر اپنی پیشانی تک اُٹھائی اور کہا میرے لئے یہ کافی ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اس کو بعد میں دیکھا وہ کفر کی حالت میں مارا گیا۔

(ب):

سجدہ کرنے کی وجہ کچھ لوگوں نے تلك الغرانيق العلى وإن شفاعتهن لترتجى والاقصہ بتایا۔ قصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ سورۂ نجم تلاوت کرتے کرتے جب اَفَرَأَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى تک پہونچے تو شیطان نے بیچ میں تلك الغرانيق العلىٰ وان شفاعتهن لترتجى ملادیا مشرکین نے جب یہ سنا تو بہت خوش ہوئے کہ محمد ﷺ اب تک ہمارے خداؤں کی برائی کیا کرتے تھے اب تعریف کرنے لگے اس خوشی میں وہ کفار بھی سجدہ میں چلے گئے۔لیکن یہ قصہ بالکل بے اصل وبے بنیاد اور گھڑا ہوا ہے، علماء محققین نے اس پر بہت سختی کے ساتھ رد فرمایا ہے۔

(تحفۃ القاری ۳/۳۹۹)

(ج):

سجدہ کرنے کی صحیح وجہ یہ ہے کہ سورۃ النجم نہایت فصیح وبلیغ سورت ہے پھر زبانِ نبوت نے وہ سورت تلاوت کی تھی اس لئے سماں بندھ گیا اور سب لوگوں کو غاشیہ الہیہ نے گھیر لیا اور جب حضور اکرم ﷺ نے سجدہ کیا تو بے اختیار کفار بھی سجدے میں گر پڑے، بعد میں جب ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے خفت مٹانے کے لئے الغرانيق العلىٰ والا واقعہ گڑھا اور کہنا شروع کر دیا کہ ہم نے سجدہ اس لئے کیا تھا کہ محمد ﷺ نے ہماری مورتیوں کی تعریف کی تھی۔ (تحفۃ القاری ۳/۳۹۹)

سوال: ۹۸، صفحہ: ۱۴۶

بَابُ سُجُوْدِ الْمُسْلِمِيْنَ مَعَ الْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكُ نَجَسٌ لَيْسَ لَهٗ وُضُوْءٌ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَسْجُدُ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ. بَابُ مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ وَلَمْ يَسْجُدْ قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَرَأْتُ عَلَى النَّبِيِّ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمِ فَلَمْ یَسْجُدْ فِیْھَا.

(۱۴۳۱ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) سجدۂ تلاوت کے لئے طہارت (وضو) ضروری ہے یا نہیں اختلاف ائمہ لکھ کر بتائیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کیا ہے اور ان کے دلائل کا جواب کیا ہے؟

(ج) سجدۂ تلاوت واجب ہے یا سنت اختلاف ائمہ مدلل و مفصل لکھیں اور بتائیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کس کے ساتھ ہیں اور ان حضرات کے دلائل کیا ہیں اور ان کے جوابات کیا ہیں؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ: مسلمانوں کا مشرکوں کے ساتھ سجدہ کرنا۔ مشرکین ناپاک ہیں اور ان کا وضو نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کبھی بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت کرتے تھے۔ جس نے آیتِ سجدہ پڑھی اور سجدہ نہیں کیا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو سورۃ النجم سنائی تو آپ ﷺ نے سجدہ نہیں کیا۔

(ب):

سجدۂ تلاوت کے لئے طہارت شرط ہے یا نہیں اس میں دو مذہب ہیں:

(۱) غیر مقلدین ابن حزم ظاہری اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت کے لئے وضو ضروری نہیں بغیر وضوء کے بھی سجدۂ تلاوت کر سکتے ہیں۔

دلائل: (۱) دلیلِ عقلی سجدہ تلاوت پر صلاۃ کا اطلاق نہیں ہوتا نہ شرعاً نہ عرفاً پس جب سجدۂ تلاوت نہ عرفاً اور نہ شرعاً صلوٰۃ ہے پس اس کے لئے طہارت بھی ضروری نہیں ہے۔

(۲) کان ابن عمر رضی اللہ عنہ یسجد علی غیر وضوء.

وجہِ استدلال: ابن عمر رضی اللہ عنہما کبھی بغیر وضو سجدۂ تلاوت کرتے تھے اور صحابہ کا فعل حجت ہے پس معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت پاکی کے بغیر بھی درست ہے۔

(۳) مسلمانوں نے مشرکین کے اختلاط کے ساتھ سجدہ کیا جبکہ مشرکین نجس ہیں ان کا وضو لاشئ ہے اور جب آدھے مجمع کے لئے وضو ضروری نہیں تو باقی کے لئے بھی ضروری نہیں۔

جوابات: (۱) سجدۂ تلاوت پر اگرچہ صلوٰۃ کا اطلاق نہیں ہوتا مگر سجدہ نماز کا رُکن ہے پس وہ نمازِ جنازہ کے حکم میں ہے اس لئے کہ نمازِ جنازہ میں بھی نماز کا ایک رُکن قیام ہے پس جس طرح نمازِ جنازہ کے لئے وضو ضروری ہے اسی طرح سجدۂ تلاوت کے لئے بھی وضو ضروری ہے۔

(۲) بخاری شریف کے اکثر رواۃ نے علیٰ غیر وضوء نقل کیا ہے مگر اصیلی کی روایت میں لفظ غیر نہیں ہے، پس استدلال ختم ہوگیا۔

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ اس کے خلاف ہے کیونکہ بیہقی نے سندِ صحیح سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: لایسجد الرجل الا وھو طاھر راوی اپنے عمل کے خلاف فتویٰ کیسے دے گا۔

زیادہ سے زیادہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے تھی، لیکن باقی صحابہ نے ان کی موافقت نہیں کی۔

(۳) آدھے مجمع کے باوضو نہ ہونے سے باقی لوگوں پر بھی وضو ضروری نہیں یہ دلیلِ عقلی ظاہر البطلان ہے کہ جماعت میں ایک شخص کا وضو ٹوٹ جائے یا پہلے سے وہ بے وضو ہو تو دوسروں پر بھی وضو ضروری نہیں ہوگا؟ یہ کیا بات ہوئی۔

(۲) اور ائمہ اربعہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت کے لئے وضو ضروری ہے نمازِ جنازہ کی طرح۔

دلیل: لاتقبل صلوٰۃ بغیر طھور.

وجہِ استدلال: نمازِ جنازہ پر صلاۃ کا اطلاق شرعاً اور عرفاً دونوں طرح ہوتا ہے پس وہ حدیث کے تحت داخل ہے حالانکہ اس میں صرف نماز کا ایک رُکن قیام پایا جاتا ہے اور

سجدہ بھی نماز کا ایک رُکن ہے پس صلاۃ جنازہ کی طرح اس کے لئے بھی باوضو ہونا ضروری ہوگا۔ (تحفۃ القاری ۳/ ۴۰۴)

(ج):

سجدۂ تلاوت واجب ہے یا سنت؟ اس مسئلہ میں فقہاء کے دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کے ساتھ ہیں۔

دلائل: (۱) عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال قرأت علی النبی ﷺ فلم یسجد فیھا.

وجہِ استدلال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں سنت ہے، چاہے کریں چاہے نہ کریں، اگر واجب ہوتا تو رسول اللہ علیہ ﷺ ضرور کرتے۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، خطبہ میں سورۂ النحل کی آیتِ سجدہ پڑھی پھر منبر سے اُتر کر سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سجدہ کیا، پھر منبر پر جا کر باقی خطبہ دیا، اگلے ہفتہ پھر وہی آیت، خطبہ میں پڑھی لوگ سجدہ کی تیاری کرنے لگے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! ہم پر یہ سجدے لازم نہیں کئے گئے ہم چاہیں کریں اور چاہیں نہ کریں اور خطبہ آگے جاری رکھا۔

وجہِ استدلال: اس پر کسی نے نکیر نہیں کی پس یہ اجماع سکوتی ہو گیا کہ سجودِ تلاوت واجب نہیں۔

جوابات: (۱) احناف یہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت علی الفور واجب نہیں بعد میں بھی کیا جا سکتا ہے ممکن ہے جس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ نے سورۃ النجم سنائی اس وقت آپ علیہ ﷺ کا وضو نہ ہو یا سجدہ کا موقع نہ ہو اس لئے آپ علیہ ﷺ نے اس وقت سجدہ نہیں کیا بعد میں کیا ہوگا، اس وقت سجدہ نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ علیہ ﷺ نے بعد میں بھی سجدہ نہیں کیا۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے دیگر صحابہ کا یہ

مذہب نہیں اس لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایسی رائے ہے جس کو صحابہ میں سے کسی نے اختیار نہیں کیا اور جب نبی ﷺ سے مواظبت کے ساتھ سجودِ تلاوت کرنا ثابت ہے تو عمل نبوی کی موجودگی میں کسی بھی صحابی کا قول لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، رہی اجماع سکوتی کی بات یہ اجماع نہیں ہے، بلکہ شخصیت کے احترام میں خاموشی ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر اس واقعہ کے بعد صحابہ نے اپنا سابق رائے چھوڑ دی ہو تو یہ اجماع ہے اور اگر نہ چھوڑی ہو تو یہ خاموشی شخصیت کے احترام میں ہے اور یہ بات طے ہے کہ دوسرے صحابہ اپنی رائے پر قائم رہے تھے انہوں نے اپنی رائے نہیں بدلی پس یہ اجماع نہیں ہوا۔

(۲) اور احناف کے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

دلائل: (۱) رسول اللہ ﷺ نے مواظبت تامہ کے ساتھ سجودِ تلاوت کئے ہیں ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے آیتِ سجدہ تلاوت کی ہو اور سجدہ نہ کیا ہو پس یہ مواظبت وجوب کی دلیل ہے۔

(۲) سجودِ تلاوت کو نماز میں شامل کرنا اس کے وجوب کا قرینہ ہے کیونکہ ایسی کوئی مثال نہیں ہے کہ مستقل سنت کو نماز کے اندر لیا گیا لیکن بعض مستقل واجبات کو نماز کے اندر لیا گیا۔

(۳) خود آیات سجدہ کا مضمون وجوب سجدہ پر دلالت کرتا ہے اور سجدوں کی آیات میں پانچ طرح کے مضامین ہیں جن کی تفصیل تحفۃ القاری (۳/۲۹۶) میں ہے وہاں دیکھ لیجئے۔

اس کا حاصل یہ ہے ہ سجود تلاوت میں امتثال امر اور نیک بندوں کی روش اپنانے کا مضمون ہے یہ مضمون خود وجوب سجدہ کی دلیل ہے۔ (تحفۃ القاری ۳/۲۹۶)

سوال: ۹۹، صفحہ: ۱۷۱

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَذَّبُ الْمَيِّتُ بِبَعْضِ بُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ إِذَا كَانَ النَّوْحُ مِنْ سُنَّتِهِ. لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: قُوا أَنْفُسَكُمْ

وَأَهْلِيكُمْ نَارًا. وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ سُنَّتِهِ، فَهُوَ كَمَا قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا لاَ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى. وَهُوَ كَقَوْلِهِ وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَى حِمْلِهَا لاَ يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَمَا يُرَخَّصُ مِنَ الْبُكَاءِ فِي غَيْرِ نَوْحٍ. وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلاَّ كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا وَذٰلِكَ لأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ.

(۱۴۰۴، ۱۴۳۶ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) پسماندگان کے رونے سے میت کو عذاب ہونے کے مسئلہ میں صحابہ کرام میں کیا اختلاف تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اور روایتِ عمر رضی اللہ عنہ پر کیا نقد کیا تھا؟ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے اور دلائل تفصیل سے لکھیں۔

(ج) پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے محاکمہ کی توضیح کیجیے۔

(د) ومایرخص من البکاء فی غیر نوح کے دلائل لکھیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: پسماندگان کے کچھ رونے سے میت کو سزا دی جاتی ہے۔ اور وہ کچھ رونا نوحہ ماتم کرنا ہے جبکہ اس کی فیملی میں اس کا رواج ہو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی وجہ سے: تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور تم سب سے رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اور اگر نوحہ کرنا اس کے خاندان کا طریقہ نہ ہو تو وہ ایسا ہے جیسا کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اور کوئی دوسرے کا بوجھ یعنی گناہ نہ اُٹھائے گا اور وہ اس ارشاد کی طرح ہے اور اگر کوئی بوجھ کا لدا ہوا اپنا بوجھ اُٹھانے کے لئے بلا دے تو بھی اس میں سے کچھ بوجھ نہ اُٹھایا جائے گا۔ اور جو غیر نوحہ میں میت پر رونے کی اجازت ہے۔ نبی علیہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کوئی ظلماً قتل کیا جاتا ہے تو آدم علیہ السلام کی پہلی اولاد کو اس گناہ کا ایک حصہ پہنچتا ہے، کیونکہ اس نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ جاری کیا۔

(ب):

اس جزء کا جواب پوری تفصیل کے ساتھ بخاری ثانی کے سوال نمبر تین ۳ میں آرہا ہے۔

(ج):

محاکمہ کی وضاحت: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے: باب قول النبی ﷺ یعذب المیت ببعض بکائہ علیہ چونکہ یہ بات قرآنی آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کے خلاف ہے، اس لئے بطور محاکمہ ایک دوسرا باب مایکرہ من النیاحۃ علی المیت قائم کر کے جمع بین الروایۃ کی کوشش کی ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ عرب میں میت پر نوحہ خوانی اور گریہ وزاری کا عام دستور تھا، کہ بعض تو وصیت بھی کر جاتے تھے کہ میرے مرنے کے بعد مجھ پر نوحہ کرنا اب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ محاکمہ کے طور پر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو بکاء ناجائز طریقے پر ہو اور میت اس کو پسند بھی کرتا ہو یا اس کے خاندان میں نوحہ کرنے کا رِواج تھا اور اس نے گھر والوں کی اسلامی تربیت نہیں کی اور نہ ان کو زندگی میں کبھی اس کام سے روکا پھر جب وہ مرا تو اس پر نوحہ کیا گیا تو اس میں میت کا قصور ہے وہ اس نوحہ کا سبب ہے اس لئے میت کو بھی سزا دی جائے گی اور یہ دوسرے کے گناہوں کی گٹھری نہیں بلکہ اپنی ہی گٹھری ہے، کیونکہ وہ نوحہ کا سبب بنا ہے اور جس شخص نے اپنے گھر والوں کی اسلامی تربیت کی ہے اور وہ ان کو نوحہ

کرنے سے منع کیا کرتا تھا پھر بھی پسماندگان نے نوحہ کیا تو وہ خود اس کے ذمہ دار ہوں گے ان کے گناہ کی سزا میت کو نہیں دی جائے گی، پس جن روایات میں رونے پر میت کو سزا دی جانے کی بات آئی ہے اس کا محمل پہلی قسم کا بکاء جو غیر شرعی ہے اور جن روایات میں اہلِ خانہ کے رونے کی وجہ سے میت پر عذاب کی نفی آئی ہے اس کا محمل دوسری قسم کا بکاء جو کہ غیر اختیاری میت نے اس پر روکا ہے۔ (تحفۃ القاری ۴/۳۹)

(د):

وما یرخص فی بکاء من غیر نوح کے دلائل:

(۱) جب صاحبزادہ حضرت ابراہم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آنحضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ رونے سے منع کرتے ہیں اور آپ ﷺ خود رو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے مطلقاً رونے سے منع نہیں کیا، بلکہ میں نے دو احمقانہ آوازوں سے منع کیا ہے جو گناہ میں مبتلا کرنے والی ہیں ایک شیطان کی طرح آہ و بکاء کرنے سے دوسری بانسری یعنی گانے کی آواز سے۔

(۲) فی واقعۃ ابن زینب رضی اللہ عنہا فرفع الیٰ رسول اللہ ﷺ الصبی ونفسه تتقعقع قال حسبته انه قال کانها ففاضت عیناہ فقال سعد یا رسول اللہ ماھٰذا فقال ھٰذہ رحمة جعلها اللہ فی قلوب عبادہ وانما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء.

(۳) عن انس رضی اللہ عنه قال شهدنا بنتا لرسول اللہ ﷺ قال ورسول اللہ ﷺ جالس علی القبر فرأیت عینیه تدمعان.

(۴) وقال عمر رضی اللہ عنه دعهن یبکین علی ابی سلیمان مالم یکن نقع اولقلقة.

سوال: ۱۰۰، صفحہ: ۱۷۲

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ النِّيَاحَةِ عَلَى الْمَيِّتِ. وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ دَعْهُنَّ يَبْكِينَ عَلَى أَبِي سُلَيْمَانَ مَا لَمْ يَكُنْ نَقْعٌ أَوْ لَقْلَقَةٌ. وَقَالَ الْمُغِيرَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَنَحْ عَلَيْهِ يُعَذَّبُ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ.

(۱۴۳۳ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) میت پر رونے کا کیا حکم ہے اور نوحہ ماتم کیا ہے اور اس کا کیا حکم ہے؟

(ج) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پر کیا اعتراض کیا تھا، اور اُن کی دلیل کیا تھی اور کیا وہ اعتراض صحیح تھا، اگر صحیح نہیں تھا تو اس کا مفصل و مدلل جواب لکھیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: میت پر ماتم کرنا حرام ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابوسلیمان (حضرت خالد کی کنیت) پر رونے دو جب تک سر پر مٹی ڈالنا اور چلّانا نہ ہو۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جس پر نوحہ کیا گیا نوحہ کئے جانے کی وجہ سے اس کو عذاب دیا جائے گا۔

(ب):

جاننا چاہئے کہ اگر میت پر رونا بغیر نوحہ اور ماتم کے ہو اور صرف اس میں آنسو بہانا ہو تو شریعت

میں اس کی اجازت ہے نبی کریم ﷺ سے بھی متعدد موقع پر بغیر نوحہ کے آنسو بہانا ثابت ہے۔

نوحہ کے معنیٰ ہیں: چلّا چلّا کر رونا اور میت کے مبالغہ آمیز فضائل بیان کرنا اور ماتم کے معنیٰ ہیں: سینہ پیٹنا۔ نوحہ ماتم کے لوگوں میں مختلف طریقے رائج ہیں۔ جاہلی انداز پر پکاریں پکارنا، گریبان پھاڑنا، رخسار پیٹنا، دیوار سے سر پھوڑنا، چوڑیاں توڑنا اور سر منڈانا یہ سب ماتم میں داخل ہیں۔

اس کا حکم یہ ہے کہ نوحہ اور ماتم دونوں ممنوع اور حرام ہیں۔ (تحفۃ القاری ۴/۴۷)

(ج):

اس جزء کا جواب پوری تفصیل کے ساتھ بخاری ثانی کے سوال نمبر ۳ میں آرہا ہے۔

سوال: ۱۰۱، صفحہ: ۱۷۵

عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا حَتَّى تُخَلِّفَكُمْ.

(۱۴۰۴، ۱۴۱۲، ۱۴۱۵ھ)

(الف) حدیثِ پاک کی تشریح کرتے ہوئے بتایئے کہ قیام للجنازہ میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے ہر ایک کے مسلک کو مدلّل و مفصل تحریر کریں۔

(ب) اور بتایئے کہ حدیثِ مذکور محکم ہے یا منسوخ حنفیہ کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے؟

الجواب:

(الف):

شرح الحدیث: پہلے آنحضرت ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوجاتے تھے پھر جب جنازہ رکھ دیا جاتا، یا آگے بھی بڑھ جاتا تو آپ ﷺ بیٹھ

جاتے اور آپ ﷺ نے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا تھا بعد میں آپ ﷺ کا عمل بدل گیا جنازہ دیکھ کر آپ ﷺ کھڑے نہیں ہوتے تھے اور صحابہ کو بھی منع کر دیا تھا۔

اختلافِ ائمہ:

امام احمد اور امام بخاری رحمہما اللہ کے نزدیک جنازہ دیکھ کر چاہے تو کھڑا ہو اور چاہے تو کھڑا نہ ہو دونوں جائز ہے۔

دلیل: (۱) عن علی رضی اللہ عنہ کان النبی ﷺ یأمرنا بالقیام فی الجنازۃ ثم جلس بعد ذالک وامرنا بالجلوس.

(۲) عن عامر بن ربیعۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال اذا رأیتم الجنازۃ فقوموا حتّٰی تخلفکم.

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں روایتوں کو جمع کر کے فرمایا: اگر چاہے تو کھڑا ہو اور چاہے تو کھڑا نہ ہو دونوں کا اختیار ہے۔

اور امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک قیام للجنازۃ منسوخ ہے۔

دلیل: (۱) عن علی رضی اللہ عنہ انہ ذکر القیام فی الجنائز حتی توضع فقال علیؓ قام رسول اللہ ﷺ ثم قعد.

(۲) عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ یقوم فی الجنازۃ حتی توضع فی اللحد فمر بہ حبر من الیہود فقال ھٰکذا نفعل فجلس النبی ﷺ وقال اجلسوا خالفوھم. (رواہ ابوداؤد)

(ب):

حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک حدیث مذکورہ منسوخ ہے ناسخ علی رضی اللہ عنہ کی روایت: عن علی رضی اللہ عنہ انہ ذکر القیام فی الجنائز حتّٰی توضع فقال علی رضی اللہ عنہ قام رسول اللہ ﷺ ثم قعد.

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث مذکورہ منسوخ نہیں ہے بلکہ دونوں قسم کی روایات پر عمل کرتے ہوئے کھڑا ہونا اور نہ ہونا دونوں جائز ہیں۔ (تحفۃ القاری ۶۶/۴)

سوال: ۱۰۲، صفحہ: ۱۷۷

بَابُ الصَّلَاةُ عَلَى الْجَنَائِزِ بِالْمُصَلّٰى وَالْمَسْجِدِ اس باب کے تحت دو حدیث ذکر کی گئی ہیں، پہلی حدیث: اَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَفَّ بِهِمْ بِالْمُصَلّٰى فَكَبَّرَ عَلَيْهِ اَرْبَعًا. دوسری حدیث عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ الْيَهُوْدَ جَاؤُوْا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ مِنْهُمْ وَامْرَأَةٍ زَنَيَا فَاَمَرَ بِهِمَا فَرُجِمَا قَرِيْماً مِنْ مَوْضَعِ الْجَنَائِزِ عِنْدَ الْمَسْجِدِ.

(۱۴۱۸ھ)

(الف) ترجمہ کریں۔

(ب) باب کا مقصد متعین کریں پھر دونوں حدیثوں کو ترجمۃ الباب پر منطبق کریں۔

(ج) مسجد میں صلاۃِ جنازہ کے متعلق ائمہ کے مذاہب بیان کر کے امام ابو حنیفہ کے قول کو مدلل لکھیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے عید گاہ میں صف بندی کرائی اور اس پر چار تکبیر کہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (خیبر کے) یہودی نبی پاک ﷺ کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کو لے کر

آئے، جنہوں نے زنا کیا تھا، آپ ﷺ نے ان دونوں کے متعلق حکم دیا پس وہ دونوں مسجد نبوی کے پاس جنازہ پڑھنے کی جگہ کے قریب سنگسار کئے گئے۔

(ب):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس باب سے یہ ہے کہ جنازہ کی نماز مصلّی یعنی عیدگاہ اور مسجد دونوں میں جائز ہے۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت: ترجمۃ الباب کے پہلا جزء پہلی روایت صف بہم بالمصلّی کہ نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو عیدگاہ میں صلاۃِ جنازہ کے لئے صف بندی کا حکم دیا حدیث شریف کی اِس ٹکڑا سے ترجمۃ الباب الصلاۃ علی الجنائز بالمصلّی ثابت ہوگیا۔

اور باب کا دوسرا جزء ہے مسجد میں نماز پڑھنا مگر باب کی کسی حدیث میں مسجد میں جنازہ پڑھنے کا ذکر نہیں پس تطبیق کی دوصورتیں ہیں:

(۱) مصلی سے عیدگاہ مراد لی جائے اور عیدگاہ من وجہٍ مسجد ہے، پس مسجد جماعت میں جنازہ پڑھنے کا جواز نکلا۔

(۲) حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی باب میں اضافہ کرتے ہیں پھر روایت لاکر اس اضافہ کو ثابت کرتے ہیں اور اس کے ضمن میں پہلا جزء ثابت کرتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس کرتے ہیں پہلے جزء کو صراحتاً ثابت کرتے ہیں اور دوسرے جزء کو ضمناً یہاں بھی ایسا ہی کیا ہے نبی ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھی ہے کہاں پڑھی ہے اس سے قطع نظر اور نمازِ جنازہ بھی نماز ہے اور مسجدیں نماز پڑھنے ہی کے لئے بنائی گئی ہیں پس مسجد میں جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔ (تحفۃ القاری ۴/ ۸۳)

(ج):

مسجد میں صلاۃِ جنازہ کے متعلق فقہاء کے دو مذہب ہیں:

(۱) شوافع اور حنابلہ کے نزدیک جس مسجد میں باجماعت نماز ادا کی جاتی ہے، اُس میں نمازِ جنازہ پڑھنا مطلقاً جائز ہے۔

دلیل: (۱) عن عائشة رضی الله عنها قالت صلی رسول اللهﷺ علی سهیل بن بیضاء فی المسجد. (ترمذی)

(۲) اور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک عذر کے بغیر مسجد الجماعۃ میں جنازہ پڑھنا مکروہ ہے اور اعذار کی صورت میں مسجد میں جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

شیخ ابن ہمام نے مکروہ تنزیہی قرار دیا اور قاسم بن قطلو بغا نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔

دلائل: (۱) عن ابن عمر رضی الله عنهما ان الیهود جاءوا الی النبیﷺ برجل منهم وامرأة زنیا فامربهما فرجما قریبا من موضع الجنائز عند المسجد.

وجہِ استدلال: آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں نمازِ جنازہ کے لئے مسجد نبوی سے باہر ایک جگہ مخصوص تھی اگر نمازِ جنازہ مسجد میں جائز ہوتی تو آپ ﷺ مسجد نبوی کو چھوڑ کر باہر تشریف نہ لے جاتے، کیونکہ مسجد نبوی کی فضیلت ظاہر ہے۔

(۲) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ من صلّی علیٰ جنازة فی المسجد فلا شیئ له.

(۳) عن عباد بن عبدالله بن زبیر ان عائشة رضی الله عنه أمرت ان یمر بجنازة سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه فی المسجد فتصلی علیه فانکر الناس ذالك علیها.

وجہِ استدلال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جنازہ مسجد میں جائز ہوتا تو صحابہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر انکار نہیں کرتے ان کا انکار کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ عام صحابہ کے پاس لامحالہ کوئی نہ کوئی حدیث مرفوع ہوگی ورنہ انکار کی حاجت نہ تھی۔

(تحفۃ القاری ۴/ ۸۴۔ درسِ ترمذی)

سوال: ۱۰۳، صفحہ: ۱۷۸

بَابُ الصَّلَاةُ عَلَى الْقَبْرِ بَعْدَ مَايُدْفَنُ. قَالَ الشَّعْبِيُ اَخْبَرَنِيْ مَنْ مَرَّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَبْرٍ مَنْبُوذٍ فَأَمَّهُمْ وَصَلَّوْا خَلْفَهُ.

(۱۴۲۶ھ)

(الف) تدفین میت کے بعد صلوٰۃ علی القبر کے باب میں صلوٰۃ جنازہ سے پہلے تدفین اور صلوٰۃ جنازہ کے بعد تدفین کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ہر ایک کا حکم بیان کریں اور اگر کسی صورت میں ائمہ کا اختلاف ہو تو ہر ایک کا مسلک مع دلائل تحریر کریں اور اس حدیث کی تاویل تحریر کریں۔

(ب) من مر مع النبی ﷺ کی تعیین کریں کہ وہ کون صاحب تھے؟

الجواب:

(الف):

قبر پر نمازِ جنازہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اس میں تین مذاہب ہیں:

(۱) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صلاۃ علی القبر علی الاطلاق ناجائز ہے خواہ اس میت پر پہلے نمازِ جنازہ پڑھی گئی ہو یا نہ پڑھی گئی ہو۔

دلیل: (۱) عن انس بن مالك رضی الله عنه ان النبی ﷺ نهٰی ان یصلی علی الجنائز بین القبور.

وجہِ استدلال: اس حدیث میں مطلقاً صلاۃِ جنازہ سے منع کیا گیا قبور کے درمیان، تو عین قبر پر بطریقِ اولیٰ ممنوع ہوگا اور اس حدیث میں صلاۃِ جنازہ پہلے پڑھنے اور نہ پڑھنے کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔

(۲) امام شافعی، امام احمد اور داوٗد ظاہری رحمہم اللہ کے نزدیک جو شخص میت کی

نمازِ جنازہ نہ پڑھ سکا ہو اس کے لئے صلاۃ علی القبر مطلقاً جائز ہے خواہ میت جنازہ پڑھ کر دفن کی گئی ہو یا جنازہ پڑھے بغیر دفن کی گئی ہو۔

دلیل: (۱) قال الشعبی اخبرنی من مرمع النبی ﷺ علی قبر منبوذ فامهم وصلوا خلفه.

پھر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک مہینہ تک قبر پر جنازہ پڑھ سکتے ہیں اس کے بعد نہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔

(۳) اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صلاۃ علی القبر صرف ولی میت کے لئے جائز ہے جبکہ وہ دفن سے پہلے نماز میں شامل نہ ہوسکا ہو یا پھر اس صورت میں جائز ہے جب کہ کسی شخص کو نماز کے بغیر دفن کر دیا گیا اس کے سوا اور کسی صورت میں جائز نہیں اور وہ جواز صرف اتنی مدت تک ہے جب تک کہ میت کے اعضاء منتشر نہ ہوئے ہوں۔

دلیل: (۱) عن انس رضی اللہ عنه ان النبی ﷺ نهٰی ان یصلی علی الجنائز بین القبور.

(۲) تعاملِ اُمت ہے کہ سلف وخلف میں سے کسی نے بھی آنحضرت ﷺ کے روضہ اقدس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی، حالانکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد مبارکہ بعینہٖ محفوظ رہتے ہیں، اور زمین انہیں ادنیٰ نقصان بھی نہیں پہنچاتی۔

اِس حدیث کی تاویل: (۱) یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے، کیونکہ نبی ﷺ تمام مؤمنین کے ولی ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ.

(۲) خصوصیت کی دوسری دلیل: قوله علیه الصلوٰة والسلام: إن هٰذا القبور مملوءة ظلمة علیٰ اهلها وان الله ینورها لهم بصلاتی علیهم. (مسلم)

(ب):

من مر مع النبی ﷺ هو عبدالله بن عباس رضی الله عنهما.

سوال: ۱۰۴، صفحہ: ۱۷۹

بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الشَّھِیْدِ امام بخاری نے اس باب کے تحت حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جس میں وَاَمَرَھُمْ بِدَفْنِہِمْ فِیْ دِمَائِہِمْ وَلَمْ یَغْسِلُوْا وَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْہِمْ اور حدیث عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو جس میں خَرَجَ یَوْمًا فَصَلّٰی عَلٰی اَھْلِ اُحُدٍ صَلٰوتَہٗ عَلَی الْمَیِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَی الْمِنْبَرِ کا کلمہ موجود ہے۔

(۱۴۲۲ھ)

(الف) ترجمہ لکھیں۔

(ب) آپ پہلے ان دونوں حدیثوں کے مضمون بیان کریں، ائمہ اربعہ کا مذہب اور ان کے دلائل بیان کریں۔

(ج) امام بخاری کی رائے اور ان کے ترجمہ سے جو مفہوم نکلتا ہے اس کو تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو ان کے خونوں کے ساتھ دفن کرنے کا حکم دیا اور وہ نہلائے نہیں گئے اور آپ ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ (وفات سے چند دن پہلے) ایک دن نکلے اور آپ ﷺ نے اُحد کے شہداء کی میت کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی طرح نماز پڑھی، پھر منبر کی طرف پھرے۔

(ب):

مضمون حدیث: پہلی روایت یعنی روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما میں ہے کہ

نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی اور دوسری روایت یعنی عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ نماز پڑھائی۔
صلوٰۃ علی الشہداء کے بارے میں اختلافِ ائمہ مع دلائل بخاری جلد ثانی سوال نمبر تیرہ ۱۳ میں آرہا ہے۔

سوال: ۱۰۵، صفحہ: ۱۸۰

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْيُنَصِّرَانِهٖ اَوْيُمَجِّسَانِهٖ كَمَاتَنْتِجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ.

(۱۴۳۷ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور مطلب لکھیں۔

(ب) حدیث پر باب ہے بَابُ اِذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه وهل یعرض علی الصبی الاسلام حدیث کی باب سے مناسبت بیان کریں۔

(ج) اس حدیث کی روشنی میں ذراری مشرکین کا کیا حکم ہونا چاہئے تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر بچہ فطرت پر جنا جاتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی (یا ہندو وغیرہ) بنا دیتے ہیں جس طرح چوپایا سالم اعضاء جنا جاتا ہے کیا تم نے کوئی چوپایہ کان کٹا دیکھا ہے۔

مطلب: ہر بچہ اسلام کی استعداد لے کر پیدا ہوتا ہے کیونکہ انسان اس دنیا میں نیا پیدا نہیں ہوتا اس دنیا میں صرف اس کا جسم بنتا ہے، کیونکہ یہ عالمِ اجساد ہے اور اس کی روح اس سے بہت پہلے پیدا کی جا چکی ہے پھر تمام روحیں عالمِ ارواح میں ہیں وہاں سے شکم

مادر میں بننے والے جسد خاکی میں منتقل کی جاتی ہیں اور وہاں اللہ تعالیٰ نے سب ارواح سے اپنی رَبوبیت کا اقرار لیا ہے اور ہر ایک نے اقرار کیا ہے۔

الغرض! معرفتِ خداوندی اور رَبوبیت ربانی کا علم ہر انسان کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے اور اس دنیا میں آنے کے بعد انسان گو اس عہد کی تفصیلات بھول گیا ہے مگر اصل استعداد باقی ہے پس اگر کوئی عوارض پیش نہ آئے تو بچہ اس فطرت پر بڑا ہوتا ہے مگر کبھی عوارض پیش آتے ہیں بچہ جن ہاتھوں میں اور جس ماحول میں پلتا بڑھتا ہے وہ ماحول اس کو بگاڑ دیتا ہے اس وقت وہ فطری علم جہالت سے بدل جاتا ہے جیسے ہر جانور سالم پیدا ہوتا ہے پھر لوگ پہچان کے لئے بکریوں کے کان کاٹتے ہیں مگر کوئی بکری کان کٹی پیدا نہیں ہوتی اسی طرح ہر انسانی بچہ فطرتِ اسلامی پر جنا جاتا ہے پھر بعد میں اس کو گمراہ کر دیا جاتا ہے۔

(ب):

حدیث کی باب سے مناسبت: جب ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے یعنی حکماً مسلمان ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو اس حکمی اسلام کا اعتبار کر کے نمازِ جنازہ پڑھیں گے اسی مناسبت سے یہ حدیث یہاں لائے ہیں۔

(ج) اس حدیث کی روشنی میں ذراری مشرکین کا حکم:

بچہ کی نمازِ جنازہ اس لئے پڑھی جائے گی کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یعنی حکماً مسلمان ہوتا ہے پھر ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک مسلمان ہو تو بچہ کا اسلام یقینی ہو گیا وہ بڑا ہو کر ضرور مسلمان ہو گا، اس لئے اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے اور اگر ماں باپ دونوں غیر مسلم ہیں یعنی ذراری مشرکین تو چونکہ یہ معلوم نہیں کہ بچہ بڑا ہو کر کیا ہو گا اس لئے اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھیں گے۔

(فلیراجع للتفصیل: تحفۃ القاری ۱۱۹/۴)

سوال:۱۰۶، صفحہ:۱۸۸

لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا. قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ قَدْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ.

(۱۴۳۵ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) بتائیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حدیث پیش کی تھی اس کی اصل غرض ومقصد کیا ہے زکوۃ میں عناق نہیں لیا جاتا ہے تو اس کا ذکر کیوں آیا یہ مرتدین کون تھے ان سے قتال ہوا ہے یا نہیں؟

(ج) خلفاء راشدین کی سنتیں کیوں حجت ہیں اور مذکورہ واقعہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کونسی سنت سامنے آتی ہے تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے انکار

کیا جس نے انکار کیا عربوں میں سے پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے کیسے جنگ کریں گے جبکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان محفوظ کر لی مگر اسلام کے حق کی وجہ سے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا بخدا میں ضرور لڑوں گا اس شخص سے جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرتا ہے کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے بخدا اگر وہ مجھے بھیڑ کا چار ماہ کا بچہ بھی نہیں دیں گے جسے وہ نبی علیہ السلام کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے اس کے نہ دینے پر لڑوں گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا بخدا نہیں تھی وہ بات مگر یہ کہ دیکھی میں نے کہ اللہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ جنگ کے لئے کھول دیا ہے پس میں نے جان لیا کہ وہی بات برحق ہے۔

(ب):

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حدیث پیش کی تھی یعنی امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قالھا فقد عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ۔ کی اصل غرض ومقصد پورا دین قبول کرنا ہے نہ کہ صرف لا الہ الا اللہ کہنا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں اس کی صراحت ہے یؤمنوا بی وبما جئت بہ اس سے معلوم ہوا پورا دین قبول کرنا مراد ہے محض کلمہ پڑھ لینا مراد نہیں۔

زکوٰۃ میں عناق نہیں لیا جاتا پھر بھی اس کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے (۱) بطور مبالغہ عناق کا ذکر کیا یعنی بالکل رسول اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں جیسا ہوتا تھا اس میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا ہے بلکہ بالکل ویسا ہی رہے گا۔ (۲) یا بطور فرض فرمایا ہے یعنی فرض کرو اگر وہ مجھے بھیڑ کا چار ماہ کا بچہ بھی نہیں دیں گے جسے نبی علیہ السلام کو دیا کرتے

تھے تب بھی میں ان سے لڑوں گا اس کے نہ دینے پر یعنی رسول ﷺ کے زمانہ سے ذرا برابر بھی تبدل وتغیر ہونے نہیں دیں گے۔

یہ مرتدین مانعینِ زکوٰۃ یعنی دوفریق کے لوگ تھے: (۱) ایک جماعت ایسی تھی کہ ان کا اسلام کے دیگر احکامات پر ایمان وعمل تھا مگر فرضیتِ زکوٰۃ کا منکر ہوگئے اور تاویل کرتے ہوئے کہنے لگے کہ زکوٰۃ آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے اس آیت کی بنا پر خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ. غیر نبی سے یہ طہارت وسکون حاصل نہیں ہوسکتا۔

(۲) ایک جماعت زکوٰۃ کی فرضیت کی منکر نہیں تھی، مگر خلیفہ وامام ابوبکر رضی اللہ عنہ اوران کے عاملین کو زکوٰۃ دینے کے لئے تیار نہیں تھے وہ لوگ بھی مثل دیگر جماعتوں کے امام وخلیفہ سے مقابلہ وقتال کے لئے تیار تھے۔

مانعینِ زکوٰۃ سے قتال کی نوبت نہیں آئی جیش اُسامہ رضی اللہ عنہ جو مظفر اور منصور لوٹا وار مُسیلمہ مارا گیا تو ان لوگوں پر دھاک بیٹھ گئی اور ڈر گئے اور وہ مدینہ کو زکوٰۃ بھیجنے کے لئے تیار ہوگئے۔

(ج):

خلفاءِ راشدین کی سنتیں حجت ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے: عن یحییٰ قال سمعت العرباض بن سارية يقول قام فينا رسول الله ﷺ ذات يوم فوعظنا موعظة بليغة وجلت منها القلوب وذرفت منها العيون فقيل يا رسول الله وعظت موعظة مودع فاعهد الينا بعهد فقال عليكم بتقوى الله والسمع والطاعة وان عبدا حبشيا وسترون من بعدی اختلافا شديداً فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ واياكم والامور المحدثات فان كل بدعة ضلالة.

مذکورہ واقعہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ سنت سامنے آتی ہے کہ جو شخص

زکوٰۃ اور صلوٰۃ کی فرضیت میں فرق کرے گا اس سے جہاد کیا جائے گا یعنی جو چیزیں شعائرِ اسلام میں سے ہیں اگر مسلمان کی کوئی جماعت بالاتفاق ان شعائر کو ترک کردے تو ان کے ساتھ جنگ کی جائے گی اور ان کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ شعائرِ اسلام کو قائم کریں۔

(فلیراجع للتفصیل: تحفۃ القاری ۶۱/۱)

سوال: ۱۰۷، صفحہ: ۱۸۸

بَابُ مَا أُدِّيَ زَكَاتُهُ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ.

عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ مَرَرْتُ بِالرَّبَذَةِ فَإِذَا أَنَا بِأَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقُلْتُ لَهُ مَا أَنْزَلَكَ مَنْزِلَكَ هَذَا قَالَ كُنْتُ بِالشَّامِ. فَاخْتَلَفْتُ أَنَا وَمُعَاوِيَةُ فِي الَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ. قَالَ مُعَاوِيَةُ نَزَلَتْ فِي أَهْلِ الْكِتَابِ. فَقُلْتُ نَزَلَتْ فِينَا وَفِيهِمْ. فَكَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فِي ذَاكَ. وَكَتَبَ إِلَى عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَشْكُونِي، فَكَتَبَ إِلَيَّ عُثْمَانُ أَنِ اقْدَمِ الْمَدِينَةَ. فَقَدِمْتُهَا فَكَثُرَ عَلَيَّ النَّاسُ حَتَّى كَأَنَّهُمْ لَمْ يَرَوْنِي قَبْلَ ذٰلِكَ. فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِعُثْمَانَ فَقَالَ لِي إِنْ شِئْتَ تَنَحَّيْتَ فَكُنْتَ قَرِيبًا. فَذَاكَ الَّذِي أَنْزَلَنِي هَذَا الْمَنْزِلَ، وَلَوْ أَمَّرُوا عَلَيَّ حَبَشِيًّا لَسَمِعْتُ وَأَطَعْتُ.

(۱۴۰۸ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مقصد ترجمہ اور حدیث کا باب سے ربط بیان کریں۔

(ج) بتائیے کہ اس سلسلہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا مسلک کیا تھا، جمہور صحابہ کیا فرماتے ہیں؟

(د) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اپنے مسلک پر اصرار کیوں تھا؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت زید بن وہب کہتے ہیں میں ربذہ (مدینہ سے قریب گاؤں) سے گزرا تو اچانک میری حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی میں نے ان سے پوچھا آپ رضی اللہ عنہ اس جگہ کیوں رہتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں شام میں تھا پس میرے اور معاویہ کے درمیان آیتِ پاک وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ الخ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی راستہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں۔ میں اختلاف ہوگیا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ آیت اہلِ کتاب کے بارے میں ہے اور میں نے کہا ہمارے اور ان کے بارے میں ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بذریعہ تحریر میری شکایت کی پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے لکھا کہ مدینہ آجاؤ میں مدینہ آگیا پس میرے پاس لوگوں کی بھیڑ جمع ہوگئی گویا انہوں نے مجھے آج سے پہلے نہیں دیکھا پس میں نے یہ حضرت عثمان سے ذکر کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مجھ سے فرمایا اگر آپ چاہیں تو مدینہ کے کنارے میں چلے جائیں تا کہ مدینہ سے قریب رہیں اسی وجہ سے میں اس جگہ رہتا ہوں۔

(ب):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ جس کنز پر وعید آئی ہے وہ کنز یہ ہے کہ جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے اور جس کی زکوٰۃ ادا کی جائے یا نصابِ زکوٰۃ سے کم ہو وہ کنز نہیں ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مرفوع سے استدلال کیا ہے اس میں ہے لیس فیما دون خمسة اواق صدقة معلوم ہوا کہ پانچ اوقیہ سے کم میں مطالبہ شرعیہ نہیں ہے لہٰذا وہ کنز نہیں کہلائے گا اور اس کا رکھنا جائز ہے۔

حدیث اور ترجمۃ الباب کے اندر مناسبت یہ ہے کہ حدیث کے اندر حضرت ابوذر اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان قرآنِ کریم کی آیت وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ الخ کی تفسیر میں اختلاف ہوگیا ہے اور حدیث کا صحیح مفہوم اور تفسیر یہ ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کردی گئی ہو وہ کنز نہیں ہے اور آیتِ کریمہ میں ان لوگوں کے لئے وعید آئی ہے جنہوں نے اپنے مالوں کو کنز کیا ہے اور ترجمہ بھی یہی ہے ما ادی زکوٰته فلیس بکنز لہٰذا اس تقریر سے حدیث اور ترجمہ کے درمیان مناسبت واضح ہوگئی۔

(ج):

اس سلسلہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ تھا کہ دراہم دنانیر اور کوئی چیز بطور ذخیرہ رکھنا جائز نہیں ہے اور فرماتے تھے: درهم من النار اسی بنا پر اگر وہ سودا خریدتے تھے تو جو کچھ بچ جاتا وہ فقراء پر تقسیم کردیتے اور جمہور صحابہ فرماتے تھے کہ ذخیرہ اندوزی جائز ہے ورنہ شریعت نے زکوٰۃ کا حکم کیوں دیا ہے اور چونکہ ظاہراً آیتِ کریم کا مخالف معلوم ہورہا ہے اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ تنبیہ فرمارہے ہیں کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کردی جائے وہ کنز نہیں اور نہ ہی اس پر وعید ہے اس لئے حضور ﷺ فرماتے ہیں: لیس فیما دون خمسة اواق صدقة معلوم ہوا پانچ اواق پر صدقہ نہیں ہے پس وہ کنز بھی نہیں ہے اس لئے کہ کنز وہ ہوتا ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو مگر زکوٰۃ ادا نہ کریں۔

(د):

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اپنے مسلک پر اصرار اس لئے تھا کہ آیت میں مطلقاً کہا گیا ہے جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیجئے اس آیت کے اندر کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ عام ہے پس اس عموم کے پیش نظر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اپنے مسلک پر اصرار تھا۔

(تحفۃ القاری ۴/ ۱۷۴)

سوال: ۱۰۸، صفحہ: ۱۹۳

بَابُ مَنْ تَصَدَّقَ فِي الشِّرْكِ ثُمَّ اَسْلَمَ عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اَرَأَيْتَ أَشْيَاءَ كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صَدَقَةٍ أَوْ عَتَاقَةٍ وَصِلَةِ رَحِمٍ فَهَلْ فِيهَا مِنْ أَجْرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْلَمْتَ عَلَى مَا سَلَفَ مِنْ خَيْرٍ.

(۱۴۰۹ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) بتلایئے کہ زمانہ کفر میں کئے گئے اعمالِ صالحہ معتبر ہیں یا نہیں؟ روایتِ بالا اور إنما الأعمال بالنيّيات میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ عبادات کے بارے میں کافر کی نیّت معتبر نہیں ہے، آپ اس تعارض کو رفع کریں۔

(ج) علی ما سلف من خیر میں تمام اعمالِ صالحہ مراد ہیں یا خاص اعمال۔

(د) علی کے معنیٰ متعین کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: جس نے مسلمان ہونے سے پہلے خیرات کی پھر مسلمان ہوا۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ بتلائیں ان کاموں کے بارے میں جن کو میں عبادت کے طور پر زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتا تھا یعنی صدقہ، غلام آزاد کرنا اور صلہ رحمی کرنا کیا ان کا کچھ اجر ملے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا آپ اسلام لائے ہیں ان نیک کاموں کی وجہ سے جو آپ نے پہلے کئے ہیں۔

(ب):

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ کفر میں کئے گئے اعمالِ صالحہ معتبر ہیں اور إنّما الأعمال بالنیات کا تقاضا یہ ہے کہ کافر کے بحالتِ کفر کئے گئے اعمال معتبر نہ ہوں دونوں کے درمیان دفع تعارض یہ ہے کہ جن روایات سے کافر کے اعمال کا مقبول ہونا سمجھ میں آتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے عذاب میں تخفیف ہوجائے گی دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن روایات میں کافر کے متعلق اس کے مسلمان ہونے کے بعد اس کی نیکی کا ثواب لکھے جانے کا ذکر ہے اس سے زمانۂ کفر کے اعمال کا مقبول ہونا مراد نہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد اللہ کی طرف سے اس پر انعام واحسان خاص ہوگا۔

سب سے بہتر توجیہ یہ ہے جو حضرت الاستاد نے بتایا کہ جن روایات میں اعمالِ صالحہ معتبر ہونے کے لئے ایمان کی شرط کا بیان ہے ان سے مراد آخرت میں نیک اعمال کے جزاء کے لئے ایمان کا شرط ہونا ہے نہ کہ دنیا میں اور جن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کے نیک اعمال معتبر ہیں اور اس کے لئے ایمان شرط نہیں۔

دنیا میں نیک اعمال کا بدلہ ملنے کے اعتبار سے ہے یعنی نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں ملنے کے لئے ایمان شرط نہیں اور آخرت میں ملنے کے لئے ایمان شرط ہے فلا تعارض۔ (کما فی الحاشیۃ)

(ج):

علی ما سلف من خیر سے عبادات کے علاوہ تمام اعمال خیر مراد ہیں۔

(د):

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک علیٰ بمعنیٰ مع کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ تم ان ساری خیرات کے ساتھ مسلمان ہوئے ہو جو بحالتِ کفر کر چکے ہو اللہ تعالیٰ ان پر ثواب دے گا۔ اور جمہور کے نزدیک علیٰ بمعنیٰ باء کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ تم ان ہی خیرات کی وجہ سے مسلمان ہوئے ہو۔

سوال:۱۰۹،صفحہ:۱۹۵

بَابُ مَاكَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ. وَقَالَ طَاؤُسٌ وعَطَاءٌ إِذَا عَلِمَ الْخَلِيْطَانِ أَمْوَالَهُمَا فَلاَ يُجْمَعُ مَالُهُمَا. وَلاَ يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ.

(۱۴۰۶ھ)

(الف) تحریر فرمائیے کہ یہ جمع وتفریق ملکیت کے اعتبار سے ہے یا مکان کے اعتبار سے اس سلسلہ میں احناف اور شوافع کا مسلک لکھئے۔

(ب) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا رُجحان ظاہر کیا ہے۔

(ج) اس کو طاؤس اور عطاء کے قول کی روشنی میں واضح کیجئے۔

(د) خشیۃ الصدقۃ کا تعلق عامل سے ہے یا مالک سے یا دونوں سے مثال کے ذریعہ اس کی وضاحت فرمائیے۔

الجواب:

(الف):

امام شافعی، امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک جمع وتفریق مکان کے اعتبار سے یعنی زکوٰۃ ریوڑ کے اعتبار سے واجب ہوگی نہ کہ ملکیت کے اعتبار سے یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں خلطوں یعنی خلطۃ الشیوع اور خلطہ الجوار سے دو یا چند مالکوں کے مواشی کمال رجل واحد یعنی ایک شخص کے مال کی طرح ہوجاتے ہیں اور دونوں خلطیں وجوبِ زکوٰۃ اور تقلیل وتکثیر زکوٰۃ پر اثر انداز ہوتا ہے مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وجوبِ زکوٰۃ کے لئے شرط یہ ہے کہ ہر مالک کی ملکیت بقدر نصاب ہو۔

اور حنفیہ کے نزدیک خلطۃ کا بالکل اعتبار نہیں ہے وجوبِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں نہ

خلطۃ الشیوع کا اور نہ خلطۃ الجوار کا بلکہ زکوٰۃ مالکوں کے الگ الگ حصوں کے اعتبار سے واجب ہوگی۔

(ب):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رُجحان امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی طرف ہے یعنی تقلیل وتکثیر نے زکوٰۃ میں خلطۃ الشیوع اور خلطۃ الجوار دونوں میں اثر انداز ہوتا ہے البتہ وجوبِ زکوٰۃ کے لئے ہر مالک کی ملکیت بقدرِ نصاب ہونا شرط ہے۔

(ج):

حضرت طاؤس اور عطاء رحمہا اللہ فرماتے ہیں جب دونوں شریک اپنے مویشی پہچانتے ہوں یعنی املاک متمائزہ ہوں تو ان کے مویشی کو جمع نہیں کیا جائے گا ان کا یہ قول مجمل ہے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ خلطہ کی وجہ سے جو دو یا چند مالکوں کے مویشی کمالِ رجل واحد ہوتے ہیں وہ خلطۃ الشیوع میں ہوتے ہیں خلطۃ الجوار میں نہیں ہوتے تو یہ قول من وجہٍ ائمہ ثلاثہ کے موافق ہوگا اور اگر یہ مطلب ہے کہ باہم لین دین خلطۃ الشیوع میں ہوگا خلطۃ الجوار میں نہیں ہوگا کیونکہ جب املاک متمائزہ ہیں تو عامل ہر ایک کے مویشی میں سے زکوٰۃ لے گا پس اس صورت میں یہ قول حنفیہ کے موافق ہوگا۔

(د):

خشیۃ الصدقۃ کا تعلق حنفیہ کے نزدیک مالکانِ مویشی اور ساعی دونوں سے ہیں اگر مالکان مویشی سے اس خطاب کا تعلق ہو تو تقدیر عبارت ہوگی: خشیۃ وجوب الصدقۃ اوخشیۃ کثرۃ الصدقۃ یعنی مالکان سے کہا گیا کہ جو مویشی جدا ہیں ان کو زیادہ زکوٰۃ واجب ہونے کے اندیشہ سے جمع نہ کیا جائے، مثلاً دو شخصوں کی چالیس چالیس بکریاں ہیں ان میں دو بکریاں واجب ہیں لیکن اگر وہ جمع کر کے ایک کی بکریاں بتائیں تو ایک بکری واجب ہوگی ایسی حیلہ بازی نہ کی جائے اسی طرح جو مویشی جمع ہیں ان کو وجوبِ زکوٰۃ کے اندیشہ سے جدا نہ

کیا جائے مثلاً ایک شخص کی چالیس بکریاں ہیں اور دوسرے کی بیس اوّل پر ایک بکری واجب ہے اور دوسرے پر کچھ نہیں اب اگر پہلا شخص اپنی چند بکریاں دوسرے کے ریوڑ میں ملادے تو دونوں پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی حدیث میں ایسا فریب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

اور اگر ساعی سے تعلق ہو تو تقدیر عبارت ہوگی: خشیة قلة الصدقة اور خشیة ان لا تجب الصدقة یعنی ساعی سے کہا گیا کہ وہ زکوٰۃ وصول کرنے کی غرض سے جمع و تفریق نہ کرے مثلاً دو بھائیوں کے پاس انصافاً دوسو بکریاں ہیں اور متفرق ہیں پس ہر ایک پر ایک بکری واجب ہے ساعی ان کو جمع کرائے اور دوسو میں سے تین بکریاں لے ایسا نہ کریں بلکہ ملکیت کا اعتبار سے زکوٰۃ لے یا دو بھائیوں کی ملی ہوئی اسّی بکریاں ہیں ساعی دو بکریاں لینے کے لئے ان کو جدا کرائے اس سے منع کیا گیا۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خشیة الصدقة کا تعلق صرف ساعی کے ساتھ ہے۔

(تحفۃ القاری ۴/ ۲۲۳)

سوال: ۱۱۰، صفحہ: ۱۹۷

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ ذَالِكَ يَارَسُوْلَ اللهِ! قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعَنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ مَارَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ.

(۱۴۳۲ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عورتوں کے زیورات میں زکوٰۃ کا حکم مع اختلافِ ائمہ تحریر کریں۔

(ج) اور بتائیں کہ ابھی تو کوئی جہنم میں گیا نہیں حضور ﷺ کو جہنم میں کیسے دکھائے گئے اور کب؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو، اس لئے کہ مجھے جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ دکھلائی گئی ہے، عورتوں نے پوچھا کس وجہ سے اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو میں نے عقل اور دین کی اَدھوری کوئی مخلوق ایسی نہیں دیکھی جو سمجھدار اور انجام بیں مرد کی عقل کو اُچک لے تم سے زیادہ اے عورتوں کی جماعت۔

(ب):

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت کے استعمالی زیور پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

دلیل: (۱) عن جابر رضی الله عنه أنه قال: لیس فی الحلی زکٰوۃ.

(۲) قال أحمد رحمة الله علیه خمسة من أصحاب رسول الله ﷺ یقولون: لیس فی الحلی زکٰوۃ. ویقولون زکاته عاریة. (المغنی ۲۲۱/۴)

اور حنفیہ کے نزدیک زیور خواہ استعمالی ہی کیوں نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے اگر مقدارِ نصاب کو پہنچ جائے۔

دلائل: (۱) عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده أن امرأتین أتتا رسول الله ﷺ وفی أیدیهما سواران من ذهب فقال لهما: أتؤدیان زکاته فقالتا: لا. فقال لهما رسول الله ﷺ: أتحبان أن یسورکما الله بسوارین من نار؟ قالتا: لا. قال: فادّیا زکاته.

(۲) عن أم سلمة رضی الله عنه قالت: کنت البس اوضاحا من ذهب فقلت یا رسول الله اکنز هو فقال ما بلغ ان تؤدی زکاته فزکی فلیس بکنز.

(۳) عن عائشة رضی الله عنه قالت دخل علی رسول الله ﷺ فرأی فی

یدی فتحات من ورق فقل ماهٰذا یا عائشة فقلت صنعتهن أتزین لك یا رسول الله قال اتؤدین زکاتهن قلت لا۔اوشاء الله قال هو حسبك من النار.

(ج):

حضور ﷺ کو شبِ معراج میں جنت وجہنم دکھائی گئی ہے۔ اور یہ عالمِ مثال کی جنت جہنم ہیں، مثال کے معنیٰ ہیں فوٹو کاپی عالمِ مثال اس دنیا کی بھی فوٹو کاپی ہے اور عالمِ آخرت کی بھی اس میں ہماری گزشتہ دنیا اور آنے والی آخرت کی مثالیں موجود ہیں آنحضور ﷺ نے عالمِ مثال کی جنت وجہنم کی سیر کی ہے اور جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ دیکھی ہے۔

سوال: ۱۱۱، صفحہ: ۱۹۹

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَاَنْ یَّأْخُذَ اَحَدُ کُمْ حَبْلَهٗ فَیَحْتَطِبَ عَلٰی ظَهْرِهٖ خَیْرٌ لَهٗ مِنْ أَنْ یَأْتِیَ رَجُلاً فَیَسْأَلَهٗ أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهٗ.

(۱۴۱۱، ۱۴۲۱ھ)

(الف) حدیث کا واضح ترجمہ کیجئے۔

(ب) نیز یہ بتائیں کہ آپ ﷺ کو قسم کھانے کی کیا ضرورت پیش آئی جبکہ خطاب مؤمنین مصدقین سے ہے۔

(ج) کیا ہر قسم کا سوال ہر ایک کے لیے منع ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے اگر تفصیل ہے تو اس کو واضح طور پر تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس

ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے ایک شخص رسّی لے اور اپنی پیٹھ پر سوختہ لاد کر لائے یہ اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ کسی آدمی کے پاس جائے اور اس سے مانگے وہ اس کو دے یا نہ دے۔

(ب):

آپ ﷺ نے مخاطبین مسلمان ہونے کے باوجود قسم دو وجہ سے کھائی ہے:

(۱) ایک تاکید کے لئے کمایفهم من هذه العبارة والذی نفسی بیده القسم التاکید فقط لا لمنکر المخاطب.

(۲) دوسری وجہ سوال پر عار دلانے کے لئے کمایفهم من کلام الشیخ صاحب فتح الملهم فیه الحض علی التعفف من المسألة والتنزه عنها.

(ج):

اس میں تفصیل ہے: (۱) جو شخص نصاب نامی کا مالک ہو اس پر سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہے اور ایسے شخص کے لئے زکوٰۃ لینا اور زکوٰۃ کا سوال کرنا جائز نہیں نیز اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی۔

(۲) جو شخص نصاب کا مالک ہو لیکن نصاب نامی نہیں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں البتہ قربانی اور صدقہ فطر اس پر واجب ہے اور اس کے لئے زکوٰۃ لینا اور زکوٰۃ کا سوال کرنا جائز نہیں اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی۔

(۳) اور جس شخص کے پاس کوئی نصاب نہیں نہ نامی نہ غیر نامی مگر اس کے پاس گزارہ کے بقدر ہے اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور اس کے لئے لینا بھی جائز ہے مگر اس کے لئے زکوٰۃ کا سوال کرنا حرام ہے۔

(۴) اور جس شخص کے پاس ایک دن اور ایک رات کی غذا کا بھی انتظام نہ ہو، البتہ وہ کمانے پر قادر ہے تو اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

(۵) اور جس شخص کے پاس ایک دن اور ایک رات کی غذا کا بھی انتظام نہ ہو اور وہ کمانے پر بھی قادر نہیں تو اس کے لئے سول کرنا بلا کراہت جائز ہے یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک جس شخص کے پاس پچاس درہم سے کم ہوں اس کے لئے سوال جائز ہے۔

دلیل: قال رسول اللہ ﷺ من سأل الناس وله مایغنیه جاء یوم القیامة ومسئلته فی وجهه خموش او خدوش قیل یا رسول الله مایغنیه قال خمسون درهما او قیمتها من الذهب.

وجہِ استدلال: اس میں آپ ﷺ نے مایغنیه کی تفسیر خمسون درهمًا سے کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس سے کم کے ساتھ سوال جائز ہے۔

حنفیہ کے دلائل:

(۱) ابوداؤد کی روایت میں ہے آپ ﷺ سے سوال کیا گیا: ما الغنی الذی لاینبغی معه المسألة قال قدر مایغدیه ویعشیه وفی روایة نفیلی ان یکون له شبع یوم ولیلة.

(۲) عن ابن عمر رضی الله عنهما لاتحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی.

ذی مرة کے معنیٰ صاحبِ قوت۔ سوی کے معنیٰ سلیم الاعضاء کے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ تندرست اور توانا شخص کے لئے کسی حال میں بھی سوال کرنا جائز نہیں ہے لیکن سوال صرف اس شخص کے لئے جائز ہے جس کے پاس قوت یوم ولیلة بھی موجود نہ ہو۔

(تحفۃ القاری ۲۵۱/۴)

سوال: ۱۱۲، صفحہ: ۲۰۱

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ فِيْمَا اَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ صَدَقَةٌ، وَلَا فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةٍ مِنَ

الإِبِلِ الذَّوْدِ صَدَقَةٌ. وَلاَ فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ. وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ اَوْكَانَ عِثْرِيًّا الْعُشْرُ وَمَاسُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ هٰذَا تَفْسِيرُ الأَوَّلِ لِأَنَّهُ لَمْ يُوَقِّتْ فِي الْاَوَّلِ يَعْنِيْ حَدِيْثُ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ الْعُشْرُ وَ بَيَّنَ وَبَيْنَ فِيْ هٰذَا وَوَقَّتَ وَالزِّيَادَةُ مَقْبُوْلَةٌ وَالْمُفَسِّرُ يَقْضِيْ عَلَى الْمُبْهَمِ إِذَا رَوَاهُ أَهْلُ الثَّبَتِ.

(۱۴۲۸ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے اس کی تفصیل کریں، نیز ائمہ کے مذاہب بیان کریں۔

(ج) امام ابوعبداللہ صاحب اس ضمن میں کیا قاعدہ بیان فرمارہے ہیں اس کی وضاحت کریں، نیز ابوعبداللہ صاحب کی تعیین کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں، پانچ اونٹ سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس پیداوار میں جس کو بارش اور چشموں کے پانی نے سینچا ہے یا وہ زمین عشری ہے دسواں حصہ ہے اور اس پیداوار میں جو پانی بردار اونٹنی کے ذریعہ سینچی گئی ہے بیسواں حصہ ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر ہے اس لئے کہ پہلی حدیث میں یعنی ابن عمر کی حدیث میں کہ جس کھیتی کی بارش کے پانی سے سنچائی ہوئی ہو عشر ہے نصاب کی کوئی مقدار مذکور نہیں ہے اور اس حدیث میں (یعنی ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں) نصاب کی مقدار بیان کی گئی ہے اور اس کی تعیین کی ہے اور زیادتی قبول کی جاتی ہے اور مفصل حدیث فیصلہ کرتی ہے مجمل حدیث کا جبکہ اس کا راوی ثقہ ہو۔

(ب):

حدیث میں یہ مسئلہ ہے کہ پیداوار میں عشر یا نصف عشر کب واجب ہوگا اس میں اختلاف ہے اس میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک پیداوار میں عشر (دسواں حصہ) یا نصف عشر (بیسواں حصہ) اس وقت واجب ہوتا ہے جب پیداوار کم سے کم پانچ وسق ہو اس سے کم پیداوار میں عشر واجب نہیں اور یہ بھی شرط ہے کہ پیداوار ذخیرہ کرنے کے قابل ہو جو چیزیں جلدی خراب ہو جاتی ہیں جیسے بیگن، لوکی، ٹماٹر وغیرہ ان میں عشر واجب نہیں۔

الغرض جمہور کے نزدیک پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں: (۱) پیداوار سال بھر ذخیرہ کر کے رکھی جا سکتی ہو۔ (۲) پیداوار پانچ وسق یا اس سے زائد ہو۔

دلیل: (۱) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال لیس فیما اقل من خمسۃ اوسق صدقۃ.

(۲) اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین کی ہر پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہے خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ اور سال بھر باقی رہنے والی ہو یا جلدی خراب ہونے والی ہو۔

دلائل: (۱) قولہ تعالیٰ: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ.

اے ایمان والو! خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے جو ہم نے پیدا کی ہیں تمہارے لئے زمین میں۔

(۲) قوله تعالیٰ: كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖ إِذَا أَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ.

کھاؤ ان کے پھلوں میں سے جس وقت وہ پھل دیں اور ادا کرو اللہ کا حق جس دن اس کو کاٹو۔

(۳) قوله تعالیٰ: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً.

ان کے مال میں سے زکوٰۃ لیجئے۔

(۴) عن ابن عمر رضی الله عنهما عن النبی ﷺ قال فيما سقت السماء والعيون او كان عثريا العشر وما سقى بالنضح نصف العشر.

وجہِ استدلال: ان آیات واحادیث میں زرعی پیداوار میں جس حق کا ذکر ہے وہ مطلق ہے اس میں قلیل وکثیر کی تفریق نہیں کی گئی ہے یہی عمومات امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہیں۔ (تحفۃ القاری ۲۶۸/۴۔ تحفۃ الالمعی ۵۳۲/۲)

(ج):

امام ابوعبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں دو اہم قاعدے بیان فرمائے:

(۱) ثقہ کی زیادتی معتبر ہے۔

(۲) مفسر (مفصل) اور مبہم (مجمل) اگر جمع ہو جائے تو مفسر اور مفصل کو لیں گے۔

جیسے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے کعبہ شریف میں نماز نہیں پڑھی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نماز پڑھی ہے پس بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث لیں گے کیونکہ وہ واضح ہے اور حضرت فضل کی روایت نہیں لیں گے، کیونکہ وہ غیر مفسّر ہے اسی طرح یہاں بھی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث لیں گے، کیونکہ وہ مفسر اور واضح ہے اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہے اور ابن عمر کی حدیث مبہم اور غیر واضح ہیں اس لئے اس کو نہیں لیں گے۔

امام ابوعبداللہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مراد ہے۔ (تحفۃ القاری ۲۶۹/۴)

سوال: ۱۱۳، صفحہ: ۲۱۲

وَالتَّمَتُّعُ وَالْقِرَانُ وَالْاِفْرَادُ بِالْحَجِّ وَفَسْخُ الْحَجِّ لِمَنْ لَّمْ یَکُنْ مَعَہٗ ھَدْیٌ۔

(۱۴۱۰ھ)

(الف) آپ حج کی تینوں قسموں کی الگ الگ تعریف کریں۔

(ب) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج افراد تھا یا تمتع یا قران۔ احناف کے نزدیک ان تینوں میں سے افضل کونسا ہے ان کی دلیل کیا ہے؟

(ج) فسخ حج کا کیا مطلب ہے یہ حکم کن لوگوں کو دیا گیا تھا اور یہ حکم اب بھی باقی ہے یا نہیں؟

الجواب:

(الف):

(۱) **حج افراد کی تعریف:** حج افراد یہ ہے کہ آدمی میقات سے صرف ایک چیز یعنی حج کا احرام باندھے۔

(۲) **حج تمتع کی تعریف:** حج تمتع یہ ہے کہ آفاقی حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہنچے اور اپنا عمرہ پورا کر کے حلال ہونے کی حالت میں مکہ میں رہے پھر آٹھ ذی الحجہ کو مکہ ہی سے حج کا احرام باندھے۔

(۳) **حج قران کی تعریف:** حج قران یہ ہے کہ آفاقی میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھے۔

(ب):

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں قارن تھے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قران سب سے افضل ہے پھر تمتع پھر افراد۔

دلائل: (۱) **عن عمر رضی اللہ عنہما سمعت النبی ﷺ بوادی العقیق**

يقول اتانی الليلة آتٍ من ربی فقال صلّ فی هٰذا الواد المبارك ركعتين وقل عمرة فی حجة.

یعنی ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا اس مبارک وادی میں دو رکعت نماز ادا کیجئے اور حج کے ساتھ عمرہ بھی کیجئے۔ اس حدیث میں اللہ کی جانب سے نبی ﷺ کو حج قران کرنے کا حکم دیا گیا۔

(۲) ان النبی ﷺ حج ثلاث حجج حجتين قبل ان يهاجروا حجة بعد ماهاجروا معها عمرة.

وجہِ استدلال: اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حج قران ادا فرمایا نہ کہ تمتع کیونکہ حدیث میں لفظ ہے حجة معها عمرة۔

(۳) عن انس رضی الله عنه سمعت النبی ﷺ يقول لبيك بعمرة وحجة.

وجہِ استدلال: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ کے نہایت قریب تھے اور اس قربت ہی کی وجہ سے آپ ﷺ کا تلبیہ سنا جو قران کا تلبیہ تھا۔

(۴) عن جابر رضی الله عنه انطلقوا بحجة وعمرة وانطلق بحجة.

وجہِ استدلال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حج قران ادا کیا تھا۔

(ج):

فسخ حج کا مطلب: حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ اور صحابہ کرام نے ذوالحلیفہ سے صرف حج کا احرام باندھا تھا، اس لئے کہ جاہلیت سے یہ تصور چلا آرہا تھا کہ جس سال حج کرنا ہو اس سال اشہرِ حج میں عمرہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے، چنانچہ جب مکہ پہنچے تو یا نیا حکم آیا کہ لوگ حج کا احرام عمرہ سے بدل دیں اور افعالِ عمرہ کر کے احرام کھول دیں، چنانچہ نبی ﷺ نے حکم دیا جن لوگوں کے پاس ہدی نہیں تھی کہ وہ لوگ حج کا احرام عمرہ سے بدل دیں اور افعالِ عمرہ کر کے احرام

کھول دیں تا کہ اشہرِ حج میں عمرہ کی کراہیت سے متعلق جاہلیت کا تصور کی تردید ہو جائے۔

یہ حکم صحابہ کرام کے ساتھ خاص ہے اور اب باقی نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا حج فسخ کرنے کی یعنی حج کا احرام عمرہ سے بدلنے کی رُخصت ہمارے لئے خاص ہے، یا سب کے لئے یہ رخصت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے خاص ہے۔ (تحفۃ القاری ۴/۳۵۱)

سوال: ۱۱۴، صفحہ: ۲۲۱

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَطَافَ الَّذِيْنَ أَهَلُّوا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ حَلُّوا، ثُمَّ طَافُوا طَوَافًا وَاحِدًا بَعْدَ أَنْ رَجَعُوا مِنْ مِنًى، وَأَمَّا الَّذِينَ جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَإِنَّمَا طَافُوا طَوَافًا وَاحِدًا. قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَشْهَدُ كُمْ اَنِّيْ اَوْجَبْتُ مَعَ عُمْرَتِيْ حَجًّا قَالَ ثُمَّ قَدِمَ فَطَافَ لَهُمَا طَوَافًا وَاحِدًا.

(۱۴۳۴ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) حج کا طریقہ مع اس کی تینوں قسموں کے بالتفصیل بیان کریں۔

(ج) قارِن ایک طواف اور ایک سعی کرے گا یا دو طواف اور دو سعی، اختلافِ ائمہ مع دلائل لکھیں۔

(د) پھر حدیث باب کی احناف کیا توجیہ کرتے ہیں تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پس جن لوگوں نے عمرہ کا احرام

باندھا، طواف کیا پھر حلال ہو گئے، پھر دوسرا طواف منیٰ سے لوٹنے کے بعد کیا ہے اور جن لوگوں نے حج اور عمرہ کو جمع کیا انہوں نے صرف ایک طواف کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تم گواہ رہو میں نے عمرہ کے ساتھ حج کی بھی نیت کرلی۔ راوی کہتے ہیں پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما مکہ پہنچے تو دونوں کے لئے ایک طواف کیا۔

(ب):

حج کا طریقہ: حج کرنے کے دوطریقے ہیں: (۱) مکہ کے باشندوں کے لئے خواہ وہ مکہ کے اصلی باشندے ہوں یا حج تمتع کی نیت سے باہر سے آئے ہوں اور عمرہ کا احرام کھول کر مکہ میں مقیم ہو گئے ہوں۔ (۲) آفاقی کے لئے، مکہ سے حج کرنے کا طریقہ: حاجی مکہ ہی سے احرام باندھے خواہ گھر سے باندھے یا مسجد حرام سے اور احرام میں ان اُمور سے اجتناب کرے (۱) جماع اور اس کے اسباب سے (۲) سر منڈانے سے اور بدن کے کسی بھی حصہ کے بال کٹوانے سے (۳) ناخن ترشوانے سے (۴) سِلا ہوا کپڑا پہننے سے (۵) سر ڈھانکنے سے (۶) خوشبو لگانے سے (۷) شکار کرنے سے (۸) اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نکاح کرنے سے یہ آٹھ باتیں ممنوعاتِ احرام ہیں۔ پھر آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ جائے وہاں ظہر سے نو ذی الحجہ کی صبح تک پانچ نمازیں پڑھیں، پھر نویں ذی الحجہ کی صبح کو وہاں سے عرفہ کے لئے روانہ ہو اور منیٰ کا یہ قیام سنت ہے ضروری نہیں، پس اگر کوئی مکہ سے نو ذی الحجہ کو سیدھا عرفہ چلا جائے تو بھی درست ہے اور میدانِ عرفہ میں نو ذی الحجہ کی شام تک رُکا رہے۔ یہاں مسجد نمرہ میں ظہر وعصر ظہر کے وقت میں ایک ساتھ پڑھے اور نماز سے فارغ ہو کر عرفہ کے کاموں میں یعنی ذکر واذکار اور دعا میں مشغول ہو جائے پھر وہاں سے غروب آفتاب کے بعد لوٹے اور ابھی مغرب نہ پڑھے پھر مزدلفہ پہنچ کر عشاء کے وقت میں مغرب وعشاء ایک ساتھ پڑھے اور مزدلفہ میں رات گزارے، فجر کی نماز کے بعد وقوفِ مزدلفہ کرے، پھر وہاں سے طلوع آفتاب سے کچھ پہلے منیٰ کے لئے روانہ ہو جائے اور منیٰ میں پہنچ کر جمرہ عقبہ کی رمی کرے پھر قربانی اگر ساتھ ہو تو اس کو ذبح کرے پھر احرام کھول

دے، خواہ سر منڈائے یا بال ترشوائے اب بیوی کے علاوہ سب چیزیں حلال ہو گئیں پھر طواف زیارت کرے اس کے بعد بیوی بھی حلال ہو جاتی ہے اور طوافِ زیارت کا وقت دس ذی الحجہ کی صبح صادق سے بارہ ذی الحجہ کے غروب شمس ہونے تک ہے البتہ حائضہ جب بھی پاک ہو طوافِ زیارت کرے اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے پھر منیٰ میں قیام کرے اور روزانہ تینوں جمرات کو کنکریاں مارے، بارہ کے رمی کے بعد حج مکمل ہو گیا پھر اگر مکی ہو تو اس پر طوافِ وداع نہیں اور آفاقی ہو تو روانگی کے وقت طوافِ وداع کرے یہ طواف واجب ہے۔

آفاق سے حج کرنے کا طریقہ: میقات سے حج کا احرام باندھے پھر اگر سیدھا عرفہ چلا جائے تو اس پر طوافِ قدوم نہیں اور اگر وقوفِ عرفہ سے پہلے مکہ میں داخل ہو تو طوافِ قدوم کرے یہ طواف سنت ہے اور اس میں رَمل کرے اور اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے، پھر حالتِ احرام میں رہے، یہاں تک کہ وقوفِ عرفہ کرے اور ذی الحجہ کو رمی کرے اور سر منڈوا کر یا بال ترشوا کر احرام کھول دے اس کے بعد طوافِ زیارت کرے اور اس میں رمل اور اس کے بعد سعی نہ کرے لیکن اگر طواف قدوم کے بعد سعی نہ کی ہو تو طوافِ زیارت میں رَمل اور طواف کے بعد سعی بھی کرے۔

(۳) **حج تمتع کا طریقہ:** آفاقی حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہنچے اور اپنا عمرہ پورا کرے اور احرام کھول دے پھر حلال ہونے کی حالت میں مکہ میں رہے پھر آٹھ ذی الحجہ کو مکہ ہی سے حج کا احرام باندھے اور حج ادا کرے۔ متمتع پر قربانی واجب ہے۔

(۴) **حج قران کا طریقہ:** آفاقی میقات سے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے، پھر مکہ پہنچ کر پہلے طواف قدوم کرے یہ سنت ہے پھر عمرہ کا طواف کرے اور اس کے بعد عمرہ کی سعی کرے یہ افعالِ عمرہ ہے پھر احرام کی حالت میں رہے اور نفل طواف وغیرہ عبادتیں کرتا رہے پھر حج کرے اور وقوفِ عرفہ کے بعد طواف زیارت کرے اور اس کے بعد حج کی سعی کرے۔ (تحفۃ القاری ۳۴۸/۴)

سوال: ۱۱۵، صفحہ: ۲۳۴

(۱۴۲۴ھ)

(الف) افعالِ حج میں رمی، ذبح، حلق، اور طواف کے درمیان ترتیب کی بابت ائمہ اربعہ اور صاحبین کا مذہب نقل کریں۔

(ب) پھر حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی ﷺ قیل له فی الذبح والحلق والرمی والتقدیم والتأخیر فقال لاحرج بظاہر امام ابوحنیفہ کے مذہب کے خلاف ہے آپ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب اور اس کی توجیہ بیان کریں۔

الجواب:

(الف):

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متمتع اور قارِن پر رَمی ذبح اور حلق میں ترتیب واجب ہے، تقدیم و تاخیر کی صورت میں دَم واجب ہوگا اور طوافِ زیارت میں ترتیب واجب نہیں، البتہ مناسک ثلاثہ کے بعد طواف زیارت کرنا مسنون ہے۔

اور مفرد پر چونکہ قربانی واجب نہیں اس لئے اس پر صرف رمی اور حلق میں ترتیب واجب ہے۔

دلائل: (۱) قوله تعالیٰ: وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ.
اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈواؤ جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔

(۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال من قدم شيئا من حجه او اخره فليهرق لذالك دما.

جو مناسک میں تقدیم و تاخیر کر دے اس کو چاہئے کہ دم دے۔

(۳) حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈالیا تو دم واجب ہے۔

وجہِ استدلال: یہ آیت اور دونوں روایتوں سے بھی حلق پر قربانی کی تقدیم صاف مفہوم ہوتی ہے اور طواف کی ترتیب پر دلالت کرنے والا کوئی حرف نہیں اور رمی کی تقدیم سب مناسک پر فعل نبوی اور ارشاد خذوا عنی مناسککم سے ثابت ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک مذکورہ چاروں مناسک میں ترتیب سنت ہے پس تقدیم و تاخیر سے کوئی دم واجب نہیں ہوگا۔

دلیل: (۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال رجل للنبی ﷺ زرت قبل ان ارمی قال لاحرج قال حلقت قبل ان اذبح قال لاحرج قال ذبحت قبل ان ارمی قال لاحرج. (درسِ ترمذی۔ تحفۃ القاری ۴/۴۵۸)

(ب):

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ: (۱) یہ حدیث اور اسی طرح لاحرج والی روایات میں تشریع کے وقت کی ترخیص ہے یعنی جب کوئی نیا مسئلہ بتایا جاتا ہے تو فوری الجھن پیش آتی ہے اس میں سہولت دیتی ہے شریعت جیسا کہ قربانی کی مسئلہ میں حضرت براء کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ماموں کو ایک سال سے کم عمر کی بکری کی قربانی کی اجازت دی ہے اور فرمایا لا تجزی جذعۃ بعدك یہ سہولت صرف آپ کے لئے ہے اور کسی کے لئے نہیں۔ یہی تشریع کے وقت کی ترخیص ہے چونکہ یہ حج کا پہلا موقع تھا اور لوگوں کو اگرچہ مناسک کی ترتیب بتادی گئی تھی مگر عدمِ مزاولت کی وجہ سے خلاف ورزی ہوگئی تو آپ ﷺ نے درگزر فرمایا اور کفارہ کا حکم نہیں دیا۔

(۲) اس حدیث کی دوسری تاویل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے لاحرج سے گناہ کی نفی فرمائی ہے کہ اگر بھول سے کوئی فعل آگے پیچھے ہوجائے تو اس میں گناہ نہیں ہے دم واجب ہونے کی نفی نہیں فرمائی ہے اس لئے دم واجب ہوگا۔

سوال:۱۱۶،صفحہ:۲۴۶

بَابُ إِذَا أَهْدَى لِلْمُحْرِمِ حِمَارًا وَحْشِيًّا حَيًّا لَمْ يَقْبَلْ. عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جُثَامَةَ اللَّيْثِيِّ أَنَّهُ أَهْدَى لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا وَحْشِيًّا، وَهُوَ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ فَرَدَّهُ عَلَيْهِ. فَلَمَّا رَأَى مَا فِي وَجْهِهِ قَالَ إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ.

(۱۴۱۶ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) حدیث مذکورہ میں حیًّا کی قید نہیں ہے پھر اس حدیث سے ترجمۃ الباب کس طرح ثابت ہوگا۔

(ج) ترجمۃ الباب کے تحت پیش کی جانے والی حدیث کا مقصد صرف ترجمۃ الباب کو ثابت کرنا ہوتا ہے یا کچھ اور بھی مقاصد ہوتے ہیں، اگر دیگر مقاصد بھی ہوتے ہیں تو یہاں حدیث مذکور کو لانے کا مقصد بیان کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: اگر محرم کو زندہ گورخر ہدیہ میں پیش کیا جائے تو قبول نہ کرے۔ حضرت صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ مقامِ ابواء یا ودّان میں تھے کہ انہوں نے ایک گورخر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا آپ ﷺ نے اسے واپس کر دیا پھر جب آپ ﷺ نے ان کے چہرے پر ملال کا اثر دیکھا تو فرمایا ہم نے صرف اس وجہ سے واپس کیا ہے کہ ہم احرام کی حالت میں ہیں۔

(ب):

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس طور پر ہے کہ حدیث میں اگرچہ حیا کا لفظ صراحۃً نہیں ہے لیکن کنایۃً حدیث سے حیا کی قید کی طرف اشارہ ہے اس طور پر کہ نبی ﷺ نے ہدیہ قبول نہ کرنے کی علت بتائی ہے کہ آپ ﷺ محرم ہیں، اور محرم شکار نہیں مار سکتا وہ ہدیہ قبول کرے گا تو اس شکار کو آزاد کر دینا ضروری ہوگا، اس لئے محرم شکار کا ہدیہ قبول نہ کرے تا کہ وہ شکار حلال کے کام آئے اس سے معلوم ہوا کہ وہ شکار زندہ تھا، کیونکہ اگر مردہ ہوتا تو آپ ﷺ یہ علت یعنی ہدیہ قبول نہ کرنے کی علت حالتِ احرام میں ہونا بیان نہیں کرتے، کیونکہ محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانا جائز ہے پس لازماً یہ بات ثابت ہوئی کہ وہ جانور زندہ تھا پس ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے۔

(تحفۃ القاری ۴/ ۵۲۵)

(ج):

امام بخاری مختلف اغراض سے ترجمہ قائم کرتے ہیں اور ترجمۃ الباب کے تحت حدیث لاتے ہیں کبھی ترجمۃ الباب کے تحت آنے والی حدیث مختلف طرق اور مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہوتی ہے جو باہم متعارض ہوتی ہے تو امام بخاری ترجمہ میں کوئی لفظ لا کر تمام روایات میں تطبیق دیتے ہیں اور کبھی ترجمۃ الباب میں حدیث لے آتے ہیں اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ مافی الباب کی حدیث میں احتمال تھا کہ وہ کس بات سے متعلق ہے تو ترجمۃ الباب کی حدیث سے اس کی تعیین کر دیتے ہیں اور کبھی ترجمۃ الباب میں ایسا لفظ لے آتے ہیں جس سے مافی الباب کی حدیث کی تشریح مقصود ہوتی ہے اسی طرح یہاں بھی یہ ہوا کہ مافی الباب کی حدیث مبہم ہے کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے جو شکار آپ ﷺ کو دیا وہ زندہ تھا یا ذبح کیا ہوا تھا۔

نیز دوسری روایتوں میں ذبح کیا ہوا دینے کی بات آئی ہے یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ

علیہ نے ترجمۃ الباب میں حیا کی قید بڑھا کر حدیث کی تشریح کردی اور اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ جس روایت میں ذبح کیا ہوا گورخر پیش کرنے کی بات آئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

سوال: ۱۱۷، صفحہ: ۲۵۶

بَابُ شَهْرَا عِيدٍ لاَ يَنْقُصَانِ. عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَهْرَانِ لَايَنْقُصَانِ شَهْرَا عَيْدٍ رَمَضَانُ وَذُوالْحَجَّةِ. قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللهِ وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ اِنْ نَقَصَ رَمَضَانُ تَمَّ ذُوالْحَجَّةِ وَاِنْ نَقَصَ ذُوالْحَجَّةِ تَمَّ رَمَضَانُ. وَقَالَ اَبُوالْحَسَنِ كَانَ اِسْحَاقُ بْنُ رَاهْوَيْهِ يَقُوْلُ لَايَنْقُصَانِ فِي الْفَضِيْلَةِ.

(۱۴۱۷ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) ترجمۃ الباب کا مقصد متعین کریں۔
(ج) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ دونوں توجیہات کی تشریح اور ان دونوں کے درمیان فرق کی وضاحت کیجئے۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: عید کے دو مہینے گھٹتے نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا دو مہینے گھٹتے نہیں وہ عید کے دو مہینے رمضان اور ذوالحجہ ہیں۔ ابوعبداللہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر رمضان ناقص یعنی اُنتیس کا ہو تو ذوالحجہ پورا ہوگا یعنی پورے تیس کا ہوگا اور اگر ذوالحجہ ناقص ہو تو رمضان پورا ہوگا اور ابوالحسن نے کہا کہ اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ دونوں فضیلت میں ناقص نہیں ہوں گے۔

(ب):

ترجمة الباب کا مقصد: یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے ذریعہ ایک وہم کا ازالہ فرمایا کہ رمضان کا مہینہ کبھی انتیس کا ہوتا ہے، کبھی تیس کا اسی طرح ذوالحجہ بھی کبھی انتیس کا ہوتا ہے کبھی تیس کا اس سے کسی کو وہم ہوسکتا ہے کہ رمضان کا روزہ ایک مہینہ فرض ہے جب اُنتیس کا مہینہ ہوگا تو روزہ پورا نہیں ہوگا اور ثواب بھی پورا نہیں ملے گا، امام بخاری اس باب سے اس وہم کو دُور فرما رہے ہیں کہ یہ مہینہ اگرچہ عدد کے اعتبار سے کم وبیش والا ہوتا ہے لیکن ثواب اور کمال میں ذرّہ برابر کمی نہیں آتی ہے یہ رمضان کے بارے میں تو ٹھیک ہے البتہ ذوالحجہ کا ذکر شاید تبعاً کیا ہے جیسے حدیث میں ہے: أقتلوا الاسودین فی الصلاۃ الحیۃ والعقرب. سانپ تو کالا ہوتا ہے لیکن بچھو کالا نہیں ہوتا پس اصل مقصد سانپ کا ذکر ہے اور بچھو کا ذکر تبعاً آ گیا، اسی طرح یہاں بھی رمضان کا ذکر مقصداً اور ذوالحجہ کا ذکر تبعاً ہے۔

(ج):

پہلی توجیہ کی تشریح: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ دونوں مہینے ایک ساتھ نہیں گھٹتے یعنی دونوں اُنتیس اُنتیس کے نہیں ہوتے، اگر ایک اُنتیس کا ہوگا تو دوسرا تیس کا ہوگا ہاں دونوں تیس کے ہوسکتے ہیں۔

دوسرے مطلب کی تشریح: امام اسحاق بن راہو یہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں مہینے اُنتیس اُنتیس کے بھی ہوسکتے ہیں جیسا کہ دونوں تیس تیس کے ہوسکتے ہیں، امام اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ثواب نہیں گھٹتا اگر مہینے اُنتیس کے بھی ہوں تب بھی ثواب پورے دن کا ملے گا۔

دونوں میں فرق: پہلے مطلب کی بنا پر دونوں مہینے تیس تیس کے تو ہوسکتے ہیں لیکن دونوں اُنتیس اُنتیس کے نہیں ہوسکتے ہیں اور دوسرے مطلب کی بنا پر دونوں مہینے اُنتیس اُنتیس کے بھی ہوسکتے ہیں جیسے دونوں تیس تیس کے ہوسکتے ہیں۔ (تحفۃ القاری ۴/۵۸۴)

سوال:۱۱۸، صفحہ:۲۵۷

عَنْ أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ أَنَّ أَبَاهُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَ مَرْوَانَ أَنَّ عَائِشَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ أَهْلِهِ، ثُمَّ يَغْتَسِلُ وَيَصُومُ. وَقَالَ مَرْوَانُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ أُقْسِمُ بِاللهِ لَتُقْرِعَنَّ بِهَا أَبَا هُرَيْرَةَ. وَمَرْوَانُ يَوْمَئِذٍ عَلَى الْمَدِينَةِ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ فَكَرِهَ ذٰلِكَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، ثُمَّ قُدِّرَ لَنَا أَنْ نَجْتَمِعَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، وَكَانَتْ لِأَبِي هُرَيْرَةَ هُنَالِكَ أَرْضٌ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لِأَبِي هُرَيْرَةَ إِنِّي ذَاكِرٌ لَكَ أَمْرًا، وَلَوْلَا مَرْوَانُ أَقْسَمَ عَلَيَّ فِيهِ لَمْ أَذْكُرْهُ لَكَ. فَذَكَرَ قَوْلَ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ. فَقَالَ كَذٰلِكَ حَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ، وَهُنَّ أَعْلَمُ، وَقَالَ هَمَّامٌ وَابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِالْفِطْرِ وَالْأَوَّلُ أَسْنَدُ.

(۱۴۱۸ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مسئلہ مذکورہ فی الحدیث میں ائمہ کے مذاہب بیان کریں۔

(ج) اور الأوّل اسند سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کیا کہنا چاہتے ہیں نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا کیا مذہب تھا؟

(د) اس حدیث کو سننے کے بعد ان کا کیا عمل رہا اس کو بھی بیان کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ ومطلب: ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کہتے ہیں ان کے ابا

عبدالرحمٰن نے مروان سے بیان کیا کہ حضرت عائشہ اور اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے بیان کیا کہ نبی ﷺ کو صبح صادق پاتی تھی درآنحالیکہ آپ ﷺ بیوی سے صحبت کرنے کی وجہ سے جنبی ہوتے تھے، پھر آپ ﷺ غسل فرماتے تھے اور روزہ رکھتے تھے (یہ حدیث سن کر) مروان نے عبدالرحمٰن سے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں یہ حدیث سنا کر آپ ضرور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو گھبراہٹ میں ڈالیں (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور مروان میں دوستانہ تعلقات تھے اور یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے خلاف تھی اس لئے مروان نے کہا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ضرور یہ حدیث سناؤ تا کہ وہ گھبرا جائیں) اور ان دنوں میں مروان مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔ ابوبکر کہتے ہیں عبدالرحمٰن نے اس کو ناپسند کیا (عبدالرحمٰن جانتے تھے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے مگر وہ بڑے آدمی تھے صحابیٔ رسول تھے، اس لئے عبدالرحمٰن کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کرنے کی ہمت نہ ہوئی) پھر ہمارے لئے ذوالحلیفہ میں جمع ہونا مقدر کیا گیا یعنی اتفاقاً ذوالحلیفہ میں ہماری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی پس عبدالرحمٰن نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا میں آپ سے ایک حدیث ذکر کرتا ہوں اور اگر مروان نے وہ حدیث ذکر کرنے کے لئے مجھے قسم نہ دی ہوتی تو میں آپ رضی اللہ عنہ سے وہ حدیث ذکر نہ کرتا پھر انہوں نے حضرت عائشہ اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہما کی حدیث سنائی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھ سے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح بیان کیا ہے (یعنی میں حضرت فضل کی حدیث کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں) اور وہ زیادہ جاننے والے ہیں اور ہمام نے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ روزہ نہ رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے یعنی اگر صبح صادق کے وقت جنبی ہے تو آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اب روزہ نہ رکھے اور پہلی روایت سند کے اعتبار سے اقویٰ ہے۔

(ب):

مسئلہ مذکورہ میں علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہاء کے سات اقوال ذکر کیئے ہیں:

(۱) جمہور اور ائمہ اربعہ کے نزدیک مطلقاً روزہ ہوجائے گا اور جنابت روزہ کے منافی نہیں ہے، خواہ روزہ فرض ہو یا نفل، طلوع فجر کے بعد فوراً غسل کرلے یا تاخیر کرکے پھر یہ تاخیر خواہ عمداً ہو یا نسیاناً نیند کی وجہ سے۔

(۲) جنبی کا روزہ مطلقاً صحیح نہیں ہوگا یہ فضل بن عباس اور اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے۔

(۳) اگر غسل عمداً مؤخر کیا تو صحیح نہیں ہوگا اور اگر نسیاناً مؤخر ہوگیا تو صحیح ہوجائے گا۔ یہ طاؤس اور عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کا مسلک ہے۔

(۴) اگر فرض روزہ ہو تو صحیح نہیں ہوگا اور اگر نفل روزہ ہو تو صحیح ہوجائے گا۔ یہ حضرت ابراہیم النخعی اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

(۵) روزہ بھی پورا کرے گا اور قضاء بھی کرے گا۔ یہ حضرت سالم بن عبداللہ اور عطاء بن ابی رباح رحمہما اللہ کا مسلک ہے۔

(۶) روزہ صحیح ہوجائے گا لیکن فرض روزہ کو قضاء کرنا مستحب ہے۔ یہ حضرت حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

(۷) اگر طلوعِ شمس سے قبل غسل کرلیا تو روزہ درست ہوجائے گا ورنہ باطل ہوجائے گا۔ یہ حضرت ابن حزم کا مسلک ہے۔ (درسِ ترمذی)

(ج):

والأوّل اسند سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مذہب جمہور کی تائید کررہے ہیں اس طور پر کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلی روایت یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت

اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سند کے اعتبار سے اقویٰ ہے اس لئے اس پر اُمت کا عمل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا پہلا مذہب یہ تھا کہ اگر صائمہ بحالتِ جنابت صبح کرلے تو اس کا روزہ باطل ہو جائے گا۔ (تحفۃ القاری ۴/۵۹۵)

(د):

جب حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت سنائی تو انہوں نے اپنے سابقہ قول اور فتویٰ سے اس حدیث کی طرف رجوع کرلیا اور فرمایا: هما أعلم برسول الله منا.

سوال: ۱۱۹، صفحہ: ۲۶۱

(الف) لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ وَحَدِيْثُ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ، وَلاَ الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ.

میں باہم تعارض ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس تعارض کو کس طرح دفع فرمائی ہے۔

(ب) مَتٰى يُقْضٰى قَضَاءُ رَمَضَانَ کے تحت قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَا بَأْسَ أَنْ يُفَرِّقَ وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ فِيْ صَوْمِ الْعَشْرِ لَا يَصْلُحُ حَتّٰى يَبْدَأَ بِرَمَضَانَ کو ذکر کیا ہے دونوں حضرات کے قول کا مطلب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دلیل تحریر کریں۔

(ج) قَالَ إِبْرَاهِيْمُ إِذَا فَرَّطَ حَتّٰى جَاءَ رَمَضَانُ آخَرُ يَصُوْمُهُمَا، وَلَمْ يَرَ عَلَيْهِ طَعَامًا. وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مُرْسَلاً، وَابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ يُطْعِمُ.

ابراہیم نخعی کا قول وَلَمْ يَرَ عَلَيْهِ طَعَامًا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول یطعم کا مطلب ذکر کر کے بتائیں کہ امام بخاری نے کس کو ترجیح دی ہے؟

(۱۴۲۵ھ)

الجواب:

(الف):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس تعارض کو اس طرح دفع فرمایا ہے کہ حدیث اوّل مذکور فی السوال تکلیف اور مشقت پر محمول ہے کیونکہ نبی ﷺ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب ایک سفر میں قافلہ نے پڑاؤ کیا آپ ﷺ نے ایک جگہ بھیڑ دیکھی آپ ﷺ نے صورتِ حال دریافت کی تو عرض کیا گیا ایک صاحب کا روزہ ہے ان کو روزہ لگا ہے اس لئے سایہ کر کے لوگ ان کو آرام پہنچا رہے ہیں اس دن آپ ﷺ نے فرمایا: لیس من البرّ الصیام فی السفر. اس واقعہ سے معلوم ہوا یہ ارشاد مشقت کی وجہ سے ہے۔ اور حدیث ثانی مذکور فی السوال عدمِ تکلیف اور عدمِ مشقت پر محمول ہے لہٰذا دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے۔

(ب):

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا مطلب: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قضاء کے روزے متفرق رکھنے میں کچھ حرج نہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دلیل: قولہ تعالیٰ: فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ. پس دوسرے دِنوں سے شمار کرنا ہے یعنی جتنے روزے گئے ہیں دوسرے دنوں میں اتنے ہی روزے رکھنے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلسل کی قید کے بغیر روزے رکھنے کا حکم دیا ہے پس چاہے تو مسلسل رکھے چاہے تو متفرق۔

سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مطلب: سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ نے عشر ذی الحجہ کے روزوں کے بارے میں فرمایا مناسب نہیں یہاں تک کہ شروع کرے وہ رمضان سے یعنی کسی کے رمضان کے روزے رہ گئے ہوں اور ذی الحجہ کا مہینہ آجائے تو پہلے رمضان کے قضا روزے رکھے کیونکہ وہ فرض ہیں اور زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں اور عشر ذی الحجہ کے روزے نفل ہیں پس فرض روزے چھوڑ کر نفل روزے رکھنا مناسب نہیں۔

(ج):

ابراھیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مطلب: حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی کے ذمہ رمضان کے روزے باقی تھے، اس نے قضا کرنے میں کوتاہی کی، یہاں تک کہ دوسرا رمضان آگیا تو وہ دونوں رمضانوں کے روزے رکھے اور اس پر فدیہ یعنی کھانا کھلانا واجب نہیں یعنی تاخیر کرنے کی وجہ سے فدیہ واجب نہیں۔

حضرت ابوھریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنھم کے قول کا مطلب:
حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ وہ کھانا کھلائے یعنی اگر رمضان کے روزے باقی تھے اور اگلا رمضان شروع ہوگیا تو قضا کے علاوہ فدیہ یعنی کھانا کھلانا بھی واجب ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اِس طور پر کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ فرمایا ہے یعنی صرف قضا کا حکم دیا ہے فدیہ کا حکم نہیں پس زندگی میں جب بھی روزے قضاء کرے فدیہ واجب نہیں۔ (تحفۃ القاری ۵/۶۰)

سوال: ۱۲۰، صفحہ: ۲۶۱

بَابُ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسْكِيْنَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَسَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ نَسَخَتْهَا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ اِلٰى قَوْلِهٖ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. قَالَ ابْنَ اَبِىْ لَيْلٰى حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ رَمَضَانُ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَكَانَ مَنْ اَطْعَمَ كُلَّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا تَرَكَ الصَّوْمَ مِمَّنْ يُطِيْقُهٗ، وَرُخِّصَ لَهُمْ فِىْ ذٰلِكَ فَنَسَخَتْهَا وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ فَاُمِرُوْا بِالصَّوْمِ.

(۱۴۳۰ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ ومطلب لکھیں۔

(ب) دونوں روایتوں میں بظاہر تخالف ہے دونوں میں ناسخ مختلف ہے آپ کے نزدیک اصل ناسخ کونسا ہے؟ اور کیوں اور دوسری روایت کی توجیہ کیا ہے؟

(ج) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نسخ سے گریز کرتے ہوئے آیت کی کیا توجیہ کی ہے؟ لکھیں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ ومطلب: جس کو روزہ رکھنا بہت بھاری معلوم ہو وہ فدیہ دے۔ حضرت ابن عمر اور سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اسی آیت کو شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الخ نے منسوخ کر دیا اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ متعدد صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو یہ حکم لوگوں کو بھاری معلوم ہوا، چنانچہ ان کو اختیار دیا گیا کہ جس کو روزہ رکھنا بہت بھاری معلوم ہو وہ روزہ نہ رکھے بلکہ ہر روزہ کے بدلے میں ایک غریب کو کھانا کھلائے پس اس آیت کو وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ نے منسوخ کر دیا اور انہیں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

(ب):

یہاں پہلی روایت ہی صحیح ہے کہ آیتِ کریمہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ جو فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ پر مشتمل ہے ہی ناسخ ہے نہ کہ آیت وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيرٌ لَّكُمْ.

اور اس کی مختلف وجوہ ہیں:

اگرچہ سلف سے لے کر علماء کا اس آیت میں اختلاف ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے یا محکم لیکن جو حضرات اس کو منسوخ قرار دیتے ہیں وہ اسی آیت یعنی فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کو ناسخ قرار دیتے ہیں جیسا کہ علامہ شوکانی نے اپنی تفسیر "فتح القدیر

الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير" میں ذکر کیا۔ اسی طرح دوسری کتابوں میں بھی یہ آیت ناسخ قرار دی گئی۔

(۲) پہلی روایت کی آیت ناسخیت میں صریح ہے نہ کہ دوسری روایت والی آیت۔

(۳) اس آیت کے ناسخ ہونے میں متعدد صحابہ سے واضح طور پر روایت آئی ہے۔ جیسا کہ یہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سلمہ بن الاکوع سے روایت آئی ہے اور اس کی سند میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے بخلاف روایتِ ثانیہ کہ اس کی سند میں بہت اختلافات ہیں اگرچہ یہی طریق سب سے راجح ہے جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے اور اس میں صحابہ کے نام بھی مجہول ہیں اگرچہ جملہ صحابہ کرام عادل ہیں لیکن ترجیحات میں صریح کا اعتبار ہوگا۔

(۴) اور یہی اصل بات ہے: چونکہ یہ آیت ناسخ ہونے میں واضح نہیں اس لئے اس کی وضاحت کرنے کے لئے ذکر کیا لیکن وہ بھی تکلف سے خالی نہیں ہے اسی لئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس تاویل کو ضعیف قرار دیا اور آیت کی صحیح توجیہ کر کے اس تاویل کو رَد کر دیا جس سے اس رائے کی تضعیف یا بطلان ثابت ہوتی ہے پس ان وجوہات کی طرف دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلی روایت کی آیت ہی ناسخ ہے نہ کہ دوسری روایت کی آیت۔

دوسری روایت کی توجیہ: جبکہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ دوسری روایت کی آیت کو ناسخ ماننا خلافِ اصل ہے پس ناسخیت کے بارے میں اس روایت کی کوئی توجیہ کی ضرورت نہیں، لیکن چونکہ یہ رائے بھی سلف سے ثابت ہے اس لئے اس کی کوئی صحیح توجیہ ہوگی۔

شاید وہ اس طرح کی کوئی تاویل ہوگی کہ پہلی آیت وَعَلَى الَّذِينَ .... فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ تک نازل ہوئی اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان لوگوں کے حق میں روزہ رکھنا اور فدیہ دے کر روزہ نہ رکھنا دونوں برابر ہے مگر دونوں میں سے کوئی ایک ضرور کرنا چاہیئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ ہی مطلوب ہے جیسا کہ ابتدائے آیت سے واضح ہے پس یہ حصہ نازل ہوا اور یہ ثابت کیا گیا کہ وہ مساوات منسوخ ہے اور اب

زیادہ مطلوب روزہ ہے اور چونکہ یہ طلب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے اس پر امر کا اطلاق کیا گیا۔

(ج):

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ اس آیت کا حکم شیخ فانی اور بوڑھی عورت جو روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہے اُن کے حق میں باقی ہے کہ وہ ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما لیست بمنسوخة هو للشیخ الکبیر والمرأة الکبیرة لایستطیعان ان یصوما فلیطعمان مکان کل یوم مسکینا.(بخاری)

سوال: ۱۲۱، صفحہ: ۲۶۱

بَابُ مَتٰی یَقْضِیْ قَضَاءُ رَمَضَانَ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ لَابَأْسَ اَنْ یُفَرِّقَ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالٰی فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ وَقَالَ سَعِیْدُبْنُ الْمُسَیِّبِ فِیْ صَوْمِ الْعُشْرِ لَایَصْلُحُ حَتّٰی یَبْدَأَ بِرَمَضَانَ. قَالَ اِبْرَاهِیْمُ النَّخَعِیُّ اِذَا إِذَا فَرَّطَ حَتّٰی جَاءَ رَمَضَانُ آخَرُ یَصُومُهُمَا. وَلَمْ یَرَ عَلَیْهِ طَعَامًا. وَیُذْکَرُ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ مُرْسَلاً، وَابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ یُطْعِمُ. وَلَمْ یَذْکُرِ اللهُ الْإِطْعَامَ إِنَّمَا قَالَ فَعِدَّةٌ مِنْ أَیَّامٍ أُخَرَ.

(۱۴۲۳ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) قضاء رمضان کے باب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن المسیب کے قول میں فرق کو واضح کریں۔

(ج) پورا سال گزر جائے اور دوسرا رمضان آنے کے بعد قضاء کرنے کے سلسلہ میں ابراہیم نخعی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال بیان کریں۔

(د) ولم یذکر الاطعام الخ یہ کس کا قول ہے؟ اِس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ ہر جزء کو مفصّل تحریر کریں۔

(ہ) امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے مذاہب بھی تحریر کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ: رمضان کے روزوں کی قضاء کب کی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قضاء کے روزے متفرق رکھنے میں کچھ حرج نہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی وجہ سے پس دوسرے دِنوں سے شمار کرنا ہے۔ اور حضرت سعید بن المسیب نے عشرہ ذی الحجہ کے روزوں کے بارے میں فرمایا مناسب نہیں یہاں تک کہ شروع کرے وہ رمضان سے۔ اور ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کسی کے ذمہ رمضان کے روزے باقی تھے، قضاء کرنے میں کوتاہی کی ہے یہاں تک کہ دوسرا رمضان آ گیا تو وہ دونوں رمضانوں کے روزے رکھے اور اس پر کھانا یعنی فدیہ واجب نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرسلاً اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ کھانا کھلائے۔ (اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے کھانا کھلانے کا ذکر نہیں فرمایا صرف فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ یعنی پس دوسرے دِنوں سے شمار کرنا ہے فرمایا ہے۔

(ب):

دونوں حضرات کے قول کا مطلب سوال نمبر ۱۱۹ میں گزر چکا ہے۔

اور دونوں کے قول کے درمیان فرق یہ ہے: کہ دونوں حضرات قضاءِ رمضان میں تاخیر اور تفریق کے جواز کے قائل ہیں البتہ حضرت ابن عباس مطلق تاخیر کے قائل ہیں اور دوسرے رمضان تک تاخیر کی صورت میں قضاء کے ساتھ فدیہ کے بھی قائل ہیں اور سعید بن المسیب تاخیر موقت کے قائل ہیں یعنی ان کے نزدیک دس ذی الحجہ کے پہلے

پہلے قضاء کرنا چاہئے اور اس سے تاخیر کی صورت میں فدیہ واجب نہیں ہوگی صرف قضاء کرنی کافی ہے۔

(ج):

اس جزء کا جواب سوال نمبر ۱۱۹ میں گزر چکا ہے۔

(د):

یہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کے ذریعہ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ روزہ کی قضاء کرنے والے پر فدیہ واجب نہیں ہے۔

(ہ):

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کسی شخص نے عذر کے بغیر آئندہ رمضان تک روزوں کی قضاء نہیں کی تو وہ گنہگار ہوگا اور اس پر قضاء کے ساتھ فدیہ بھی واجب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر صرف روزوں کی قضاء واجب ہے فدیہ واجب نہیں ہے۔

سوال: ۱۲۲، صفحہ: ۲۶۱

بَابُ الْحَائِضِ تَتْرُكُ الصَّوْمَ وَالصَّلاَةَ. وَقَالَ اَبُوا الزِّنَادِ إِنَّ السُّنَنَ وَوُجُوهَ الْحَقِّ لَتَأْتِي كَثِيرًا عَلَى خِلاَفِ الرَّأْيِ، فَمَا يَجِدُ الْمُسْلِمُونَ بُدًّا مِنِ اتِّبَاعِهَا، مِنْ ذٰلِكَ أَنَّ الْحَائِضَ تَقْضِي الصِّيَامَ وَلاَ تَقْضِي الصَّلاَةَ.

(۱۴۲۹ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب لکھیں۔

(ب) حضرت ابوالزناد کے قول کا مطلب لکھیں اور اس کی کوئی ایک اور مثال بھی لکھیں۔

(ج) حالتِ حیض کی نمازیں معاف ہیں اور روزوں کی قضاء ہے اس فرق کی وجہ کیا ہے؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ و مطلب: حائضہ نہ روزے رکھے نہ نماز پڑھے ابوالزناد فرماتے ہیں سنتیں یعنی احکامِ شرعیہ اور دینِ حق کی راہیں یعنی مسائل دینیہ بار ہا رائے کے خلاف آتے ہیں یعنی عقل ان کی حکمتوں کا ادراک نہیں کرسکتی پس نہیں پاتے مسلمان کوئی چارہ ان کی پیروی سے یعنی ان کی پیروی ضروری ہوتی ہے ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ روزوں کی قضاء کریں اور نمازوں کی قضاء نہ کریں۔

(ب):

ابوالزناد کے قول کا مطلب: ابوالزناد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کبھی شریعت کے احکام رائے کے خلاف آتے ہیں ان کی حکمت عام طور پر لوگ نہیں سمجھ سکتے ایسی جگہوں میں شریعت کے احکام کے سامنے سرنگوں ہونا اور ان کی پیروی کرنا لازم ہے۔
اور اس کی مثال مسح علی الخفین ہے عقل کا تقاضا موزوں پر مسح کی عدم جواز کی لیکن خلافِ قیاس نص کی وجہ سے اس کا جواز ثابت ہوا اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لو کان الدین بالرائی لکان باطن الخف احق بالمسح من اعلاہ.
(تحفۃ القاری ۶۱/۵)

(ج):

فرق کی وجہ: یہ ہے کہ نمازوں میں تکرار ہے سات دن حیض آیا چالیس نمازیں مع وتر قضا ہوئیں اب پاک ہونے کے بعد وقتی چھ نمازیں بھی پڑھنی ہیں اور چالیس نمازیں قضاء بھی پڑھنی ہیں اس لئے قضاء پڑھنے میں دشواری ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے الحرج مدفوع چنانچہ نمازوں کی قضاء معاف کردی اور روزوں کی قضاء کرنے میں کچھ

دُشواری نہیں، زیادہ سے زیادہ تین تا دس روزے قضا ہوتے ہیں ان کو سال بھر میں رکھنے میں کیا دُشواری ہے اس لئے روزوں کی قضاء معاف نہیں۔

(۲) نماز کے لئے طہارت شرط ہے جو حائضہ اور نفساء کو حاصل نہیں اوران کا عذر سماوی ہے اور سماوی عذر میں شریعت کا اُصول یہ ہے کہ قلیل عذر کا اعتبار نہیں اور طویل عذر معتبر ہے اور حیض ونفاس طویل اعذار ہیں اس لئے نمازیں معاف ہیں اور روزوں کے لئے طہارت شرط نہیں دن بھر جنابت میں رہے تو بھی روزہ صحیح ہے البتہ روزے میں انبساط ضروری ہے جو حیض میں روزہ رکھنے میں حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے مسافر کی طرح حائضہ کو روزہ نہ رکھنے کی رُخصت دی اور دونوں بعد میں قضاء کریں گے مگر مسافر سے حائضہ کا معاملہ سخت ہے اس لئے مسافر روزہ رکھ سکتا ہے اور حائضہ نہیں رکھ سکتی وہ قضاء ہی کرے گی۔ (تحفۃ القاری ۶۱/۵)

سوال: ۱۲۳، صفحہ: ۲۵۷

بَابُ تَفْسِيْرِ الْمُشَبَّهَاتِ وَقَالَ حَسَّانُ ابْنُ اَبِيْ سِنَانٍ مَارَأَيْتُ شَيْئًا اَهْوَنُ مِنَ الْوَرَعِ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيْبُكَ.

(الف) آپ پہلے وہ حدیث لکھیں جس میں لفظ مشبہات، مشتبہات آیا ہے پھر اس کی شرح کریں۔

(ب) پھر بتائیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشتبہات کی تفسیر کیا ہے پھر اس کی دو مثالیں لکھیں۔

(ج) اور حضرت حسان کے قول کی وضاحت کریں۔

الجواب:

(الف):

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُشْتَبِهَةٌ. فَمَنْ تَرَكَ مَا شُبِّهَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ كَانَ لِمَا اسْتَبَانَ أَتْرَكَ. وَمَنِ اجْتَرَأَ عَلَى مَا يَشُكُّ فِيهِ مِنَ الْإِثْمِ أَوْشَكَ أَنْ يُوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ. وَالْمَعَاصِي حِمَى اللهِ، مَنْ يَرْتَعْ حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ.

تشریح الحدیث: اس حدیث میں مؤمن کا ایک خاص مزاج بتایا گیا ہے مؤمن کا مزاج یہ ہونا چاہئے کہ وہ محتاط زندگی گزارے اور جن چیزوں کا حلال ہونا یقینی طور پر معلوم نہیں ان سے بچے، اس کا دین پاک صاف رہے گا، ارشاد فرمایا: حلال واضح ہے اسے بے تکلف اختیار کرو اور حرام بھی واضح ہے اس کے قریب بھی مت جاؤ اور دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کا حلال ہونا عام لوگوں کے لئے واضح نہیں پس جس نے ان کو چھوڑ دیا وہ حرام سے ضرور بچ جائے گا اور جس نے مشتبہ اُمور میں ہاتھ ڈالا وہ قریب ہے کہ حرام میں جا پڑے جب مزاج میں دین کے تعلق سے بے باکی پیدا ہوگئی تو اب حرام کا ارتکاب پیدا کرنے میں کیا باک؟ پھر اس کو نبی ﷺ نے ایک مثال سے سمجھایا کہ جو شخص سرکاری چراگاہ کے اِردگرد جانور چراتا ہے وہ قریب ہے چراگاہ میں جا پڑے، چرواہا ذرا غافل ہوا کہ جانور ریز وایریے میں جا گھسیں گے اور پولیس اس کی خبر لے لے گی اور جو چرواہا محتاط ہے سرکاری چراگاہ سے دُور جانور چراتا ہے وہ اگر غافل بھی ہوگیا اور جانور آگے بڑھ گئے تو چراگاہ تک نہیں پہنچیں گے اور پولیس کے عتاب سے محفوظ رہے گا۔ اور جس طرح حکومتیں سرکاری جانور کے لئے چراگاہ مخصوص کرتی ہیں جن میں پبلک کو جانور چرانے کی اجازت نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو کام حرام کئے ہیں وہ اللہ کا محفوظ ایریا ہیں مؤمنین کو ان کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہیں بلکہ احتیاط کی بات یہ ہے کہ مشتبہ اُمور سے بھی دُور رہے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب تحقیق کے بعد اقدام کرے جب تک کسی چیز کا حلال ہونا واضح نہ ہوجائے اس سے کنارہ کش رہے یہی مزاج اور ذہن بنانا اس حدیث کا مقصد ہے۔

(ب):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشتبہ اُمور وہ ہیں جن میں حلال کا پہلو بھی ہو اور حرام کا بھی۔

اس کی دو مثال:

(۱) حضرت عقبہ بن لحارث رضی اللہ عنہ نے ابواہاب کی لڑکی سے نکاح کیا۔ جب شادی کی شہرت ہوئی تو ایک کالی عورت ان کے پاس آئی اس نے کہا عقبہ تو نے کس سے نکاح کرلیا میں نے تجھے اور جس سے تُو نے نکاح کیا ہے دونوں کو دودھ پلایا ہے، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اور حضور ﷺ سے پوری بات عرض کی اور آخر میں کہا کہ یا رسول اللہ! وہ جھوٹی ہے پس نبی ﷺ نے رُخ پھیرلیا، انہوں نے دوسری جانب سے آکر یہی بات عرض کی تو آپ ﷺ نے رُخ پھیرلیا جب تیسری بار یہ بات عرض کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو نکاح میں کیسے رکھو گے جبکہ وہ یہ بات کہتی ہے یعنی رضاعت کا شبہ پیدا ہو گیا اس لئے اس کو الگ کرو، چنانچہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس کو الگ کردیا۔

(۲) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھا کہ میں اپنا کتّا بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑتا ہوں پھر میں اس کتے کے ساتھ دوسرے کتے پاتا ہوں پس کیا میں اس شکار کو کھا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شکار حرام ہے اس کو کھانا جائز نہیں، کیونکہ تم نے اپنے کتّے پر بسم اللہ پڑھی ہے دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی یعنی یہ احتمال ہے کہ شکار کو دوسرے کتے نے مارا ہو اور وہ بسم اللہ پڑھے بغیر چھوڑا گیا ہے یا وہ غیر معلَّم ہو یا کافر کا کتّا ہو پس اس شکار میں موت کے دو سبب جمع ہو گئے ایک حلال دوسرا حرام اس لئے نبی ﷺ نے اس شکار کو حرام قرار دیا۔ (تحفۃ القاری ۵/ ۱۳۲)

(ج):

حضرت حسّان کے قول کی وضاحت: حضرت حسان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں میں نے پرہیزگاری سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں دیکھی یعنی تقویٰ اختیار کرنا بہت آسان ہے اور اس کا فارمولہ ہے دع ما یریبك الی مالا یریبك جو دل میں کھٹک پیدا کرے اسے چھوڑ دو اور بے کھٹک بات کو اختیار کرو یعنی مؤمن کا دل کسوٹی ہے جب بھی کوئی معاملہ پیش آئے تو دل سے پوچھے دل مطمئن ہے تو اس کام کو کرے اور شک ہو تو چھوڑ دے یہ پرہیزگار بننے کا آسان فارمولہ ہے۔

سوال: ۱۲۴، صفحہ: ۲۹۷

بَابُ بَيْعِ الْعَبْدِ بِالْعَبْدِ وَالْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً.

وَاشْتَرَى ابْنُ عُمَرَ رَاحِلَةً بِأَرْبَعَةِ أَبْعِرَةٍ مَضْمُونَةٍ عَلَيْهِ، يُوفِيهَا صَاحِبَهَا بِالرَّبَذَةِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَدْ يَكُونُ الْبَعِيرُ خَيْرًا مِنَ الْبَعِيرَيْنِ. وَاشْتَرَى رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ بَعِيرًا بِبَعِيرَيْنِ فَأَعْطَاهُ أَحَدَهُمَا وَقَالَ آتِيكَ بِالآخَرِ غَدًا رَهْوًا، إِنْ شَاءَ اللهُ. وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ لاَ رِبَا فِي الْحَيَوَانِ الْبَعِيرُ بِالْبَعِيرَيْنِ، وَالشَّاةُ بِالشَّاتَيْنِ إِلَى أَجَلٍ. وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ لاَ بَأْسَ بَعِيرٌ بِبَعِيرَيْنِ نَسِيئَةً. عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ فِي السَّبْيِ صَفِيَّةُ، فَصَارَتْ إِلَى دِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ، ثُمَّ صَارَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(۱۴۳۱ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب لکھیں۔

(ب) حیوان کی حیوان کے عوض کمی بیشی کے ساتھ اور اُدھار بیع جائز ہے یا نہیں، اختلافِ ائمہ مدلّل و مفصل لکھیں اور بتائیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کن کے ساتھ ہیں۔

(ج) اور آخری حدیث کا باب سے تعلق واضح کریں۔

الجواب:

(الف):

ترجمہ و مطلب: غلاموں کو غلام کے بدلے اور جانور کو جانور کے بدلے اُدھار بیچنا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک راحلہ (سواری کا اونٹ) خریدا اس کے بدلے میں چار (عام) اونٹ دیئے (راحلہ پر تو حضرت نے فوراً قبضہ کر لیا اور اس کی قیمت میں جو چار اونٹ دیئے تھے) وہ اپنے ذمہ لے لیے اور فرمایا وہ چار اونٹ میں ربذہ گاؤں میں دوں گا (وہاں میرے اونٹ چر رہے ہیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کبھی ایک اونٹ دو اونٹوں کی قیمت کے برابر ہوتا ہے (پس حیوانات میں کمی بیشی جائز ہے) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلے میں خریدا اور ثمن کے جو دو اونٹ تھے ان میں سے ایک اونٹ فوراً دیدیا اور دوسرے کے بارے میں کہا کہ وہ ان شاء اللہ آئندہ کل اطمینان سے دوں گا۔ حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حیوانات میں ربوٰ نہیں پس ایک بکری دو بکری کے بدلے میں ایک اونٹ دو اونٹ کے بدلے میں اُدھار بھی بیچ سکتے ہیں۔ حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلے اور درہم درہم کے بدلے اُدھار بیچ سکتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پہلے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سات یا نو بردے دے کر لے لیا۔

(ب):

حیوان کی بیع حیوان کے عوض کمی و بیشی کے ساتھ بالاتفاق جائز ہے کہ ایک بکری دے کر دو بکرے لے لے۔

اور حیوانات کی بیع میں اگر دونوں عوض نقد ہوں تو بالاتفاق جائز ہے اور اگر دونوں عوض اُدھار ہوں تو بالاتفاق ناجائز ہے اور اگر ایک عوض نقد اور دوسرا اُدھار ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

(ا) امام شافعی، امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک بیع درست ہے۔

دلائل: (۱) اشتریٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ راحلۃ بأربعۃ ابعرۃ مضمونۃ علیہ یوفیہا صاحبہا بالربذۃ.

وجہِ استدلال: اس حدیث میں راحلہ پر تو حضرت نے فوراً قبضہ کرلیا اور اس کی قیمت میں جو چار اونٹ دیئے تھے وہ اپنے ذمہ لے لیے اور فرمایا وہ ربذہ میں دوں گا پس ایک عوض نقد ہے اور دوسرا اُدھار معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے۔

(۲) وقال ابن عباس رضی اللہ عنہما قد یکون البعیر خیرا من البعیرین.

(۳) واشتریٰ رافع بن خدیج بعیرا ببعیرین فاعطاہ احدہما وقال اتیك بالآخر غدا رھواً ان شاء اللہ.

(۴) وقال ابن المسیب لاربا فی الحیوان البعیر بالبعیرین والشاۃ بالشاتین الیٰ اجل.

(۵) وقال ابن سیرین لابأس بعیر ببعیرین ودرھم بدرھم نسیئۃ.

وجہِ استدلال: یہ سب آثار حیوان کی بیع اُدھار کی بیشی کے ساتھ جائز ہونے پر دلالت کررہی ہے۔

(۲) اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک حیوانات کی بیع اُدھار کی وبیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

دلائل: (۱) عن سمرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ نھیٰ عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ.

وجہِ استدلال: یہ حدیث صراحتاً دلالت کررہی ہے کہ حیوان کی بیع حیوان کے عوض اُدھار بیچنا جائز نہیں ہے۔

(۲) عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الحیوان اثنین بواحدۃ لایصلح نسأً ولابأس بہ یدا بید.

اورامام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی اورامام مالک رحمہا اللہ کے ساتھ ہیں، اس لئے انہوں نے ان کی تائید میں دلائل ذکر کئے ہیں۔ (تحفۃ القاری ۵/۸۷ ۲۔درسِ ترمذی)

(ج):

آخری حدیث کا باب سے مناسبت: ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی تھیں نبی علیہ السلام نے ان کو سات یا نو بردے دے کر حضرت صفیہ کو لے لیا پس معلوم ہوا کہ حیوان کی بیع حیوان کے عوض کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے پس حدیث کا تعلق باب سے ظاہر ہے، کیونکہ باب میں جو دو مسئلہ بیان کئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حیوان کی بیع حیوان کے عوض کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔

سوال: ۱۲۵، صفحہ: ۳۰۰

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ.

(۱۴۳۷ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب لکھیں۔

(ب) شفعہ کا حقدار کون ہے؟ جار کے لئے شفعہ ہے یا نہیں اختلافِ ائمہ مدلل لکھیں۔

(ج) اور مذکورہ حدیث سے کون استدلال کرتا ہے اور دوسرے حضرات اس کا کیا مطلب لیتے ہیں؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ و مطلب: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے شفعہ کا

فیصلہ کیا ہر اس جائداد میں جو بانٹی نہیں گئی پس جب سرحدیں قائم ہو جائیں اور راہیں الگ الگ کر لی جائیں یعنی سرکاری راستہ تک پہنچنے کی راہیں ہر ایک نے جدا کر لی تو شفعہ نہیں ہے۔

(ب):

شفعہ کا حقدار کون ہے؟ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے اس میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ شفیع صرف ایک ہے جو بکی ہوئی جائداد میں شریک ہو اور وہ جائداد قابلِ تقسیم ہو اور ان کے نزدیک جانور کو شفعہ نہیں ملے گا۔

دلیل: (۱) عن جابر رضی الله عنه قال قضی النبی ﷺ بالشفعة فی کل مالم یقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة.

(۲) اور حنفیہ کے نزدیک شفیع تین ہیں: (۱) جو نفس مبیع میں شریک ہو خواہ مبیع قابلِ تقسیم ہو یا قابلِ تقسیم نہ ہو (۲) جو حقوق مبیع یعنی راستہ وغیرہ میں شریک ہو (۳) محض پڑوسی جو کسی بات میں شریک نہیں نہ مبیع میں اور نہ حقوق میں۔

حنفیہ کے نزدیک یہ تینوں ترتیب وار شفیع ہیں سب سے پہلے شفعہ کا حق شریک فی نفس المبیع کا ہے، چاہے مبیع قابلِ تقسیم ہو یا نہ ہو اور اگر یہ شفیع نہیں ہے یا وہ شفعہ نہیں لینا چاہتا تو دوسرے نمبر پر شریک فی الحقوق ہے اور اگر وہ بھی نہیں یا وہ نہ لینا چاہے تو پھر جار محض کو حق شفعہ ملے گا۔

دلائل: (۱) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ الشریك شفیع والشفعة فی کل شیئ.

مبیع میں شریک شفیع ہے اور شفعہ ہر چیز (جائداد) میں ہے خواہ وہ قابلِ تقسیم ہو یا نہ ہو۔

(۲) عن جابر رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ الجار احق بشفعته ینتظر به وان کان غائبا اذا کان طریقهما واحدا.

پڑوسی اپنے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے اگر وہ غائب ہو تو اس کا انتظار کیا جائے گا بشرطیکہ دونوں کے آنے جانے کا راستہ ایک ہو۔

(۳) عن سمرة رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ جار الدار احق بالدار.
گھر کا پڑوسی گھر کا زیادہ حقدار ہے۔

وفی روایة جار الدار احق بسقبه.
پڑوسی اپنے قریب کی جائداد کا زیادہ حقدار ہے۔

وجہِ استدلال: یہ تینوں حدیثیں علی الترتیب شریک فی نفس المبیع جار فی الحقوق اور جار محض کے لئے شفعہ کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں، پس معلوم ہوا کہ تینوں کے لئے علی الترتیب حقِ شفعہ ثابت ہوگا۔

(ج):

مذکورہ حدیث سے ائمہ ثلاثہ استدلال کرتے ہیں۔

اور حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ: اس حدیث میں مسئلہ کا بیان نہیں بلکہ ایک غلط فہمی کا ازالہ ہے۔ ایک شخص مر گیا پچاس بیگھے زمین چھوڑی، اس کے وارث تین لڑکے ہیں انہوں نے زمین تقسیم کر لی اور اپنے کھیتوں کی مینڈھیں بنا لیں اور سرکاری راستہ تک جانے کا راستہ ہر ایک نے الگ کر لیا پھر ایک بھائی کے پڑوس میں زمین بِکی تو تینوں بھائی شفعہ لینے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، کہتے ہیں ہمارے باپ کی زمین کے پاس جائداد بکی ہے پس ہم سب اس کے شفیع ہیں نبی علیہ السلام نے ایسے ایک قضیہ میں فیصلہ کیا کہ تینوں کے لئے شفعہ نہیں اگر زمین مشترک ہوتی بانٹی نہ گئی ہوتی تو تینوں بھائی شفعہ کے حقدار تھے مگر جب بھائیوں نے زمین بانٹ لی اور ہر ایک نے اپنی زمین کی سرحد قائم کر لی اور راستے الگ کر لئے تو اب تینوں بھائیوں کے لئے حقِ شفعہ نہیں صرف اس بھائی کے لئے حقِ شفعہ ہے جس کی زمین بکی ہوئی زمین کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

الغرض! یہ ایک جھگڑا کا تصفیہ ہے یہ مسئلہ کا بیان نہیں مسئلہ کا بیان تو وہ ہے جو حنفیہ کے مستدلات میں ہے۔

سوال:۱۲۶، صفحہ:۳۶۶

بَابُ إِذَا زَكَّى رَجُلٌ رَجُلاً كَفَاهُ. وَقَالَ أَبُو جَمِيلَةَ وَجَدْتُ مَنْبُوذًا، فَلَمَّا رَآنِي عُمَرُ قَالَ عَسَى الْغُوَيْرُ أَبْؤُسًا. كَأَنَّهُ يَتَّهِمُنِي قَالَ عَرِيفِي إِنَّهُ رَجُلٌ صَالِحٌ قَالَ كَذَالِكَ. اذْهَبْ وَعَلَيْنَا نَفَقَتُهُ.

(۱۴۱۳، ۱۴۲۱ھ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور بتائیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس سے کیا بیان کرنا چاہتے ہیں۔

(ب) ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت کیسے ہے، نیز ابو جمیلہ کا واقعہ بیان کیجئے۔

(ج) یہ مثال کس وقت بولی جاتی ہے؟ منبوذ کس پھل کا نام ہے؟

الجواب:

(الف):

ترجمہ: ایک آدمی کا تزکیہ کافی ہے۔ ابو جمیلہ کہتے ہیں مجھے ایک پڑا ہوا بچہ ملا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھا تو فرمایا ہو سکتا ہے چھوٹی غار مصیبت ہو گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے متہم گردانا، پھر میرے نقیب نے گواہی دی یہ نیک آدمی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسا ہے جاؤ پرورش کرو اور ہمارے ذمہ اس کا خرچہ ہے۔

اِس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تعدیل و تزکیہ کا مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ تعدیل و تزکیہ میں ایک آدمی کی گواہی کافی ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک ایک آدمی کا تزکیہ کافی ہے امام بخاری کا مسلک بھی یہی ہے البتہ امام شافعی اور مام مالک کے نزدیک شہادت کی طرح تزکیہ کے لئے بھی دو گواہ ضروری ہیں ایک آدمی کا تزکیہ کافی نہیں۔

(ب):

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک

آدمی کی گواہی تزکیہ کے لئے قبول کی اور باب کا عنوان بھی یہی ہے کہ ایک شخص کی گواہی ایک شخص کے تزکیہ کے لئے کافی ہے، لہٰذا حدیث کی باب سے مناسبت بالکل واضح و ظاہر ہے۔

ابو جمیلہ کا واقعہ: ابو جمیلہ ایک تابع ہیں وہ کہتے ہیں مجھے ایک پڑا ہوا بچہ ملا میں لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور بتایا کہ یہ بچہ مجھے فلاں جگہ پڑا ہوا ملا ہے میں نے اس کو پرورش کرنے کے لئے اُٹھالیا ہے پس حکومت سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیں تاکہ میں اس کی پرورش کرسکوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا عسی الغُویرُ أبوسئاً ہوسکتا ہے چھوٹی غار مصیبت ہو (یہ ایک محاورہ ہے ایسی جگہ استعمال کیا جاتا ہے جس کا ظاہر سلامتی ہو اور اس میں ہلاکت کا اندیشہ ہو) یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو متہم گردانا کہ اپنا ہی بچہ لے کر آیا ہے اور اس کو دوسرے کا بتا رہا ہے اس طرح چارسوبیسی کر کے حکومت سے وظیفہ جاری کرانا چاہتا ہے۔ ابو جمیلہ جس قبیلہ کے تھے اس کا ایک چودھری تھا اس نے آکر گواہی دی کہ یہ چارسوبیس نہیں نیک آدمی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول کیا اور فرمایا ایسا ہے جاؤ پرورش کرو اور ہمارے ذمہ اس کا خرچہ ہے یعنی ہم بیت المال سے اس کا خرچہ دیں گے۔

(ج):

یہ مثال اس وقت بولی جاتی ہے جہاں ظاہر میں سلامتی کی اُمید ہو اور در پردہ اس میں ہلاکت ہو۔ ہوا یہ تھا کہ کچھ لوگ جان بچانے کے لئے دشمن سے ایک غار میں جا کر چھپے لیکن وہ غار ان پر گر پڑا اور وہاں مر گئے اس وقت سے یہ مثال جاری ہوگئی۔

منبوذ پھل نہیں بلکہ لقیط کو کہتے ہیں اور لقیط ہر اس بچہ کو کہتے ہیں جس کو اس کے گھر والوں نے تہمتِ زنا یا فقر وغیرہ کے اندیشے سے کسی جگہ ڈال دیا ہو۔

أَلحمدُ لِلّٰہِ الَّذِی بِنِعمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَات.

۷/۴/۱۴۳۸ھ